

۱۱۶

سفرنامہ دوم



کتاب خانہ

و ششم

مولانا شبلی نعمانی



شمس العلماء

پروفیسر عربی مدرسہ العلوم علیگڑھ۔ ویلو آف یونیورسٹی لکھنؤ

در مطبع مہیسا رام اکبر طبع

طبع اول (۱۰۰۰ جلد)

دیسپاچہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِلًا وَمُصَلِّيًا

در سو سو گھل گر۔ بہ گلستان نرسیدیم | از دست ندادیم تماشا سے خزان۔

رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ - ۱۸۹۲ء - مین - مین نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ مختصر
ایک طالب العلمانہ سفر تھا۔ اور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا۔ نہ واقعات سفر میں جنہا
ندر تھی۔ سفر نامہ میں لکھنے کا میرا بالکل مادہ نہ تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آکر جن
بزرگوں اور دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ سب سفر نامہ کے متقاضی تھے۔
مین نے خیال کیا کہ چونکہ ایک برس ہماری جماعت مین میں وساحت کا طریقہ بندہ
اور اسوجہ سے اسلامی ممالک کے صحیح حالات سے بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتا
لوگوں کا یہ غلط فہمی بجا نہیں۔ مجھ کو خود اپنی حالت یا د آئی کہ سفر سے قسطنطنیہ وغیرہ
کا کوئی مساحل جاتا تو مین گھنٹوں وہاں کے حالات پوچھتا۔

صفحہ	موضوع	صفحہ	مضمون
۲۰۶	مزارات	۱۸۳-۱۸۱	انونی کالج
۲۰۸	مطالع اور اخبارات	۱۸۳	رستہ الترجمة
۲۱۰	تھیٹر	۱۸۴	بیبیہ کالج
۲۱۲	کلب اور انجمنیں		بخیزنگ کالج - ودرہ صنعت
۲۱۳	مولد نبوی صلعم	۱۸۶	عام مدارس
۲۱۵-۲۰۰	اہل کمال اور مصنفین	۱۸۸	ربین تعلیم پانے والے
	سفر کاخاتمہ اور اہل عرب کے	۱۹۶-۱۹۱	جامع ازہر
۲۲۰-۲۰۴	فیاضانہ اخلاق	۱۹۶-۲۰۰	کتب خانہ سکاری
۲۲۵	حال کی عربی زبان ..	۲۰۴-۲۰۱	دیم یادگارین

ہنیہ - صفحہ ۲۳۳ میں حواہج کے بجائے اداعی پڑھنا چاہیئے - اور اس لفظ
 وحرف الف کے لغات میں محسوب کرنا چاہیئے -

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۹-۱۳۴	بیروت کی علمی ترقی ..	۱۰۹-۱۰۴	ل نمازین آنا اور فوجوں کا ملاحظہ
۱۵۰-۱۴۴	بیروت کی یونیورسٹی ..	۱۱۹	سے گزرنا ..
۱۵۲-۱۵۰	انجمنین اور اخبارات ..	۱۱۲-۱۱۱	مید کا جلوس ..
۱۵۵-۱۵۳	علماء و اہل کمال کی ملاقات ..	۱۱۲-۱۱۱	شہنومی عید یہ ..
۱۵۷	بیروت سے روانگی ..	۱۱۲-۱۱۱	نکون کے اخلاق و عادات
۱۵۹	بیت المقدس ..	۱۲۲-۱۱۵	و طرز معاشرت ..
۱۶۱	مسجد اقصیٰ ..	۱۲۲-۱۱۵	عورتوں کی تعلیم و تربیت
۱۶۴	قمامہ ..	۱۲۲-۱۲۲	وضع و لباس ..
۱۶۴	علماء و فضلاء کی ملاقاتیں و بعض دیگر	۱۲۲-۱۲۲	قسطنطینہ میں ہندوستانی
۱۶۸-۱۶۵	حالات ..	۱۲۲	قسطنطینہ کے احباب ..
۱۶۸	بیت المقدس سے روانگی ..	۱۲۹	غازی عثمان پاشا کی ملاقات
۱۷۰	قاہرہ ..	۱۲۹	مصنف کو متعہ مجیدی ملنا اور
۱۷۲	مصر کی تعلیمی حالت ..	۱۳۴-۱۳۱	تمغہ و فرمان سلطانی کی نقل
۱۷۲	کالجوں اور اسکولوں کی تعداد اور دیگر	۱۳۴	قسطنطینہ سے روانگی ..
۱۷۴	مصارف ..	۱۳۴	چند دیگر امور
۱۷۹-۱۷۱	دارالعلوم ..	۱۳۸-۱۳۷	بیروت ..

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۰-۶۲	ترکون کی علمی حالت	۴۱-۴۰	لباس اور وضع
۶۰-۶۱	اخبارات اور رسائلے	۴۲	تعلیم کی حالت
۶۲	کتا بونکے چھپنے میں اعتدال سے	۴۲	تعلیم جدید اور اسکے مختلف درجے
۶۲	زیادہ احتیاط	۴۴	مطالعہ حال کے زمانہ میں تعلیم کی
۶۸	چھاپے خانے	۴۵	ترقی اور تعلیم کے مصارف سالانہ
۸۰-۸۱	کتب خانے	۴۶	ملتان کا طالب العلم کی دعوت کرنا
۸۱-۸۱	زروایا یعنی ہر ملک اور ہر قوم کے	۴۷-۴۷	خاص اہل عرب کی تعلیم کا اہتمام
۹۱-۹۱	لیے تیراتی مسافر خانے	۴۹-۴۷	بے بڑے کالج اور اسکول
۹۳-۹۳	جامع مسجدین	۵۱-۵۰	بورڈنگ کا طریقہ
۹۵	قابل دید مقامات	۵۲	طالب العلموں کا لباس
۹۶	ترس خانہ یعنی جہان سرکاری	۵۲	ترقی تعلیم میں کمی
۹۶	جہاز تیار ہوتے ہیں	۵۴-۵۵	حمہ کالج
۹۹-۹۹	عجائب خانہ		بہار
۱۰۰-۱۰۰	سنگ مرمر		

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶-۲۵	قسطِ نظیہ میں قیام کے طریقے	۲-۱	سفر کا ارادہ اور اس کا آغاز
	شیخ عبد الفلاح کی رفاقت اور	۷-۳	بھٹی سے عدن تک
۲۶	ان کا حال	۸	عجیب و غریب جانور
	ایک تصنیف کے ذریعہ سے	۱۱-۹	پورٹ سعید
۲۷	شیخ علی ظبیان کی ملاقات	۱۳	بیروت کی سسری سیر ..
۲۸	کھانے کا انتظام		پورٹ سعید سے حالت سفر میں
۲۳-۲۹	قصیدہ سفریہ	۱۳	ایک تغیر
	قسطِ نظیہ کی اجمالی تاریخ		ایرانی ٹوپی کی وجہ سے عربوں
۳۲-۳۳	اور مختصر حالات	۱۴	کی بے اعتنائی
۳۴	قسطِ نظیہ کی موجودہ حالت	۱۸-۱۵	سامپرس
۳۵	مہر قح اور منظر کی خوبی ..	۲۲-۱۹	ازمیر میں سمرنا

نہایت اہم ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت بیان ہے وہاں یہ ہے۔ پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے اور دونوں سے مل کر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا ہے۔ چڑا نے خیال دالے ابھی تک زمانہ کی رفتار۔
 یہ خنجر بہن۔ نئے مذاق کے لوگ جس قدر کہتے ہیں کرتے نہیں۔ تہمت۔ ہجرت۔ جوڑ
 عزم۔ استقلال۔ کہے بجائے کل قوم پر (من حیث الاغلب) افسردگی سی جھائی ہوئی۔
 جو شخص جس حال میں ہے اُسی پر قائم ہے۔ موجودہ حالت تو یہ ہے۔ ولعل اللہ یصلح
 بعد ذلک امر۔

بَا لَکَ لَکَ لَکَ



مجھ کو ملنے کا اتفاق ہوا جب ترکی خاتون کے متعلق واقعات کے طور پر کچھ بیان کرتی تھیں تو مجھ کو گمان ہوتا تھا کہ یہ کسی اور قوم کا تذکرہ ہے۔ یا ناول کے طور کے قصہ ہوتا۔
فاطمہ خانم نے اس پر اسے وی ہے کہ ان بیجا ریوں کا کچھ قصہ نہیں۔ گائیڈ کچھ سنا جو
سے کہتے ہیں انکو یقین کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے دوست جو جامع ازہر کی سیر سے محروم
رہ گئے تھے انکو بھی گائیڈ ہی نے دھوکا دیا تھا۔

غرض یورپ کی تحریروں۔ اور سفر ناموں سے میرے سفر نامہ کا مختلف ہونا لازمی
بات تھی۔ اگرچہ اس اختلاف کے اسباب کے بیان کرنے میں اس قدر اطمینان نہ تھا۔
خود ایک مستقل مضمون بن جائے موزوں نہ تھا۔

ترکی کے سفر سے جو اثر میرے دل پر ہوا اسکا بیان ظاہر کرنا چند انصاف و زمین۔
اس سفر نامہ کے پڑھنے سے خود اسکا پتہ لگ سکتا ہے۔ البتہ اس قدر کہنا ضرور ہے
کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی
کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بہت سی باتوں
میں ہندوستان کے مسلمانوں کو قریب قریب ہے۔ صنعت سے انکو کچھ واسطہ نہیں۔
تجارت میں انکا بہت کم حصہ ہے۔ معمولی دکاندار تک یہودی یا عیسائی ہیں۔ پڑائی تعلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) انکی اصلاح کے لیے اسنے ناول کے طور پر ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام
نساہ المسلمین ہے یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ اور امریکا کی نمائش میں پیش ہو کر۔ وہاں کے اہتمام سے
انگریزی میں بھی اسکا ترجمہ ہو گیا ہے ۱۲

بے صبری ہے۔ اور کسی قوم کو نہیں ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ یورپ کا ایک عالم سیہ
یا پولیٹیشن۔ اتفاق سے ہندوستان میں آچکا ہے تو صرف ہفتہ دو ہفتہ کے تجربہ کی
پر یورپ کے اخباروں اور میگزینوں میں اس دعوے کے ساتھ بڑے بڑے آرگول
کرتا ہے کہ گویا ہندوستان کی معاشرت و تمدن کے تمام راز اس پر کھل گئے ہیں۔

ایک اور بڑا سبب یہ ہے کہ سیاح کو چونکہ حالات کے دریافت کا نہایت شوق ہوتا ہے اس لیے وہ شخص
سے جو اس کو مل جاتا ہے کچھ نہ کچھ معلومات کا سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس تعلیم پر
ان تحقیقات کی کہ وہ شخص ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ روشن ضمیر ہے۔ یا متعصب۔ دقیق نظر
یا ظاہر بین۔ کچھ بڑا نہیں کرتا اور کرنا بھی چاہے تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یورپ و اس
اسباب میں اور بھی بے احتیاط ہیں۔ اکثر یورپین سیاح جو فلسطینہ کا سفر کرتے ہیں سموا
بیروغلی اور غلطہ کے ہوٹلوں میں انکو ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا ہے وہ جہاں کین جانا چاہتے
ہیں ایک گائیڈ (رہنما) انکے ساتھ ہوتا ہے جو نہ صرف انکو عمارات اور مقامات کی سیر کراتا ہے
بلکہ انکے تمام سوالات کا جو موقع بموقع وہ پوچھتے جاتے ہیں جواب دیتا جتنا یہ گائیڈ معمولاً
ہوتے ہیں اور روپیہ۔ دو روپیہ روزانہ انکی اجرت ہوتی ہے۔ ان گائیڈوں کی معلومات جبر
قسم کی ہو سکتی ہے۔ ہر شخص خود اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔

فاطمہ خانم نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یورپ کی معزز خاتونیں جن سے

یہ ایک نہایت معزز اور تعلیم یافتہ خاتون ہے۔ عربی و فارسی۔ ترکی کے علاوہ (جو اسکی مادری زبان ہے)
انچ زبان نہایت عمدہ جانتی ہے۔ یورپ کو ترکی خاتونوں کی نسبت جس قسم کی غلط معلومات حاصل ہیں (دیکھو صفحہ

طرکی کے سفر ناموں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ یورپ کی تاریخی تصنیفات کا سرمایہ بھی بہت کچھ انہی سفر ناموں سے لیا گیا ہے۔ سفر نامہ اگرچہ تاریخی سلسلہ کا ایک دلچسپ حصہ ہے لیکن جس قدر دلچسپ ہے اس قدر غلطیوں کے احتمالات سے مملو ہے۔

ایک بڑی غلطی جو عموماً سفر نامہ لکھنے والوں کو واقع ہوتی ہے خریات سے کلیات کا قائم کرنا ہے۔ سفر میں انسان کو جن اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے وہ ان کے اخلاق۔ عادات۔ خیالات سے تمام قوم کی نسبت عام رائے قائم کر لیتا ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ وہ امور انہی چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں۔ اس طرح ہر واقعہ سے وہ ایک عام نتیجہ نکالنا چاہتا ہے۔ اور واقعہ کے خاص اسباب کی جستجو میں نہ وہ اپنا وقت صرف کرنا چاہتا ہے نہ اسکو اس قدر فرصت مل سکتی ہے۔

غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جو شخص کسی ملک کا سفر کرتا ہے۔ اُسکی نسبت پہلے سے اُسکے خیالات دوستانہ یا مخالفانہ ہوتے ہیں۔ وہ ان کو نکال کر اول اول جو کچھ وہ دیکھتا اور سنتا ہے وہ محض سبب سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ ایسی اجمالی واقفیت۔ استنباط نتائج کے لیے کافی نہیں ہوتی اور وہ نتیجہ کے قائم کرنے میں دیر تک انتظار نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ ہر واقعہ کے ساتھ قیاسات کو دخل دیتا جاتا ہے۔ ان قیاسات کے وقت وہ حسن ظن یا مظلوم ہونے سے اُسکے دل میں موجود تا چپکے چپکے اپنا کام کرتا ہے اور اسکو خبر تک نہیں ہوتی اس قسم کی غلطی کا احتمال اگرچہ دنیا کی تمام قوموں سے متعلق ہے لیکن یورپ والوں کو اس میں ایک خاص ترجیح حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استنباط نتائج میں یورپ والوں کو جو

میں خود جامع ازہرین ایک مہینہ سے زیادہ مقیم رہا اور میرے عیسائی احباب نے مکہ
مسجد ہی میں مجھ سے ملنے آتے تھے۔ لیکن چونکہ یورپ میں مسلمانوں کا تعصب ا
تنگ خیالی۔ علوم متعارفہ کے قریب قریب ہے۔ اُن صاحب کو اپنے رہنما کی بات
یقین کرنے میں کیونکر قائل ہو سکتا تھا۔ ۹

طرہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام شاہراہ سے الگ ہو کر کچھ کہا۔ یا کتاب تو یورپ
نفا جانہ میں اسکی آواز طوطی کی آواز سمجھی جاتی ہے۔ ایک انگلش شہزادی نے پندرہ
برس قسطنطنیہ میں رہ کر ”دوازدہ سال حکومت عبدالحمید ثانی کے نام سے جو کتاب لکھی
اگرچہ اُسکے اعتبار کے لیے مصنفہ کی علمی قابلیت۔ پندرہ سولہ برس کا تجربہ۔ ویرانہ
حالات کے صحیح وسائل۔ یہ تمام قرائن موجود تھے۔ لیکن چونکہ وہ ترکوں کی عیب گوئی میں
یورپ کی ہزبان نہ تھی اسکو استناد اور اعتماد کا درجہ نہ حاصل ہو سکا۔ ہم نے تعلیم یافتہ
کو اسکی نسبت یہ کہتے سنا ہو کہ ”عجب نہیں یہ کتاب فرضی مصنف کے نام سے خود ترکوں
نے لکھی ہو یا اُس انگلش شہزادی کو سلطانی انعامات نے ایسی کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہو“ !!
لیکن ہی کتاب اگر ترکوں کے معایب میں ہوتی تو (ابن اشخاص کے نزدیک) اسکا حرج
قطعی یقینی ہوتا۔ پروفیسر ویمبر می نے اپنے محققانہ تجربہ سے ترکوں کی تہذیب پر
چوبعض مضامین لکھے وہ بھی اسی وجہ سے بے اثر ہے کہ پروفیسر مذکور نے ترکوں کی موجودہ
علمی ترقی کا اعتراف کیا تھا۔

ترکوں کی نسبت اگرچہ یورپ کے عام لٹریچر کی یہ حالت ہے۔ لیکن ہر جگہ موقد کے لہا

مدرسہ رشیدیہ کی تعداد کا ۹۶ سے ۴۰۵ تک ترقی کر جانا بڑے بڑے کالجوں کا جاری ہونا۔ ریلوے کی وسعت۔ آدے قرضہ کے انتظامات۔ فوجی قوت کی ترقی۔ ان واقعات کو بھول کر نہیں لکھتا۔

کسی قوم یا کسی شخص کے قابل مدح یا ذمہ ثابت کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے کہ اُس کے حالات اور واقعات کی یکسر نئی تصویر کھینچی جائے اور انصاف یہ ہے کہ یورپ نے اس فریب آئینہ نظریہ کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ بڑا ہے۔

بے شبہ یہ یورپ میں ایسے فیاض دل بھی ہیں جنکو تعصب کے کچھ واسطہ نہیں۔ لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں انہوں نے پرورش پائی ہے۔ اُنکے گرد و پیش معلومات کا جو سرمایہ ہے۔ جو آوازیں ہر طرف سے اُنکے کانوں میں آتی ہیں۔ ان چیزوں کے مقابلہ میں انکی بے تعصبی بھی کچھ کام نہیں دیتی۔ ایک صاحب جو نہایت بے تعصب اور عالم شخص ہیں اور مجھ کو انکی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کا سفر کر کے واپس آئے تو میں نے اُن سے بریل تذکرہ پوچھا کہ آپ نے قاہرہ میں جامع اذہر کی سی بھی کی ہے۔ بولے مجھ کو اُسکی سیر کا بہت شوق تھا۔ لیکن میرے رہنمائے کا کہ عیسائیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے، اگرچہ یہ واقعہ محض غلط ہے۔

۱۔ سلطان حال کے عہد میں جو علمی اور علمی تر قیام ہوئی ہیں۔ اُسکی تفصیل میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے جو قسطنطنیہ میں شائع ہوئی ہے۔ اور خاص پجری ترقیوں کے ذکر میں راسم یک آفندی کا رسالہ

میں شائع ہے۔ یہ کام ۱۲۰۰

لیکن قے کرنے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی تھی اسکے اصرار سے مین نے بھی دو ایک چاچا پیکرے قے کی اور فائدہ محسوس ہوا۔ تیسرے دن ہم سب اٹھ بیٹھے۔ ہم سنا کرتے تھے کہ سندھ کی ہوا تندرستی کے لیے نہایت مفید ہے۔ درحقیقت۔ جہاز کا سفر۔ سو علا جوں کا ایک علاج ہے۔ مین جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تھا۔ لیکن روز بروز چاق و چست ہوتا گیا۔ طبیعت کو ہر وقت نشاط رہتا تھا اور بھوک خوب لگتی تھی۔ ہم گون کو پانچ وقت کھانا ملتا تھا یعنی صبح کے آٹھ بجے چائے۔ دو دو بسکٹ۔ گیارہ بجے معمولی کمانا جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ایک بجے ٹفن۔ پانچ بجے ڈیز جس میں معمولی گوشت کے علاوہ مرغ۔ لپ۔ کبوتر۔ ہر قسم کی پڈنگ۔ ترادر خشک میوے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی برت کی تفلیان بھی ہوتی تھیں۔ رات کو نو بجے چائے اور کھن بہر وقت کا کھانا پیٹ بہر کر کھاتے تھے اور سب ہضم ہو جاتا تھا۔

مین تمام دن دریا کے سیر و تماشے میں مشغول رہتا تھا۔ مسٹر آرنلڈ نے عربی پڑھنی شروع کر دی تھی۔ ہمارے ساتھ جو اسپین کا عیسائی تھا مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑھنے سے بہت جلتا تھا۔ اکثر انکے پاس آنا اور تحقیر کے ساتھ عربی حرفوں کو نہایت بُرے لہجہ سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان۔ اونٹوں کی زبان ہے۔ اگرچہ مجھ کو انکی ان حرکتوں سے بچنا ہوتا تھا لیکن جو دم ایک مدت تک دولت کے ساتھ عرب کی زیر دست رہ چکی تھی عرب۔ اور عربی زبان کے ساتھ اسکا یہ سلوک بجا نہ تھا۔

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرند جانور ذبح نہیں کیے جاتے اور مولوی سمیع الدین خاں

چلیے۔ حاجی صاحب آپکا انتظار کر رہے ہیں۔ حاجی صاحب نے سطر آرنلڈ کو بھی ہوٹل سے بلالیا اور ہم دونوں انکے باغ میں ٹھہرے۔

جس روز ہم بمبئی پہونچے اُسکے دو سے دن ہمارا جہاز روانہ ہونے کو تھا۔ ایسے ہیے اپنا تمام وقت سفر کی ضروری کاموں میں صرف کر کیا اور بمبئی میں جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں انکی سیر کر کے۔ کک کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا۔ جس جہاز پر ہم جانے والے تھے اُسکا کرایہ بمبئی سے پورٹ سعید تک سکنڈ کلاس کا مارا^۲ تھا۔ میں نے یہ سخت غلطی کی کہ رطرن ٹکٹ نہیں لیا۔ جسکا نتیجہ ہوا کہ واپسی کے وقت پورٹ سعید سے بمبئی تک کے لے اٹل^۳ پونڈ یعنی سا^{۳۵} دینے پڑے۔ پہلی ٹرینی کی صبح کو تو بجے ہم جہاز پر سوار ہوئے۔ تو بیا بارہ بجے جہاز نے نگر۔ اٹھایا اور ہم نے بسم اللہ مجر بھا و مر سٹھا۔ پڑ کر ہندوستان کو خدا حافظ کہا۔ سیکنڈ کلاس میں جس طرح مسافر تھے اور عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور مختلف نسل سے تھے۔ یعنی ایک مسلمان۔ ایک انگریز۔ ایک پارسی۔ ایک اسپینر۔ ایک سیامی۔

جہاز کی حرکت اول اول تو چند دن ناگوار نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن شام کے قریب طبیعت متغیر ہونی شروع ہوئی۔ رات کا کمانا کما کر سو رہے۔ صبح کو اُنکا کمبل تو عجیب کیفیت تھی۔ دوران سفر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف تھی جو کسی طرح بیان میں نہیں آسکتی۔ دو دن تک غش کی سی حالت رہی۔ جہاز کا لانگم کبھی کبھی چاے لیکٹ۔ نارنگیان۔ لانا تھا کہ کچھ کمالو لیکن ان چیزوں کے دیکھنے سے اُنکا کئی اکی تھی سطر آرنلڈ چاے پی لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہضم نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ اس وقت صاحب موصوف کے پاس گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ انہوں نے
 نہایت خوشی ظاہر کی اور فرمایا کہ جہانک نمک ہے سف کے ضروری کاموں میں تم کو کافی مدد و ن کا
 اس وقت جہانک کی روانگی کو کل تین چار روز باقی تھے۔ آج باب اور اعزہ نے منالوسف متعجب
 اور اکثر و ن نے سمجھایا کہ اس جلدی اور بے سرو سامانی کے ساتھ۔ اتنا بڑا الما سفر کونسی دانشمند
 کی با سے بین نے کما ع

ہرچہ باد اباد من کشتی در آب انداختم

کالج میں گریجویٹ کی تعطیل معمولاً تین مہینے کی ہوا کرتی ہے۔ مدت ملازمت کے لحاظ سے
 محکمہ کو تین مہینے کی بریلوچ رخصت کا حق حاصل تھا۔ اس طرح دو دنوں کو ملا کر چہرہ مہینے کی رخصت
 مل گئی۔ اور ۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء کو میں علیگڑھ سے چل پڑا ہوا مسٹر آرنلڈ۔ اپنے ایک دوست
 ملنے کیلئے ایک دو دن پہلے جہانسی روانہ ہو گئے تھے۔ جہانسی کے اسٹیشن سے اُن کا ساتھ
 ہوا اور تمام راہ بڑے لطف و مسرت سے اٹھی۔ مسٹر آرنلڈ نے حاجی رحمت اللہ بن داؤد کو جو
 بمبئی کے ایک معزز اور روشنفکر تاجر ہیں خط کے ذریعہ سے اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی
 جس میں میری معیت کا بھی ذکر تھا چونکہ اتفاقاً ہمارے پہلے انتظام میں کیس قدر تبدیلی ہو گئی ہم لوگ
 تاریخ معینہ کے دو دن بعد بمبئی پہنچے۔ مسٹر آرنلڈ میرا اور اپنا اسباب لے کر وٹن ہٹل کو
 گئے۔ میں بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ
 تم حاجی رحمت اللہ کو جانتے ہو۔ بولا کہ آپ مولوی شبلی تو نہیں ہیں۔ میں اُس کے اس تقریر
 پر جو کشف سے کم نہ تھا حیرت زدہ ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم دو دن سے آپ کیلئے حیران ہو رہے ہیں

سفر کا ارادہ اور آغاز

جس زمانہ میں جبکہ ہمیں وز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا اُس وقت یہ خیال بھی آیا کہ ہمارے ملک میں جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اس مقصد کے لیے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی خیال تھا جس نے اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے اُن سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور طیار ہو سکتا ہے۔

اگرچہ یہ عزم مستقل ہو چکا تھا لیکن چند و چند اسباب سے دیر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ بظاہر اسباب ناامیدی سی پیدا ہو گئی۔ اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا۔ گزشتہ سال عجیب اتفاقی طور پر اس ارادہ کو تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی۔ پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا یہاں تک کہ علاج سے تنگ آ کر تبدیل آب و ہوا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کیلئے الموڑہ اور شیمیر ہین دوستوں کو متعدد خط لکھے۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ جو مدرسۃ العلوم کے پروفیسر فلسفی اور میرے استاد ہیں (میں نے ان سے فریج زبان سیکھی ہے) آج ہی کل میں ولایت جمہوریہ ہیں۔ دفعۃً خیال آیا کہ مصر و روم کا سفر آب و ہوا کی تبدیل مسٹر آرنلڈ کا ساتھ۔ اتفاق سے یہ سامان جمع ہو گئے ہیں۔ اس موقع کو نہایت غنیمت سمجھنا چاہیے۔

یہ اسباب تھے جنہوں نے جمہورِ ان اوراق پریشان کی ترتیب پر آمادہ کیا۔ ورنہ ایسے عاجلانہ اور معمولی سفر کے حالات قلمبند کرنے اور انکو سفرنامہ یا کتاب الرحلہ کا لقب دینا۔ تنگ ظرفی سے خالی نہ تھا۔ سفرنامہ میں جس قسم کی اطلاعاتیں لازمی اور ضروری ہیں یعنی ملک کی اجمالی حالت۔ انتظام کا طریقہ۔ عدالت کے اصول۔ تجارت کی کیفیت۔ نعمتوں کے نقشے۔ انہیں سے ایک چیز بھی اس سفرنامہ میں نہیں۔ البتہ معاشرت۔ اور تعلیٰ حالت کے متعلق معتد بہ واقعات ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ نہیں ہیں جس قدر ہونی چاہئیں۔ غرض جو شخص سفرنامہ کو۔ سفرنامہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ جن لوگوں کو اسلامی ممالک کے معمولی واقعات میں بھی مزہ آتا ہے۔ انکی دعوت میں یہ ماحضر پیش کیا جاسکتا ہے کہ ماکلا ینہا کُلُّہ لا یزول کُلُّہ۔

میں نے اگرچہ اس کتاب میں ترکوں کی تمدنی یا ملکی حالت سے کچھ بحث نہیں کی ہے اور نہ اس قسم کی بحث۔ میرے منصب و حالت کے لحاظ سے مناسب تھی۔ تاہم اس کتاب کو پڑھ کر۔ ناظرین کے دل میں ترکوں کی تہذیب و شائستگی کا جو درجہ قائم ہوگا وہ اُس سے مختلف ہوگا۔ جو یورپ کے عام لٹریچر سے ظاہر ہوتا ہے۔

یورپ کے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف جو خیالات قائم کر لیے تھے۔ ایک مدت تک وہ علانیہ اس طریقہ سے ظاہر کیے جاتے تھے کہ مذہبی تعصب کا رنگ صاف نظر آتا تھا۔ اور اسوقت قبول عام کا یہی بڑا عمدہ ذریعہ تھا۔ لیکن جب یورپ میں مذہب کا

زور گھسٹ گیا اور مذہبی ترانے بالکل -
 نے دو سہرا پہا بیہ
 اب یہ طریقہ چند ان مفید زمین سمجھا جائے کہ مسلمانوں کی نسبت صاف صاف متعصبانہ الفاظ
 لکھے جائیں۔ بلکہ بجائے اسکے یہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومتوں
 اسلامی قوموں - اسلامی معاشرت کے عیوب - تاوخی یہاں یہ بین ظاہر کیے جاتے ہیں
 عام تصنیفات - قصصوں - ناولوں - ضرب المثلوں - کے ذریعہ سے وہ لٹریچر میں اسط
 جذب ہو جاتے ہیں کہ تکمیل کی پیروی سے بھی جدا نہیں ہو سکتے۔

اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی قوموں سے برتا جاتا ہے لیکن اس وقت ہر کو خاص ترکوں -
 بحث ہے۔ یہ یورپین لٹریچر پر بکڑ - ترکوں کی نسبت - تحقیر کے خیالات نہ پیدا ہونے - بعد
 ایسا ہے جس طرح خواب آور دوا کا کر نیند کا نہ آنا۔

یورپین مصنفین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور اس وجہ سے انہیں - متعصب -
 نیگدال - ظاہر بین - دقیق النظر ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ لیکن ترکوں کے ذکر میں و
 اختلاف علاج بالکل نازل ہو جاتا ہے۔ اور ہر سراز سے وہی ایک صدا نکلتی ہے۔
 مثلاً - آج کل کے سچے سے سچے یورپین مصنف کی راست بیانی یہ ہے کہ وہ ترکی حکومت
 کے ذکر میں - قرضہ کی گرباری - ضائع و فزون کا بقدر کافی موجود نہوتا - اضلاع میں تعلیم کی عدم
 وسعت - آلات و اسلحہ میں یورپ کی احتیاج - ان تمام امور کو بالکل راست راست لکھتا ہے
 لیکن جو اصلاحین حال میں ہوئی ہیں ان کے ذکر سے اس طرح دامن بچا جاتا ہے کہ گویا
 اصلاح کا سب سے وجود نہیں - خزانہ کا انتظام - تمام اضلاع میں زراعتی بینکوں کا قائم ہونا

نے اپنے سفر نامہ میں تجربہ سے اسکی تصدیق بھی کی ہے۔ میں نے دو تین روز تک پرند کے گوشت کمانے سے پرہیز کیا۔ مگر آٹنڈ نے مجھ سے اسکا سبب دریافت کیا۔ میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں سختی حرام ہے۔ بولے کہ اس جہاز پر پرند جانور ذبح کیے جاتے ہیں گردن مڑ کر مارے نہیں جاتے۔ چونکہ شرعاً انکی تنہا شہادت کافی نہ تھی۔ میں خوگیا اور اسکی صدیق کی ذبح کرنے والا عیسائی تھا وہ ذبح کرنے کے وقت کچھ پڑھتا تھا۔ صاف گردن پر ہری پسیر دیتا تھا۔ اگرچہ حفیو کے ہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کے لیے میں شافی بن گیا تھا۔ چنگے ہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے۔

جہاز پر آٹنڈ وہ کرند نہیں ہے تھے جو علیگڑھ میں تھے۔ نہ وہ تسانت تھی نہ وہ لم امیز می۔ اکثر ہنسی اور مذاق کیا کرتے۔ بچوں سے کھیلتے اور جہاز کی چیت پر اچھلتے کودتے پلٹے۔ میں نے حالات سفر کے متعلق ایک قصیدہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور حقیقت میں اسکی فضا جو ایسی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے کہ موزوں طبع آدمی جہاز کے سفر میں خواہ مخواہ گناہ نہ کرتا۔

۸۹۲ء کو جہاز عدن پہنچا اور کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر ٹکرا اٹھا۔

ی دلچسپی یہ ہے کہ شمالی قوم کے بہت سے لڑکے ڈونگیوں پر

ن اور جہاز والوں سے انعام لینے کیلئے عجیب عجیب مبتدل حرکتیں

کرتے۔ کچھ آپس میں ملکر چند بڑے معنی الفاظ کہتے ہیں اور بغلیں بچا

لوگ دو آتی چوٹی پیسے جو کچھ لکھوا انعام دینا چاہتے ہیں۔

شرانگیزی اس تماشا میں مصروف تھی اور آواز

پرند جانور ذبح
کیے جاتے تھے۔

مالی قوم کے
نڈل حرکات

حالت تھی۔ چونکہ غلطی سے میرا خیال تھا کہ یہاں عموماً عرب آباد ہیں۔ ایسے یہ طبعی بات
کہ میں انکو عورت و محبت کی نگاہ سے دیکھتا۔ لیکن وہ انعام لینے کے لیے ایسی مبتذل
اور حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسی طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ عبرت ہوتی تھی کہ
کی اب یہ حال ہے کہ غیر دن کے سامنے اس قسم کی حرکات سے انکو شرم نہیں آتی۔
خیالات سے بے اختیار میرا دل ہر اٹا تھا۔ یہاں تک کہ انکوں سے آنسو جاری ہو گئے
بے اختیار زبان سے نکلا کہ قسم یا عمر۔ اگر نلڈ۔ پاس تھے۔ میری تیرہ حالت پر انکو خیال
میں نے دل کی کیفیت اور اسکا سبب بیان کیا۔ ایک بار۔ انکو اٹھا کر میری طرف دیکھا اور
ہو رہے۔ شہر میں جا کر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ہو گیا کہ سما
عرب نہیں ہے تو مجھ کو کسی قدر تسکین ہوئی۔ یہی غصہ اور رنج تھا جسکی وجہ سے میں نے
سفر پر۔ میں اس کجخت قوم کی سخت جھوکی ہے اور درحقیقت وہ اسکے مستحق ہیں۔
چونکہ وقت کم تھا ایسے میں شہر کے اندرونی حصے کو نہ دیکھ سکا۔ ہندوستان کو خط
نہط کے سرنامہ پر یہ اشعار لکھے جو اُس وقت موزون ہوئے تھے۔

دشمن و ہم دوست را پر بیچ و تاب انداز	بفرار از روئے عروم
تا چرخ خود را بدین سان در عذاب انداز	کہ حاصل صحبت ازین
زین سخن از عارض معنی نقاب انداز	گفتی کہ من
ہر چه با دایا دمن کشتی در آب انداز	سید

سی۔ ہندو۔ بنگالی۔ جو تجارت یا نوکری کے ذرا

ہمان رہتے ہیں بے تکلف عربی بولتے ہیں۔ چونکہ میں نے کبھی کسی ہندو کی زبان سے
اس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سنے تھے۔ بنیون اور بقالون کو این تروح۔ ماتبغی
دلتے دیکھ کر عجب حیرہ آتا تھا۔

ہمان کی زبان کو عربی ہے۔ لیکن نہایت بہیودہ اور غیر فصیح ہے۔ اگرچہ آج کل تمام اُن
ملکوں میں جہاں عربی بولی جاتی ہے قدیم عربی نہیں رہی لیکن عدن کی زبان سب سے زالی ہے۔
دچار معمولی الفاظ کے سوا میں کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ غالباً یہاں کی زبان ایک مد سے
بنیون کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہوتے ہوئے اس حالت کو پہنچی ہے علامہ
مقدسی جو عرب کا ایک نامور سیاح گزرا ہے اور جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں دنیا کا سفر
لیا تھا اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ ”عدن میں جو تین بستی ہیں ان میں زیادہ اہل فارس ہیں“
علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”یہاں عموماً جرم کی بجائے کاف بولتے ہیں اور حلیہ کے
پائے رعلینہ وعلی ہذا“ جب علامہ موصوف کے عہد میں یہ حال تھا تو مرہٹوں اور گجراتوں
کے اختلاط کے بعد یہاں کی زبان کی نسبت کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

عدن میں ایک جرمنی ہمارے جہاز پر سوار ہوا جو جرمن کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ہے۔
رمدت تک ان اطراف میں ہلکے یورپ کو داپس جا رہا ہے۔ سیاحی تجارت کی بدولت وہ
نعدوز بانوں میں بے تکلف بات چیت کر سکتا ہے۔ جب وہ جہاز کے افسردن سے
آئیں میں۔ آرنلڈ سے انگریزی میں۔ مجھ سے عربی میں گفتگو کرتا تھا تو مجھ کو سخت تعجب اور
حیرت ہوتا تھا۔ کہانے کی میز پر جب ہم سب جمع ہوتے تھے تو یہی ایک شخص تھا جو سب کا

عدن کی زبان۔

ترجمان بناتا تھا۔ اس نے عرب و افریقہ کے جنگلوں سے بہتے عجیب و غریب جانور بہم پہنچائے ہیں۔ ایک بڑے بچرے میں افریقہ کے بندر تھے جنگی ہیئت معمولی بندرؤں سے کچھ الگ تھی۔ انہیں زیادہ تعجب انگیز بات یہ تھی کہ جب وہ کسی کو اپنی طرف آدیکر غل جھاتے تھے تو انکی آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے تھے۔ میں نے اولاً خیال کیا کہ ہم لوگ حبشہ مثلاً تلی کی آواز کو میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کے فرضی الفاظ ہیں لیکن چند بار میں نے غور سے سنا تو صاف صاف ل اور یا یا کی آواز محسوس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پردے سے سنا تو ہرگز خیال نہ کر سکتا کہ بندر کی آواز ہے۔ میں نے مسٹر آرنلڈ سے اسکا ذکر کیا تو انہوں نے بھی تصدیق کی۔ غالباً اسی قسم کی مثالوں سے یورپ میں بچر لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہے کہ بندر بھی بول سکتے ہیں۔ جہاں بچہ مشہور ہے کہ ایک صاحب نے مدت کے تجربے اور تحقیق کے بعد اس زبان کے چند حروف دریافت کیے ہیں۔

عدن سے چونکہ دلچسپی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے اس لیے ہم بڑے لطف سے سفر کر رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی دن ایک پرخطر واقعہ پیش آیا جس نے تھوڑی دیر تک مجھ کو سخت پریشان رکھا۔ ۱۰۔ ۱۱ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گہرا لے پھرتے تھے اور اسکی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے۔ انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا۔ میں سخت گہرا ہوا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔ اُس سر

ساتھ۔ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ مین نے اُن سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے ابو کے کہ
ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے۔ مین نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں ہے ہلایہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے؟
فرمایا کہ جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے۔ اور ایسے قابل
وقت کو اریگان کرنا بالکل معیقلی ہے۔ اُنکے استقلال اور جرأت سے مجھ کو بھی اطمینان ہوا۔
اسٹنڈ گھنٹے کے بعد انجن درست ہوا اور بدستور چلنے لگا۔

۳۱ مئی کو جہاز سویر پُنتجا اور تین چار گھنٹے کے لیے ٹھہرا۔ مصری عرب پنیر۔ کھجور۔ بوٹیا
بیچنے کے لیے لائے۔ انہیں سے ایک نے مجھ کو ہندوستانی خیال کر کے اُدوین باتیں کرنی شروع
کیں۔ مجھ کو تعجب ہوا اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اسے کبھی ہندوستان کی صورت نہیں
دیکھی تو اُردو کی عالمگیری پر مجھ کو اور بھی تعجب ہوا۔ ۱۴ مئی کو ہم پورٹ سعید پہنچے اور نہایت افسوس
کے ساتھ مجھ کو مسٹر آرنلڈ سے جدا ہونا پڑا۔ بمبئی سے مین نے برنڈزی تک کا ٹکٹ لیا تھا۔
پورٹ سعید پہنچ کر یہ خیال ہوا کہ برنڈزی تک تو آرنلڈ کا ساتھ ہے لیکن وہاں سے قسطنطنیہ تک
ایک ہفتہ کا سفر ہے۔ اتنی مدت تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور زبان و ملک کی جھینٹ کی
وجہ سے ہر کام میں دقت ہوگی۔ اس خیال کی بنا پر مین نے پہلی اسکیم بالکل بدلی اور ارادہ کر لیا
کہ شام کے راستے سے قسطنطنیہ جاؤں گا۔

جہاز نے جہوقت لنگر کیا۔ لگ کمپنی کا ایک ملازم اپنے مسافروں کی خبر گیری کے لیے جہاز پر
آیا۔ جہاز کنارے سے ذرا فاصلے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اسیلے مسافروں کے اُتارنے کے
لیے لگ کمپنی کی طرف سے ایک چوٹی سی کشتی ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ ابن بندر کا ہر مہینہ جہاز

مسٹر آرنلڈ کا
استقلال

اُترنے کے وقت۔ نا تجربہ کار آدمی کو سخت مصیبت پیش آتی ہے۔ جہاز کے لنگر گرنے کے ساتھ قلعی اور بلجہر طرف سی ڈوٹ پڑتے ہیں اور مسافروں کو سخت پریشان کرتے ہیں۔ اسکے چوم پر غل۔ اور اسباب کی چھینا چھینی ہیں۔ مسافر بالکل بدحواس ہو جاتا ہے۔ بہتر وقت کنارے پر پہنچنا تو گھنٹوں کا ایسے کی بحث اور تکرار کرتی ہے۔ ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کا عمدہ طریقہ کہ لگ کمپنی کے ملازمین کے سوا۔ اور کسی سے کچھ واسطہ نہ رکھے۔

ہم کنارے پر پہنچے تو شیوہیل نے جو پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا بڑا ہر دم سے شگ کی۔ یہ شخص قوم کا یہودی ہے اور لگ کمپنی کی طرف سے مسافروں کی خبر گیری اور ہر قسم کی دینے کے لیے متعین ہے۔ وہ متعدد زبانیں جانتا ہے اور بالخصوص۔ عربی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ نہایت بے تکلفی سے بول سکتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اُردو میں بھی نہایت آسانی سے بات چ کر سکتا ہے۔ جبکی وجہ یہ ہے کہ ایک مدت تک ہندوستان میں رہ چکا ہے۔ ہم اُس کے ساتھ اُردو دفتر میں گئے۔ دفتر کا مکان لب دریا ہے اور مینہ کریسون سے ابھی طرح آناستہ ہے۔ مینہ چڑھتا بہت سے اخبارات موجود رہتے ہیں جن میں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں اور اشتہا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے اس سے ٹکٹ بدلوانے کی بابت گفتگو کی یعنی یہ کہ اگر ہم یہاں اُتر جائیں اور قسطنطنیہ کا ٹکٹ لین تو جو زائد کیا دے گا یہ ہم بڑی تک کا دیکھ چکے ہیں وہ مگر اہل مسکنا یا نہیں ہے چونکہ وہ خود اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا کمپنی کے بڑے دفتر میں گیا اور سے واپس آکر کہا کہ تم اسی ٹکٹ سے قسطنطنیہ تک جا سکتے ہو۔ صرف دو پونڈ یعنی ۳۲ روپے دینے ہوں گے۔ میں بہت خوش ہوا اور اس کا گزاری کے صلے میں آٹھ روپے اسکے تدارک

یہ بھی حسن اتفاق کہ قسطنطنیہ جانیوالا جہاز اس وقت طیارہ تھا اور نہ بندرہ دن تک اور پورٹ سعید
میں ٹکھڑا پڑا۔

پورٹ سعید ایک چوڑا سا خوبصورت بندرگاہ ہے۔ آبادی کے دو حصے ہیں۔ چھٹے
دریا سے متصل ہے اُکین عموماً یورپین سوداگر رہتے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہوٹل قہوہ خانے
اور تھیکس وغیرہ ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے اور بہت ہی پُر فضا ہے۔
نہایت ترتیب کے ساتھ رنگ مرمر کی تختہ کی چوٹی چوٹی میزین اور اُنکے گرد کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ قہوہ
چائے۔ قوس۔ تکھن۔ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس حصے میں کثرت سے دکانیں ہیں اور نہایت
شاندار اور آراستہ ہیں۔ دوسرے حصے میں زیادہ تر یہاں کے اصلی باشندے سکونت رکھتے
ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ تمام چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں۔ ہوٹل کے بجائے باوچرون
کی کثیف دکانیں ہیں۔

اول اول جب میں اس شہر کی سیہ کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراب کی نگاہ سے
دیکھتا تھا۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلام کی آبادی دیکھی (مومین شریفین کی زیارت
سے گو اس سے پہلے مشرق پہنچا تھا لیکن وہ خدا کا ملک ہے اور میں ذی نبوی سلطنت و حکومت کا ذکر رہا ہوں) جب
کوئی بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش ہوتا کہ آئندہ لکھنؤ میں مسلمان خوشحال
اور دولت مند ہیں۔ لیکن دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ کسی یورپین سوداگر کا مکان ہے۔ سارے
شہر میں ایک بھی عمدہ دکان یا بلند عمارت کسی مسلمان کی نہ تھی۔ افسوس ع

بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیدا است

البتہ یورپین آبادی کے خاتمے پر ایک شاہی مسجد ہے اور وہ بہت بُر رفت اور شاندار ہے۔
 تھوڑی دیر بازار میں پھر پھر اکر قسطنطنیہ جانے والے جہاز پر سوار ہوا۔ شیمویل اور سٹر آرٹلڈ
 ساتھ تھے۔ چونکہ یہ بیت المقدس کے حج کا زمانہ تھا ایسے فرسٹ اور سیکنڈ دونوں درجے
 عیسائی حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ سٹر آرٹلڈ نے کہا ”مجھ کو ڈر ہے کہ ماکو تکلیف
 نہ پہنچے۔ یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں اور ایسے ضرور ہے کہ ان میں تعصب ہو تم غیر مذہب
 غیر قوم۔ تمہاری سمیت ان کو کیونکر گوارا ہوگی۔ لیکن مجھ کو تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ سٹر آرٹلڈ کا
 خیال صحیح نہ تھا۔ وہ لوگ پابند مذہب تھے لیکن فرنج اور آٹالین تھے۔ انگریز نہ تھے۔ ایسے کم انگریز
 اور فاتح و مفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کی مخصوص صفتیں ہیں ان میں بالکل نہ تھیں۔ سٹر آرٹلڈ تھوڑی
 دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ میں نے اُنکو خدا حافظ کہا اور ساتھ ہی یہ فکر پیدا ہوئی کہ دیکھیے تنہائی
 میں۔ اب کیونکر گزرتی ہے۔

۵ اڑمئی کو جہاز یادہ پہنچا۔ ہمارے اکثر یورپین ہمسفر یہاں اتر گئے۔ بیت المقدس یہاں سے
 صرف رات بھر کا راستہ ہے۔ چونکہ وقت کم تھا ایسے میں یہاں اتر نہ سکا۔

۱۶ اڑمئی کو بیروت پہنچے۔ یہاں جہاز عموماً دوپہر سے کم نہیں ٹھہرتا۔ چونکہ یہ ایک تاریخی مقام اور
 نہایت قدیم شہر ہے ایسے میں اُسکے دیکھنے کا بہت شائق تھا۔ کنارے پر پنچکر بڑی وقت پیش
 آئی کہ وہاں تذکرہ یعنی پردائے راہداری۔ کے بغیر کسی کو اترنے نہیں دیتے تھے۔ میں ہندوستان
 اس عجبت میں چلا تھا کہ پاسپورٹ لینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اول تو میں بہت گھبرایا کہ افسوس
 یہ میرفت میں ہی جاتی ہے لیکن بہ خیال آیا اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں یہاں ٹھہرنا

نہیں چاہتا صرف سیر کرنی مقصود ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے خدا جانے کس طرح پہچانا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ غریب الوطن سمجھ کر ہربانی کی اور ایک آدمی ساتھ کر دیا کہ یہ تم کو شہر کی سیر کرادے گا۔

چونکہ پہلے سے ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ سے واپس آتے ہوئے یہاں دو ایک روز قیام کرنا گا۔ اسلئے اس دفعہ صرف سب سے سب سے طور پر بازار وغیرہ کی سیر کی۔ کتابوں کی دکانیں دیکھیں۔ گزر گاہ عام پر ایک قہوہ خانہ تھا۔ تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا۔ اور راہ چلتے تو نکا تماشا دیکھتا رہا۔ جب کوئی شخص شان و شوکت کے ساتھ گاڑی یا گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا تو میں اپنے رہنا سے پوچھتا کہ کون ہے؟ اور اکثر وہ یہ جواب دیتا کہ ”عیسائی“

یہاں سب سے زیادہ مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ تمام کاندرا اور پیشے والے حتیٰ کہ قلی اور مزدور بھی نہایت خوش وضع اور پاکیزہ لباس تھے۔ تین چار گھنٹے اوپر اُدھر پہر کر واپس آیا۔ ایک اٹھتی رہنما صاحب کی نذر کی اور اُن سے خصص ہو کر جہاز پہنچا۔

پورٹ سعید سے۔ سفر کی حالت میں جو تہجد ہوا وہ یہ تھا کہ ممبئی سے پورٹ سعید تک جہاز پر کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہاں پہنچ کر دو ایک مسلمان نظر آئے اور بیروت میں تو سارا جہاز شامی عربوں سے بھر گیا۔ بد قسمتی سے فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کو تو یہ عورت نصیب نہیں ہوئی لیکن تیسرے درجے میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تھے۔ میں شروع سفر سے مسلمانوں کی صورت کو ترس گیا تھا۔ یہ مجمع دیکھ کر حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ فرسٹ کلاس کی چپت نہایت صاف اور پُر خضاب تھی اور میں اکثر وہیں بیٹھ کر دنیا کی سیر کیا کرتا تھا۔ لیکن جب یہ صحبت نصیب ہوئی تو میں نے بہو لکیر بھی اُدھر قدم نہیں رکھا۔

پورٹ سعید
حالت سفر میں
ایک تصویر

اوّل اوّل مجھ کو ان لوگوں سے میل جول پیدا کرنے میں سخت دقت پیش آئی۔ یہ لوگ جیت پر
 جاسا پہیلے ہوئے تھے اور دو دو چار چار آدمیوں کی الگ الگ جماعتیں تھیں۔ میں بڑے شوق سے
 اُنکے پاس گیا لیکن وہ طلقاً متوجہ نہ ہوئے جس شخص کے پاس کھڑا ہوا اُس نے ایک بار انکھ اٹھا کر
 میری طرف دیکھا اور گردن نیچی کر لی۔ مجھ کو اس بد اخلاقی پر سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتا تھا کہ عربوں کی
 معائنہ نوازی کی یہ کچھ تعریفیں سنی تھیں! انکو تو بات چیت میں بھی مضائقہ ہے۔ انہیں ہر سہ
 حربہ یہ کہ چن طلبا تھے جو حضرت لیکر وطن میں آئے تھے اور اب قسطنطنیہ جا رہے تھے۔
 وہ کبھی دل بدلانے کے لیے عربی دیوان وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے خیال کیا کہ ہمدانی کے
 ذریعہ سے تعارف پیدا کروں چنانچہ اُنکے پاس گیا اور دخل و معقولات کے طور پر اپنی مولوتی
 اور علیت بتانی شروع کی۔ وہ اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے۔ میں اپنا سامنہ لیکر چلا آیا۔ لیکن مجھ کو یقین
 تھا کہ اس واقعہ کا ضرور کوئی خاص سبب ہے۔ اتفاقاً ایک موقع پر ایک شخص نے میرا مذہب چچا
 میں نے کہا ”اسلام“ بولا کہ لا الہ الا اللہ اظہر من الشمس۔ یعنی ”گھر نہیں۔ کہیں مسلمان بھی ایسی
 ٹوپی اور ہتے ہیں“ بد قسمتی سے میرے سر پر ایرانی ٹوپی تھی اور اس وجہ سے تمام عرب مجھ کو مجوسی
 سمجھتے تھے۔ یہ عجیب حل ہوا تو میں نے اُن لوگوں کے دل سے اس بدگمانی کو رفع کر دیا اور
 سہرہ ایسے شیریں دھنکے ہوئے کہ ایک دم کو مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ ہر سہ حربہ کے
 طلبا سے زیادہ صحبت رہتی تھی۔ قسطنطنیہ کے متعلق میں نے بہت سی ضروری باتیں اُن سے
 دریافت کیں اور حقیقت ان معلومات سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا۔

اس بات کا اثر کہ اب ہم اسلامی دنیا میں ہیں۔ جہاں پر بھی محسوس ہوتا تھا کہ یہی ہے سو نیز

اسلامی حکومت کا اثر۔

تک تھرڈ کلاس کے مسافروں کے ساتھ قلیون کی طرح رہتا دیکھا جاتا تھا لیکن ان ممالک میں یہ حال بالکل بدل گئی۔ جہاز کے افسر اور ملازم جو عموماً یورپین ہیں ان مسافروں کو دل میں جو کچھ سمجھتے ہوں لیکن ظاہر میں ان سے کوئی برابر تاؤ نہیں کر سکتے تھے متعدد موقعے پیش آئے جن میں نے دیکھا کہ زیادتی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتی تھی لیکن افسر ان جہاز کو اغراض کرنا پڑتا تھا۔

۱۔ اٹلی کو جہاز سائپر س ٹیچا۔ یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے جو بحر روم میں واقع ہے اور جبکہ عربی میں قبرس کہتے ہیں یہ جزیرہ اسلام کی قدیم فتوحات کی یادگار ہے حضرت عثمان کے زمانہ میں ۳۰۰ ہجری میں امیر معاویہ نے اس پر حملہ کیا۔ شہر والوں نے اس پر صلح کی کہ جب طاعون سلطنت روم کو خراج دیتے ہیں تب تک وہی سات ہزار دوسو دینار سالانہ دیا کریں گے اور تم میں اور رومیوں میں کبھی جنگ ہوگی تو ہر کسی سے واسطہ نہ ہوگا۔ امیر معاویہ نے یہ شرط قبول کر لی۔ لیکن ۳۰۰ ہجری میں ان لوگوں نے خلافتِ عہدِ مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کو مدد دی۔ امیر موصوف نے پانچ سو تیرہ ہزار کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی اور نہایت آسانی سے فتح کر لیا۔ تاہم تعدادِ خراج اور صلح کی شرطیں وہی رہنے دیں۔ ان کے حکم سے بارہ ہزار عرب وہمان جا کر آباد ہوئے اور مکانات اور سبزیں تعمیر کیں۔ ایک مدت کے بعد یہ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور کئی بار فتح ہو کر بدل گیا۔ سب سے اخیر ترکوں نے ۱۰۰۰ ہجری میں عیسائیوں سے واپس لیا اور اب تک انہی کے قبضے میں تھا۔ روم دوسری بار خیر جنگ میں انگریزوں نے اس شرط پر لیا کہ سالانہ

۱۰۰۰ ہجری کی کتابوں میں لکھا کہ زمانہ قدیم میں اس جزیرے میں نو صوبے تھے شہر اٹکونو باجھانوں۔ اور دس لاکھ باشندے تھے ترکوں نے اس پر قبضہ کیا۔ اب باشندے شہر میں۔ ترک کی شہریت ملت شہر پر اور عربی عہد ہوتا ہے۔

خراج جو سلطان کو ملتا تھا اب بھی ملتا رہے گا۔ چنانچہ آئب وہاں انگریزی حکومت اور انگریزی انتظام ہے۔

اس جزیرے میں لرنکے اور لمامون دو بڑے شہر ہیں اور دونوں جگہ جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے لنگر کرتا ہے۔ میں نے لمامون کی سیڑ کی۔ چونکہ یہاں انگریزی حکومت ہے اس لیے راہداری کی پروانگی پرس وجوہ تھی۔ شہر میں داخل ہوا تو میرے سر پر ایرانی ٹوپی اور بدن میں شروانی اچکن تھی۔ غالباً وہاں کے لوگوں نے یہ وضع کہی دیکھی نہ تھی میں جلد ہرے گزرتا لوگ تعجب سے دیکھتے اور کہیں کھڑا ہو جاتا تو تماشائیوں کی بھٹی لگ جاتی۔ سب سے پہلے میں جامع مسجد میں گیا۔ مسجد کے متصل ایک کتب خانہ ہے۔ وہاں ایک مولوی صاحب جو نہایت باوقار اور خوش لباس تھے ابتدائی صفحوں کو درس دے رہے تھے میں نے سلام علیک کی۔ وہ کھڑے ہو گئے اور نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اڑکے کے پیالیوں پر بیٹھے ہوئے تھے میں بھی ان کی برابر بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب کی اشارہ سے ایک لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ میرے دل پر عجیب اثر ہوا۔ خیال آتا تھا کہ کمان وہ حجاز کا گیسٹان کمان بحر روم کے دور دراز جزیرے!۔ اس مقدس کلام (قرآن) میں کیا تاثیر تھی کہ مشرق سے مغرب تک برقی قوت بنگر دوڑ گئی اور آج تک باقی ہے۔ وہ معصوم لڑکا خوش سخن ہی تھا اور اصول قرائت کے مطابق پڑھتا تھا۔ اتفاق سے آیتیں بھی موثر تھیں۔ ان باتوں نے مجھ کو بالکل ہوش کر دیا اور دیر تک ایک عجیب حالت طاری رہی۔

اگرچہ پندرہ مولوی اس سے انگریز یہاں حکومت کر رہے ہیں لیکن حکمت عملی کے لحاظ سے

انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں۔ محکمہ ہضاب بالکل الگ ہے اور شہری مقدمات سے حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں۔ اتفاق سے مجھ کو قاضی صاحب سے بھی یہ سارا حاصل ہوا بہت خلیق اور یاد دار آدمی ہیں۔ تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ترکی انتظام کے مطابق ہے۔ تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی شہرہ تعلیم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس مکتب کا میں نے ابھی ذکر کیا اس میں قرآن مجید، فقہ کا ابتدائی رسالہ، تاریخ، جغرافیہ، درس میں داخل ہے اور تعلیم نہایت خوبی سے ہوتی ہے۔ قسطنطنیہ سے دسویں کے وقت بھی میں اس مکتب میں گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور مدرس صاحب اس وقت تک تشریف نہیں لائے تھے۔ دو تین لڑکے موجود تھے وہ نہایت ادب و خیر خواہی سے پیش آئے۔ ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا وطن کہاں ہے۔ میں نے کہا ہندوستان۔ بولا۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ خاص شہر کا نام بتائیے۔ میں نے علی گڑھ کا نام لیا۔ کئی لکھنؤ نقشہ بین دیکھتا ہوں کہاں واقع ہے؟ ہندوستان کا نقشہ سامنے آویزاں تھا۔ اُس نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور فوراً علی گڑھ پراونکلی رکھ کر کہا۔ "ہاں یہ ہے" اس کی عمر نو دس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اسیلے مجھ کو اس کی اس تیزی سے یادداشت پر تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا تمہارا بادشاہ کون ہے۔ بولا "آفندم" آفندی ترکی زبان میں خطاب و محذوم کے ہم معنی ہے اور جب ہم حکم کے ساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے سلطان مراد ہوتے ہیں۔ میں نے کہا تمہارا نوکر نے حکومت کر رہی ہے؟ بولا "ہاں" سلطان مراد کے طور پر کیا ہے اور سالہ منہ خراج ادا کرتے ہیں۔ انگریزوں کی حکمت عملی

نہایت دانشمندانہ ہے کہ کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اس تدریج اور آہستگی سے کہ ملک والوں کو انقلاب حکومت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

یہاں کی زبان ترکی ہے اور یہاں سے قسطنطنیہ تک۔ ہر شہر اور قصبہ کی بھی زبان ہے اس سے ترکوں کی حکومت کی سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ممالک مفتوحہ کی زبان تک بدل دی۔ ایشیا کے کوچک۔ آناٹولا وسیع ملک ہے اور کثرت سے عیسائی آباد ہیں جنکی زبان کسی زمانے میں یونانی یا لیٹن تھی۔ لیکن اب تمام ملک میں ترکی بولی جاتی ہے۔ سیمیرس کے مولوی صاحب اور قاضی صاحب جنکا میں نے ذکر کیا اگرچہ عربی بخوبی جانتے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے۔ البتہ معمولی جملے سمجھ لیتے تھے اور اسی سہارے پر میں نے اُن سے بات چیت کی تھی۔

مجھ کو اس قدر قیل زمانے میں یہاں کے مسلمانوں کی حالت کا صحیح اندازہ تو کیا ہو سکتا تھا لیکن ظاہر طور سے قیاس ہوتا تھا کہ اچھی نہیں۔ جب قدر بلند مکانات یا عمارتوں کا نہیں نظر آتا تو صرف مسلمانوں کی عمارتیں نظر آتی ہیں۔

۱۔ مئی کو ہمارے دو کس پنچا اور تین چار گھنٹے ٹھہرا۔ یہ چھوٹا سا بڑا رہا ہے جسکی وسعت ہمارے قدیم مورخوں نے ساٹھ میل بیان کی ہے۔ اور جغرافیہ مترجمہ سوسائٹی علی گڑھ میں طول چالیس میل اور عرض پندرہ میل لکھا ہے۔ یہ بھی قدیم فتوحات میں سے ہے۔ اس کے بعد میں ۲۵ھ میں فتح ہوا اور اسی وقت بہرہ۔

۲۔ وہاں جا کر آباد ہوئے۔

۳۔ وہاں کے مین اسکی یہ کاشتاق تھا۔

اور جہاز والوں میں سے اور کسی نے میرا ساتھ نہ دیا۔ زیادہ بد قسمتی یہ کہ واپسی کے وقت بھی اتفاق سے یہی اسباب پیش آئے اور میں اس کی سیر سے بالکل محروم رہ گیا۔

۲۰۔ مئی صبح کے وقت از میر پہنچے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ جہاز دروازہ یہاں مقیم رہا۔ میں اپنے شامی دوستوں کے ساتھ جہاز سے اُترا۔ کنارے پر وہی تذکرہ (یروانہ راہداری) کی باز پرس تھی۔ لیکن ساتھیوں کی بدولت مجھ کو چندانہ زحمت نہیں ہوئی۔ یہ شہر جبکہ انگریزی میں سمرا کہتے ہیں۔ ایشیا کے کوچک کا صندرمقام ہے اور اس صوبے میں اس سے زیادہ وسیع اور آباد کوئی شہر نہیں ہے۔ قدامت اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ایک یا دو کا مقام ہے۔ ہرچہ جو یونان کا مشہور شاعر گزرا ہے اور جبکی نسبت یورپ کا خیال ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کی قبر یہیں ہے۔ سات مقدس گرجے جگہ جگہ انجیل کے سفر رویا میں ہے انہیں سے ایک اسی شہر میں تھا۔ زمانے کے انقلابات نے اس کو دس دفعہ تباہ و برباد کیا تاہم اس کی موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے۔ اطراف کی زمین نہایت سیر حاصل ہے اور خود شہر تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے ہمیشہ عیسویوں دغانی اور یارمانی جہاز بندرگاہ میں موجود رہتے ہیں۔ ریل بھی یہاں جاری ہے اور وہ وقت یہاں سے ٹرین روانہ ہوتی ہے۔

اسلامی آثارات بکثرت ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مسجدوں کی تعداد تین سو سو کم نہیں جن میں بعض بڑی شوکت و شان کی ہیں۔

جہاز سے ہم اترے تو نہایت بلند اور شاندار عمارتوں کا سلسلہ نظر آیا جو دور تک منظر

مستقیم دریا کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ یہ عمارتیں۔ ہوٹل۔ قہوہ خانے۔ تھیٹر۔
 ناچ گہرا عیسائی تاجروں کی دکانیں ہیں اور نہایت خوش منظر اور پُر فضا ہیں۔ رات کی بوقت
 ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میلہ یا شادی کی تقریب ہے۔ قہوہ خانوں اور ناچ گھر
 کے علاوہ سڑک پر کثرت سے مجمع رہتا ہے اور جہر جہر نغمہ و سرود کی آواز آتی ہے۔
 اس سلسلہ عمارات کے عقب میں عیسائیوں کا محلہ ہے اور اس قدر بلند اور عالیشان عمارتیں
 ہیں کہ میں نے اب تک کین نہیں دیکھیں۔ اس محلے کے تمام گلی کو چے نہایت صاف اور ہموار ہیں۔
 اس محلے کی سیکر فارغ ہو کر میں نے شہر کا رخ کیا۔ شہر اگرچہ نہایت پُر رونق ہے
 اور آویسوں کی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا معلوم ہوتا ہے لیکن تمام سڑکیں ناہموار و فاصلہ
 ہیں اور گلی کوچوں میں تو نجاست اور کیمچر کی جڑ سے رستہ چلنا مشکل ہے حقیقت یہ ہے
 کہ ان تمام ممالک میں مینو بس پلی کا انتظام نہایت خراب ہے۔ اور حکومت ترک کے لیے یہ ایک
 نہایت قابل لحاظ امر ہے۔ چلتے چلتے ہمارے شامی دوستوں کو مہوگ لگی اور ایک نان بانی
 کی دکان پر جا بیٹھے۔ مجھ کو اگرچہ اشتہانہ تھی لیکن انکے اصرار سے شریک ہوا۔ نان بانی کے
 لفظ سے ہمارے ناظرین کو ہندوستان کے نان بایوں اور انکی ذلیل دکانوں کا خیال آیا ہوگا
 لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔ یہاں معمولی سے معمولی دکان کی آراستگی کی یہ صورت ہے کہ
 متعدد چھوٹی چھوٹی میزیں اور انکے گرد کرسیاں لگی ہیں۔ میزوں پر نہایت صاف چادر بچھی ہوئی ہے
 دیوار کے ایک کونے میں توٹھی لگی ہے اور اسکے نیچے پشت اور دائیں طرف صابون اور
 تولیہ رکھا ہے یہ نہایت معمولی دکانوں کی کیفیت ہے اور بڑی بڑی دکانیں جس کے ہوٹل

کہا جاسکتا ہے نہایت پر تکلف اور پریشان ہیں۔ لیکن اس قسم کے جس قدر ہوٹل ہیں عموماً عیسائیوں کے ہیں۔

میں نے مدرسوں کی سیر کرنی چاہی لیکن چونکہ جمعہ کا دن تھا تمام مدرسے بند تھے۔ نماز جمعہ۔ جامع حصار میں پڑھی۔ یہ مسجد پر تکلف اور آراستہ ہے۔ چہت پڑھائی نقش و نگار ہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ صحن کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ستونوں پر گھنٹے لگے ہیں جسے اوقات نماز معلوم ہونیکے ساتھ مسجد کی زیربائش بھی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں کسی تقلید کی جاتی تو اچھا ہوتا۔ خطبہ و نماز میں بیان بعض حدتین ہیں۔ مگر نہ شریعت میں انکی کچھ اصل ہے نہ بجائے خود وہ موزون ہیں۔ خطیب۔ جب خطبہ پڑھتا ہے تو بیچ بیچ میں لکھنا جاتا ہے۔ اُسوقت چند اشخاص آواز ملا کر کچھ پڑھتے ہیں۔ یہ چپ ہوتے ہیں تو خطیب بہر شروع کرتا ہے اور اسطرح کی بار اتفاق ہوتا ہے۔ نماز میں عموماً چوٹی سورتیں پڑھتے ہیں جو تین چار آیت سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ حالانکہ تمام دنیا میں جمعہ کی نماز میں۔ بڑی سورتوں کے پڑھنے کا دستور ہے۔

نماز سے فراغ ہونے کے بعد میں کتب خانے میں گیا۔ یہ کوئی بڑا کتب خانہ نہیں ہے مسجد کے کونے میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے اور کتابوں کی تین چار چوٹی چوٹی الماریاں ہیں۔ نماز کے بعد اکثر علما اور ارباب تصانیف یہاں آ بیٹھتے ہیں۔ جسوقت میں بیچا اصحاب ذیل تشریف فرما تھے۔ مولانا مصطفیٰ افندی امام جامع مسجد و مدرسہ۔ صبری افندی مدرس کتب اعلیٰ۔ مولانا سعید۔ شکری بک۔ حسنی افندی۔ سابق مہتمم تعلیمات۔

سلام علیک! و مرزا ج پُرسی کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے تھے اگر آپ پسند کریں تو وہ مسئلہ یہ چھیڑا جائے۔ مین نے خوشی سے منظور کیا۔
 متعہ کے متعلق بحث تھی اور وہی مشہور شبہہ پیش تھا کہ خود حضرت عمرؓ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کا طریقہ آنحضرتؐ کے زمان حیات تک جاری تھا۔ مین نے کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی اور تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا۔ یہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تھے اسلئے مین فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ ان ملکوں میں بحث و مذاکرہ کا یہ طریقہ عموماً رائج ہے اور نہایت شائستہ طریقہ پر ہے۔ اجنبی شخص کو علما کے گروہ سے ملنے اور ان سے ربط و اختلاط پیدا کرنے کا اس سے زیادہ آسان اور مفید کوئی ذریعہ نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ان ظاہر نفسانیت اور ترفع کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ اثنائے تقریر میں اگر کوئی انداز سے معلوم ہو جائے کہ مخاطب اعتراض سے عمدہ برائیں ہو سکتا تو قصداً اور لہذا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی علمی مجلسیں اس سفر میں میری کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں اور بعض جگہ تو انہی کی بدولت مجھ کو ایسی دشواریوں سے نجات ملی جن سے رہائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

۲۱۔ مئی کو شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا۔ یہاں سے قسطنطنیہ تک کوئی بڑا اسٹیشن نہیں ہے۔ بعض بعض مقامات پر جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرا لیکن ہم اترنے سکے۔ یہ مقامات زیادہ تر جنگ کی ضرورتوں کے لیے ہیں اور ہر جگہ کفر کے جنگی آلات فراہم ہیں۔ چنانچہ قلعہ ایک مقام ہے جہاں نہایت مضبوط قلعہ ہے۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا عزم کیا تو اس وقت

توپ اور گولہ کا عام رواج نہ تھا۔ محمدؐ نے خود تو بین ڈھالین اور ٹی کا گولہ بنوایا۔ جنین سے چند یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ گولے بچتہ اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں۔ ازبک۔ سے قسطنطنیہ تک دریا کے دونوں طرف ایسے محفوظ قلعے اور درمے طیار کے گئے ہیں اور اس کثرت سے سامان جنگ موجود ہے کہ قوی سے قوی سلطنت بھی اس راستہ سے دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کر سکتی۔ یہ تمام قلعے اور درمے۔ محمد فاتح کے عہد کے ہیں۔ یہ نامور شہنشاہ جب قسطنطنیہ کی تسخیر کے ارادے سے بڑھتا تو راہ میں جابجا جنگی چھاونیاں بنوائیں اور قلعے اور درمے طیار کرائے۔ (لیکن یہ تمام تفصیل لوگوں کی زبانی روایہ ہے۔ مین نے تاریخ سے اسکی تصدیق نہیں کی ہے)۔

جناق قلعہ سے آگے بڑھ کر پہنچے ایک عجیب تماشا دیکھا۔ جہاز تیزی سے جا رہا تھا کہ دور سے بانی مین ایک فوارہ سا چھوٹا نظر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سامنے سے چار پانچ چمیلیاں جہاز کی طرف دوڑی آرہی ہیں۔ قریب آگئیں تو جہاز کے ساتھ ہولین۔ انکا جسم بانی کی سطح سے صاف نظر آتا تھا۔ جہاز اگرچہ نہایت تیزی سے جا رہا تھا لیکن وہ برابر ساتھ ساتھ آتی تھیں۔ کبھی کبھی جب سانس چڑھ جاتا تھا تو بڑے زور سے پھنکارا کرتی تھیں اور اُس وقت بانی مین فوارہ سا چھوٹا نظر آتا تھا۔ قریب آدھین میل تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑیں۔ تمام لوگ حیرت سے تماشا دیکھتے تھے۔ بعضوں کو خیال ہوا کہ ان چمیلیوں نے کبھی جہاز کی صورت نہیں دیکھی تھی ایسے اُسکو کوئی جالور سمجھیں اور مقابلے کے جوش میں

چاہتی تھیں کہ جہاز اُن سے بڑھنے نہ پائے۔ واپسی کے وقت بھی ایسا ہی اتفاق ہوا اور اُس وقت دریائے معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک دفعہ اتفاق سے یہ مہمپلیان لگی تھیں اور جہاز کے ملازمین نے انکے لیے کمانے کی کوئی چیز دریائین ڈال دی تھی۔ اس کی طرح یہ جب کوئی جہاز اوہر سے گزرتا ہے تو اکثر یہ مہمپلیان آجاتی ہیں اور دور تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑتی ہیں۔

۲۳۔ اسی صبح کے وقت قسطنطنیہ پہنچے۔ جہاز نے لنگر کیا یہ ایسا وقت تھا کہ مجھ کو منزل مقصود پر پہنچنے کی نہایت خوشی ہوئی چاہیے تھی۔ لیکن قلیون اور ملاحون کے ہنگامے اور شور و غل میں میرے جو اس جاتے ہیں۔ اور ملاحون نے تمام جہاز گھیر لیا۔ انکے شور و غل اور کشاکش سے ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا تھا اور نہ کر سکتا تھا کہ جہاز سے اتر کر کمان جاؤں۔ ہوٹل میرے مناسب حال نہ تھا۔ (اس کی وجہ آگے چل کر معلوم ہوگی) اور راون پر ناواقفیت کی وجہ سے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ سخت مصیبت یہ ہوئی کہ شامی احباب جن سے ہر قسم کی مدد کی توقع ہو سکتی تھی ان کو کالج میں پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے وہ میرا انتظار نہ کر سکے۔ مجھ کو اکیلا پا کر ملاحون اور قلیون نے اور بھی دق کرنا شروع کیا۔ میرا اضطراب اس خیال سے اور بڑھتا جاتا تھا کہ جہاز پر زبان کی اجنبیت کی وجہ سے یہ وقت میرے ہوش میں کیا حال ہو گا؟۔ اس نیت و عمل میں زیادہ دیر نہ جاتی تھی اکثر مسافر جہاز سے اتر گئے اور اترتے جاتے تھے۔ آخر خانہ سامان کو اسباب سیر کیا اور ان سے کہا کہ میں شہر کی سیر کر کے واپس آتا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ پہلے شہر میں جا کر قیام کا ایک انتظام

کراؤن تب اسباب جنازہ سے اُٹھوں۔ شام کے چند عربوں نے ایک کشتی کرایہ کی تھی مین بھی اُنکے ساتھ ہو لیا۔ کنارے پر بند کر دی کی پرس وجہ تھی۔ مین نے انگریزی چٹھیاں دکھائیں لیکن وہ پاسپورٹ مانگتے تھے۔ غرض ہزار دقت رہائی ہوئی۔ اب حیران تھا کہ کسان جاؤں۔ ایک شامی عرب سے جب کانام عبدالفتاح تھا۔ کشتی میں تعارف ہو گیا تھا۔ مین نے اُن سے اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ ”آپ مجھ کو کوئی طریقہ بتائیں۔“ اُنہوں نے کہا کہ ”میری حالت بھی تمہارے قریب قریب ہے۔ اسیلے بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ رہیں۔“ یہ طریقہ اگرچہ احتیاط کے خلاف تھا۔ لیکن ناواقفیت اور اجنبیت زبان کی وجہ سے مجبوراً اختیار کرنا پڑا اور سچ بول چھے تو بھی اتفاقی معیت میری تمام آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھی۔

یہاں مسافروں کے ٹھہرنے کے چند طریقے ہیں۔ سب سے زیادہ اطمینان اور آرام تو ہوٹلوں میں ہے۔ لیکن اولاً تو اُن کا کرایہ ایک پونڈ یعنی عرصہ سب سے کم نہیں ہے۔ دوسرے اکثر بلکہ قریباً تمام عمدہ ہوٹل یورپین آبادی میں ہیں جو استنبول سے دور ہے۔ اور جامع مسجدین۔ کتب خانے۔ مدرسے۔ مکاتب۔ جمعد رہیں سب استنبول میں ہیں۔

ہوٹل کے بعد خانات یعنی سرائیں ہیں۔ لیکن یہ سرائیں ہندوستان سے کچھ نسبت تین رکھتیں۔ یہاں بڑی بڑی سرائیں میں جمعد کر کے ہوتے ہیں عموماً وسیع اور پُر فضا ہوتے ہیں اور انہیں ہر وقت آواز کا ہنگ۔ توشک۔ چادر۔ لٹاف۔ اور اور ضروری

چیزیں میٹا رہی ہیں۔ ایک ایک کمرے میں کئی کئی پلنگ ہوتے ہیں اور فی پلنگ آٹھ دس آنہ کرایہ ہوتا ہے۔

تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں۔ یہ مکانات اکثر دو منزلے سے منزلے ہوتے ہیں۔ ہر درجے میں متعدد کمرے اور ہر کمرے میں میز کرسی۔ کوچ۔ لپ۔ فرش۔ پلنگ۔ توٹک لحاف۔ تنکیہ۔ میٹا رہتا ہے۔ کرایہ فی کمرہ دس روپیہ ماہوار سے بیس تیس تک ہوتا ہو۔ ان مکانون کے مالک یا اجارہ دار عموماً عیسائی ہیں۔ وہ خود بھی انہیں مکانون میں رہتے ہیں اور انکی وجہ سے مسافروں کو بہت کچھ آرام ملتا ہے۔

اگرچہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا کرایہ کا مکان لینا زیادہ آرام کا طریقہ تھا لیکن میں اور میرے شامی دوست دونوں اس طریقے سے ناواقف تھے۔ ایسے ایک خان یعنی سرے میں جا کر ٹھہرے اس انتظام کی طرف سے اطمینان ہوا تو میں جواز پر جا کر اپنا اسباب اٹھوا لایا چھ سات دن تک ہم اس خان میں رہے پھر باب عالی کے پاس ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے لیا۔

خوش قسمتی سے شیخ عبدالفتاح جنکے ساتھ میں نے زبردستی دوستی پیدا کی تھی بڑے معزز خاندان کے آدمی تھے۔ و مشق میں حضرت خالد نقشبندی ایک بزرگ گزرے ہیں جنکے ساتھ بیان کے لوگوں کو اس قدر ادا سے کہہ کر انکا نام نہیں لیتے بلکہ حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے خاک پاک ہندوستان کے تربیت یافتہ یعنی حضرت میرزا جان جانان دہلوی کے مرید تھے شیخ عبدالفتاح انہیں کے پیچھے ہیں اور

شیخ عبدالفتاح کا حال۔

اس تعلق سے۔ لوگ انکی قدر و منزلت کرتے ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں شامیوں کا ایک بڑا گروہ ہے دوہی چار دن میں شیخ عبدالفتاح کی اکثر لوگوں سے شناسائی ہو گئی اور انکے ذریعے سے مجھ کو بھی ان لوگوں سے تعارف ہوتا گیا۔

شیخ علی ظہیان کی ملاقات -

ایک دن شیخ علی ظہیان جنکے والد ایک مشہور صوفی ہیں۔ شیخ عبدالفتاح سے ملنے آئے میں بھی اسوقت موجود تھا اور اتفاق سے رسالہ اسکات المعتدی جو میری قدیم تصنیف ہوا عربی زبان میں جو سامنے رکھا ہوا تھا انہوں نے اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ ”آپا یہ رسالہ مدت ہوئی میں نے و مشرق میں اپنے شیخ کے پاس دیکھا تھا در انہوں نے اسکے مصنف کی نسبت کہا تھا کہ ”شکراً اللہ مساعیہ“ شیخ علی ظہیان کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسالہ میری ہی تصنیف ہے تو اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے ملے اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آئے۔ مجھ کو اس بات سے کہ میری ناچیز تصنیف یہاں تک پہنچی۔ اور لوگوں نے اسکو نگاہ قبول سے دیکھا نہایت مسرت ہوئی اور سفر کی کس میری میں اتنا ذریعہ تعارف بہت غنیمت معلوم ہوا۔ شیخ علی ظہیان نوجوان آدمی ہیں۔ فقہ کی تحصیل شیخ عبدالرحمن سے کی ہے جو مصنف روح المختار (مشہور بہ شامی) کے نواسے اور شاگرد تھے۔ اگرچہ انکو اکثر علوم متداولہ میں دخل ہے لیکن ادب میں زیادہ مہارت ہے۔ ایک غیر منقوہ قصیدہ سلطان کی مح میں پیش کیا تھا جب پرانکو صلہ و النعم بھی عطا ہوا۔ مد سے درویش پاشا کے حمان ہیں اور پاشا سے موصوف انکے ساتھ عزیزانہ برتاؤ رکھتے ہیں۔ مجھ سے ان کا تعلق روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ باوجود بے مروت قریب آہر روز میرے مکان پر پشرف لائے اور کبھی کبھی تمام دن میرے پاس رہتے۔

شیخ عبد الفتاح چند روز کے بعد دمشق کو واپس چلے گئے۔ اس وقت تنہائی میں شاید مجھ کو تکلیف پہنچتی۔ لیکن شیخ طلبیان کی غمگساریوں نے تمام ترویات دل سے دور کر دیے۔

مکان جو ہنسنے کرایہ پر لیا تھا اگرچہ نہایت خوش فضا اور موزون تھا۔ لیکن چونکہ مکان کا مالک (عارضی) نہایت بد معاملہ اور آوارہ مزاج تھا۔ چند روز کے بعد میں نے دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور اخیر تک وہیں رہا۔ یہاں۔ مکان کی خوبی کے ساتھ بڑا آرام یہ تھا کہ مالک مکان ایک نیک مزاج عورت تھی۔ اگرچہ اس کا مذہب عیسائی تھا اور قوم کی اٹالین تھی تاہم بقدر ضرورت عربی بول لیتی تھی۔ اور مسلمانوں سے ایک خاص انس رکھتی تھی۔

کمانے پینے کے انتظام کی ہلکے کچھ ضرورت نہ تھی۔ ہوٹل اور دکانیں کثرت سے ہیں اور نہایت مرتب اور پر تکلف ہیں۔ بازار میں کمانا یہاں مطلق عیب نہیں۔ میں نے اکثر مغز عمدہ داروں کو ہوٹلوں میں کمانے دیکھا۔ یہ ہوٹل عموماً عیسائیوں کے ہیں۔ مسلمانوں کی دکانیں بجز اسکے کہ میز اور کرسی وہاں بھی ہوتی ہے۔ باقی اور باتوں میں ہندوستان کی دکانوں سے مشابہ ہیں۔

جہاز پر میں نے جو قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا۔ قسطنطنیہ پہنچا۔ تمام ہوا۔ اس میں سفر کے حالات کا اجمالی خاکہ ہے۔ اور چونکہ ناظرین تمام حالات کی تفصیل سے واقف ہو کر قصیدہ کے قصہ طلب حوالے بخوبی سمجھ سکیں گے اور انکو زیادہ لطف و مزہ آئے گا۔ میں اس قصیدہ کو تہہ بہ تہہ بیان نقل کرتا ہوں۔

قصیده

بهر تکمیل فن و هم پی تحصیل عسبر
 فایز از حج و زیارت چو مرا کرد خدا
 گر چه من گرم طلب بودم و بس متجمل
 ویران مایه است آخر که حسودان گفتند
 روم گویی دوسه گامست که این خام طمع
 ره چنین دور و دراز سفر این مایه خطیب
 من درین غصه و غم خون جگر می خوردم
 اتفاقی عجیبی گشت مرا عهده گشای
 یکدوم به پیشتر که زانکه زخم کوس حیل
 چون سته آدم از تب بدل آمد که مرا
 عزم دیرینه بیاد آمد و گفتم چه خوشست
 اگر ناله آنکه رفیق ست و هم استاد مرا
 گفتم این صحبت و این واقعه نادر افتد
 چون ازین داعیه مردم همه آگه گشتند
 همه را مهر بخشید و بدر و آمد دل

روز کار لیت که می داشتم آهنگ سفر
 خواستم تا بسوی روم شوم راه سپر
 لیک تاخیر بهیر فیض سیر مان و تدر
 که فلان جز بهوس خام ندارد در سر
 بی تکلف بنظر چو بت مبتست مکر
 چون میسر شود آزا که نذر دست و نذر
 ناگهان شاهد مقصود و در آمد از در
 که از و هم و گمان نیز نمیداشت خبر
 بودم از رحمت پخته دل و فتنه جگر
 چاره جز نقل مکان هیچ نباشد ایدر
 که بیک حیل و دتا کار بار و داور
 هم درین عرصه بالنگن طبعی خواست سفر
 پس بعزم سفر از جای بستم مضطر
 هم بیاران و عزیزان وطن رفت خبر
 جمله گفتند که این رحمت بهیر فرسبر

دل حیران منه در سم و ف را گلزار
 روز کی چند بیاسای و سپس سازیده
 با خود از نقد و هنم از امتعه ان مایگیه
 مصالحت نیست که این مرحله تناسی
 گفتیم این جمله گفتید بود عین صلاح
 مرد این مرحله گاهی که فراییش بناد
 الغرض از رمضان بست و ششم بود که من
 اوقادم برده کوه و سیابان کی چند
 ز حتمی صد بکشتی یک بکشتی دوسه روز
 کس نیارست سرش باز گرفت از بالین
 بنو و مایه آزار بکشتی - چیه بی
 نان خورشش بود هر گونه میسار
 گرچه من زان نمی پالوده نالودم لب
 بهفتم ماهی چون رسیدیم عدا
 من فردا دم و روی بشهر آوردم
 کو بهار است که هر چند بلند است و فراخ
 بهر کجا میگریز ریگ روانست و خرف

در نخواهی که کشتی پاسبان ازین را بگذر
 سازد برگ سفر آن گونه که باشد و زور
 که اگر دیر بانی نبود هیچ خطره
 لاجرم خاد که نیز بهمه راه به
 لیک طالب نبود در گرفت و دفعه
 باز پس می نه کشد گر همه مرگ آرد بر
 گرم برخاستم از جای و شدم راه سپر
 پس بکشتی نشستم من و یاران دیگر
 لیک از موج بهر لحظه شدی زیر و زبر
 کس نیارست جدا کردنش از بستر
 غیر ازین محنت سه روزه کز نیست مفر
 از کباب برده و مرغی و نقل و مشکر
 دیگران لیک علی الرغم زندی ساغر
 کشتی آسود و بینداخت زمانه لنگر
 تا خبر جویم ازین مملکت از بد و حشر
 لیک از سبزه دگل نیست در و هیچ اثر
 هر طرف می نگری خاک سیاهست و حجر

بجه در سا که نزل اند درین بقع سه همه
 مردم شمس که خود را به سما می نامند
 خوار و بد بخت و تبه کار و سیه چرده در زشت
 خویشتن را به عرب بسته و حاشا که عرب
 چون زبان همه تازی بود و هم چو عرب
 عایمان در غلط افتند و گمان باز برند
 تخم و هم ریشه این نخل ز خاک جهشست
 شا که گشتی ما باز برنتار آمد
 به سوزید آمد و استاد و چنان ز در گزشت
 این همان نهر عجیبیست که زمین کاری
 بست و سنگ درازست و به پنا چندان
 مردی ز اهل فرنا که پیشش ناست
 آن خرد و چو در آغاز بدعوی برخاست
 مردمان سخره گرفتندش و گفتند که این
 از نمشی چار و هم بود که پورط سعید
 در میان من دارن لطف بیفتاد و فراق
 پورط جایست که تا چشم دگر کار کند

بزبان عربی حشر زو ندی یکسر
 حیوان اند نه بل از حیوان هم بدتر
 سفله و ممتن و کج روش و بدگوهر
 این چنین خوار و زبون شان پسند ماور
 نام شان بسته بود بالقب حب و پدر
 که مگر در نسب و نسل ز معز اند و مضمر
 که درین جاب بسیار آمد و افشا ندر
 تا به یک هفته گزر کرد و بحر الاحمر
 که ز کیفیت و حالش نشدم هیچ خبر
 جز در افسانه پیاپین نه شنیدیم دگر
 که دو و ابور توانست داز و کرد گزر
 زده این نقش و در اقصای جهان گشت سمر
 که توان آمدن از عمده این کار بدر
 هر زده هست که فرزانة ندارد باور
 بر سیدیم و نشستیم به و ابور دگر
 زانکه راه من و او گشت جد ازین بهر
 زورق و کشتی دو ابور بود ستراسر

صدیه بینی که برافراشته اینجا رایت
 شاکله کشتی بابازوان گشت گذشت
 من بساحل شدم و مردی از ابناء حلب
 خوب جایست که ناخواسته در باز دول
 موضعی خرم و سیر خوش و جای دلکش
 گبر و مسلم همه خوش جامه و موزون اندام
 جامه شان لعوب بر ماند و رزی و لباس
 چون برون فرستم ازین جای ازان چاره نبود
 از منشی شان زده بود که گشتیم روان
 این همان جای قدیم است که در عهد امیر
 حالیا دولت انگلستان رفتش از ترک
 مسجد جامع و ایوانگه قبرس دیدم
 رو دس و مسکه بره آمدن پسران میر
 من سوی شهر روان گشتم و یک یک دیدم
 فرض آورده ادا کردم و از بعد نماز
 مجلسی از فقها بود در آن جا و بهم
 زنان یکی روین آورده چون چپه کسی

صدیه بینی که در انداخته آنجا سنگ
 از ره یافته و پس کرده بیروت مقدر
 سهر گشت و بهر ناحیه ام شد و بهر
 هر که سوزی بدش دارد و دردی بحسب
 راه هموار و زمین پاک و مکان خوش منظر
 خاص و عامی همه گلگون تن و زیبا پس
 پیچ فرقی از مسلمان نبود تا کاف
 پیش میفرستم و بازم بقضا و نطق
 پس به قبرس رسیدیم بهنگام سحر
 سپی رفت بتبخیزش و زغال نظیر
 لیک با صلح از یاد رس تیغ و تبر
 سیر این بقعه مرالس عجبا فرود عب
 کشتی استاده از میر و ششی بر دس
 مسجد و مکتب و بازار و ره و کوچه دور
 در کتب خانه سلطانی یافت و گز
 بحث از متعمه می رفت و هم از قول عمر
 تا چند را بر زده و امن محنت کمر

گفتم از بہت مردم و از خوان ادب زلزلہ بآے گفت حال اسخن از متعہ سمیرفت و تو ہم من پاسخ در معنے زوم و استمعان پس زاز میہ روان گشتم و در عرض دور مختصر گفتم ام این جنسہ و تو ہم میرانی	طفرے برم از بہر جہت و بہر کشور گر توانی۔ سخنی گوے و مثالی آور لب تحسین بکشادند پس از بحث و نظر طی شد این راہ و پایان برسید این دفتر کہ درین باد یہ بس تنگ بود راہ گزر
--	---

ہر کہ چو یا بود از حال من و حرمان
بایدش گفت کہ این نظم بخواند یکسر

قسط ظنیہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حالات

قبل اسکے کہ میں بیان کے تفصیلی حالات جدا جدا عنوان سے بیان کروں۔ ضرور ہے کہ نہایت مختصر طور پر اسکی قدیم تاریخ اور اسکے ساتھ اسکی عام وجودہ حالات اجمال کے ساتھ بیان کروں۔ اس فہرہ کی ابتدائی تاریخ (یعنی جب وہ بزرگ طایین کے نام سے پکارا جاتا تھا) نہایت قدیم ہے۔ لیکن جس زمانہ سے اس کا نام قسط ظنیہ ہے اسکو بھی کچھ کم عرصہ نہیں گزرا۔ علاء الدین قسط ظنین اعظم نے اسکی بنیاد ڈالی اور اسوقت محمد فاتح کے زمانہ تک وہ قیصرانِ روم کا بڑے تخت رہا۔ انگریزی اور حال کے اسلامی جغرافیوں میں اس کے حالات نہایت تفصیل سے ملتے ہیں۔ قدیم اسلامی جغرافیوں میں بھی اسکا ذکر ہے۔ لیکن اس بطور کے سوا مجھ کو کوئی اسلامی مصنف معلوم نہیں۔ جس نے اس زمانہ کے واقعات

قسط ظنین کی اجمالی تاریخ

چشم دید لکھے ہوں ابن بطوطہ نے شہر ہجری میں اس شہر کو دیکھا تھا۔ اُس وقت یہاں عیسائی حکومت تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ”یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے اور ایک نمک کے حائل ہو چکی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک حصہ جو نمک کے شرقی کنارے پر ہے استنبول کہلاتا ہے اور قیصر روم اور ارکان دولت و اہل۔ اسی حصہ میں رہتے ہیں۔ دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں عموماً یورپ کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں جنکو قیصر بزرگ اپنی اطاعت میں رکھتا ہے“ ابن بطوطہ نے ان سوداگروں کی بہت تجارت کی تعریف اور ان کے غچلے پن کی بھوک کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے علاوہ قریباً سو بڑے بڑے جہاز موجود تھے۔ لیکن تمام بانا نہایت نجس اور کثیف ہے اور گرجے تک اس سے مستثنیٰ نہیں“

مسلمانوں نے قرن اول ہی میں اسکو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا تھا چنانچہ سب سے اول جس نے اس کے شہر پناہ کے آہنی دروازے پر تلوار مار دی وہ عبداللہ بن المطلب۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا سپہ سالار تھا۔ اس کے بعد اور غلطاً و سلاطین نے بھی اس پر حملے کیے لیکن قیصر ان روم کا خاتمہ محمد فاتح کے ہاتھ سے ہو نوالا تھا جس نے ۸۵۷ ہجری میں اس عظیم الشان دار السلطنت پر صلیب کے بجائے علم اسلام بلند کیا۔ اس حیرت انگیز معرکہ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ عیسائیوں نے بند گاہ کا راستہ دریائی طرز کے رک رکھا تھا۔ ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلیخ زمین ہے اسے

ابن بطوطہ کے بیان کو سننا اس لحاظ سے نقل کیا کہ وہ

پانچ میل تک لکڑی کے تختے بچھا دیے اور جہازوں کو زمین پر بھیجے لگائے تھے اس پر
چلا کر تمام فوجیں گولڈن ہارن میں اُتار دیں۔ اس وقت اس نامور فاتح کی عمر کل ۲۲ برس کی تھی
اس فتح کا مادہ تاریخ ”بلدۃ طیبہ“ ہے۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ آناً باغورس کی شاخ جو در تک چلی گئی ہے۔ شہر
اس کے دو کناروں پر آباد ہے اور اسوجہ سے اس کے دو حصے بن گئے ہیں ایک حصہ استنبول
کہلاتا ہے اور تمام طبی بڑی مسجدیں۔ کتب خانے سیلاطین کے مقبرے۔ اسی حصہ میں ہیں
مسلمانوں کی آبادی بھی اکثر ہے۔ دوسرا حصہ پیرہ سے شروع ہوتا ہے اور
اس کا انتہائی جانب پر لشکراش وغیرہ واقع ہیں جہاں سلطان کا ایوان شاہی اور قصر عدالت ہے
پیرہ کی دوسری طرف جلعطہ ہے اور چونکہ تمام بڑے بڑے یورپین سوداگر اور سفراء سلطنت
یہیں سکونت رکھتے ہیں اسکو یورپین آبادی کمنا زیادہ مناسب ہے۔

کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی شہر قسطنطنیہ کی برابر خوش منظر نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے
کہ منظر کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوشنما ہونا خیال میں بھی نہیں آتا۔ اسی لحاظ سے اسکی
بندرگاہ کو انگریزی میں گولڈن ہارن یعنی شہری سینک کہتے ہیں۔ کہیں کہیں عین دریا کو گھاری
پر عمارتوں کا سلسلہ ہے اور در تک چلا گیا ہے۔ عمارتوں کے آگے جہازیں ہیں اور
نہایت ہموار اور صاف ہے اسکی سطح سندک سطح کے بالکل برابر ہے اور زمان عجیب خوشنما
منظر پیدا ہو گیا ہے۔

شہر کی صنعت اور تمدن کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاص استنبول میں ۵۰۰

جامع مسجدین ۱۷۱- حمام ۳۲۴- لائین- ۱۶۴ مدارس قدیم- ۵۰۰ مدارس جدید-
۱۲ کالج- ۴۵ کتب خانے ۳۰۵ خانقاہیں- ۴۸ چھاپے خانے- ہین- کاروبار اور کثرت
آمد و رفت کی کیفیت ہے کہ متعدد بڑے کام گاڑیاں- بازارہ و خانی جہاز- زمین کے اندر کی
ریل- معمولی ریلین (جو ہر آدھ گھنٹے کے بعد چوتھی مین) ہر وقت چلتی رہتی ہیں اور باوجود اس
سڑکوں پر پیادہ پا چلنے والوں کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ ہر وقت میلہ سا معلوم ہوتا ہے
غلط اور استنبول کے درمیان مین جوئل ہے اُس پر سے گزرنے کا محصول فی شخص ایک
پیسہ ہے اس کی روزانہ آمدنی پانچ چھ ہزار روپے سے کم نہیں ہے۔

تموہ خانے نہایت کثرت سے ہین- میسے تخمینہ مین چار پانچ ہزار سے کم نہو گئے۔
بعض بعض نہایت عظیم الشان ہین جنکی عمارتیں شاہی محل معلوم ہوتی ہین- تموہ خانوں مین-
ہمیشہ ہر قسم کے شربت اور چائے و تموہ وغیرہ مینا رہتا ہے- اکثر تموہ خانے دریا کی
ساحل پر اور بعض حدین دریا مین ہین جنکے لیے لکڑی کا پل بنا ہوا ہے- تموہ خانوں مین
روزانہ اخبارات بھی موجود رہتے ہین- لوگ تموہ پیٹے جاتے ہین اور اخبارات دیکھتے جاتی
ہین- قسطنطنیہ بلکہ ان تمام ممالک مین تموہ خانے ضروریات زندگی مین محسوب ہین-
میسے عرب احباب جب مجھ سے سنتے تھے کہ ہندوستان مین اسکا رواج نہیں تو تعجب
سے کہتے تھے بالمشیت سلون یعنی وہاں لوگ جی کیونکر بلا تے ہین اس کے مین
دوستوں کے ملنے جلنے اور گرمی صحبے کے موقعے ہی تموہ ہین۔

افسوس ہو کہ ہندوستان مین کو ان باتوں کا ذوق نہ

قسم کی عام صحبتیں زندگی کی دلچسپی کے لیے کس قدر ضروری ہیں۔ اور طبیعت کی گفتگو پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے۔ دوستانہ مجلسیں ہمارے ہاں بھی ہیں۔ جب کا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے مکان پر دو چار احباب کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس طریقے میں دو بڑے نقص ہیں۔ اولاً تو تفریح کے جلسے پر فضا مقامات میں ہونے چاہئیں کہ تازہ اور لطیف ہوا کی وجہ سے صحت بدنی کو فائدہ پہنچے۔ دوسرے سخت خرابی یہ ہے کہ چونکہ یہ جلسے پریوٹ جلسے ہوتے ہیں اس لیے انہیں غلیبیت شکایت اور اس قسم کے لغویات کے سوا اور کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ بخلاف قہوہ خانوں کے جہاں مجمع عام کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کا موقع نہیں مل سکتا۔ قسطنطنیہ اور مصر میں عین ہمیشہ شام کے وقت دوستوں کے ساتھ قہوہ خانوں میں بیٹھا کرتا تھا لیکن میں نے کبھی اس قسم کے تذکرے نہیں سنے۔ تفریح اور بذلہ سنجی کے سوا وہاں کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

یورپین اور ایشیائی
تہذیب کے نمونے

قسطنطنیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اگر کسی یورپین اور ایشیائی تمدن کی تصویر ایک مرقع میں دیکھنی ہو تو یہاں دیکھ سکتا ہے۔ کتب فروخون کی دکانوں کی سیر کر دو تو ایک طرف ایک نہایت وسیع دکان ہے۔ سنگ رخام کا فرش ہے۔ شیشہ کی نہایت خوبصورت الماریاں ہیں۔ کتابیں جب قدر ہیں مجلد۔ اور جلدیں بھی معمولی نہیں بلکہ عموماً مطلقاً و ندرت۔ مالک دوکان میز کرسی لگائے بیٹھا ہے۔ دو تین کم سن خوش لباس لڑکے اوپر اوپر کام میں لگے ہیں۔ تم نے دکان میں قدم رکھا ایک لڑکے نے کرسی لاکر سامنے رکھ دی اور کتابوں کی فہرست حوالہ کی۔ قیمت فہرست میں مذکور ہے اور وہیں کمی بیشی کا

احتمال نہیں۔

دوسری طرف۔ مگر کے کنارے چیترون پکتا ہون کا بقاعدہ ڈھیر لگا ہے زمین کا فرش اور وہ بھی اس قدر مختلف کہ تین چار آدمی سے زیادہ کی گنجائش نہیں قیمت چکانے میں گھنٹوں کا عرصہ درکار ہے۔

اسی طرح ہر پیشہ و صنعت کی دکانیں۔ دونوں نمونہ کی موجود ہیں۔ عام صفائی اور زیب و زینت کا بھی یہی حال ہے غلطی کو دیکھو تو پورپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ دکانیں بلند اور آراستہ۔ ٹرکین وسیع اور ہموار۔ کپڑے اور نجاست کا کمین نام نہیں۔ بجز ان اسکے استنبول میں جہاں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی ہے اکثر ٹرکین ناصاف اور بعض بعض جگہ اس قدر ناہموار کہ چلنا مشکل۔

اس شہر میں اگر ایک سیاح کے دل میں غالباً جو خیال سے پہلے تازہ یادہ یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے دو حصوں میں اس قدر اختلاف حالت کیوں ہے؟ چنانچہ یہ کہ دل میں سے پہلے ہی خیال آیا۔ میں اسکے متعلق بہت کچھ بحث و تفتیش کی۔ باشندہ کی اختلاف حالت کا سبب تو میں نے آسانی سے معلوم کر لیا یعنی مسلمانوں کا غلبہ اور دوسری قوموں کا قتل۔ لیکن مگر کون اور گروہ گاہوں کی ناہمواری و غلامت کا بظاہر یہ سبب فراہم نہیں پاسکتا تھا اس لیے میں نے ایک معزز ترکی فسر یعنی حسین حبیب فندی پولیس کمنٹر سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری مینو نسپلی کے ٹکیس بہت کم ہیں۔ بہت سی چیزیں محمول سے معاف ہیں لیکن غلطی میں یورپین سوداگر خود اپنی خواہش سے بڑی بڑے

مقامات
وجہ۔

ٹیکس ادا کرتے ہیں اس لیے میونسپلٹی اُن رقموں کو فیاضی سے صنف کر سکتی ہو۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ وہی غلط ہے جس کی نسبت ابن بطوطہ نے نجاست اور میلہ پن کی سخت شکایت کی ہے۔ یا اسے انکو صفائی و پاکیزگی کا یہ اہتمام ہے کہ اسکے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقی آج کل یورپ کا خمیہ بن گیا ہے۔

سہان کی عمارتیں ہندوستان کی عمارتوں سے بالکل جدا وضع کی ہیں۔ مکانات عموماً

سے منزلہ چو منزلہ ہیں۔ صحن مطلق نہیں ہوتا۔ عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے امرا اور پاشاؤں کے محل بھی لکڑی ہی کے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں اکثر آگ لگتی ہے۔ کوئی مینہ بلکہ ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جل کر تباہ نہ ہوں اور کبھی کبھی محلے کے محلے جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ آگ بجھانے کے لیے سلطنت کی طرف سے نہایت

آتش زنگی

اہتمام ہے۔ کئی سو آدمی خاص اس کام پر مقرر ہیں۔ ایک نہایت بلند منارہ بنا ہوا ہے جس پر چند ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جب وقت کہیں آگ لگتی دیکھیں فوراً خبر کریں۔ اس قسم کے آدھ بھی چھوٹے چھوٹے منارے جا بجا بنے ہوئے ہیں جو وقت کہیں آگ لگتی ہے فوراً توہین رہتی ہیں۔ اوشر کے حصے سے آگ بجھانے والے ملازم تمام اس کے ساتھ متعلق رہنے پڑتے ہیں۔ انکو حکم ہے کہ بے سزا شادوڑتے جائیں یہاں تک کہ اگر کوئی راہ چلتا ہو اس کی جیبٹ میں آکر بیس جائے تو کچھ لازم نہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ تہرا کی عمارتیں کیوں نہیں بنتیں۔ معلوم ہوا کہ سردی کے موسم میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور سردی نقصان پہنچتا ہے۔

آب وہو ایہان کی نہایت عمدہ ہے۔ جاپون میں سخت سردی پڑتی ہے اور کبھی کبھی برف بھی گرتی ہے۔ گریون کا موسم جبکہ کھجک خود تجربہ ہو اسقدر خوش گوار ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ ہمارے ہاں کے امراتملہ اور نیلی تال کے بجائے قسط فطینہ کا سفر کیون نہیں کرتے۔ پانی بہاڑے آتا ہے اور نہایت باضم اور خوشگوار ہے۔

ہر قسم کے میوے کثرت سے ہیں اور خصوصاً انگور اور خربزہ بے مثل ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے خربزے لطافت میں تو شاید بڑے ہوں لیکن شیرینی میں یہاں کے خربزون کی برابری نہیں کر سکتے۔ امرود جبکہ اہل عرب انجاس کہتے ہیں عجیب محروطی شکل کے ہوتے ہیں۔ رنگ میں تو نہیں لیکن صورت میں گاجرون سے مشابہ۔ مگر نہایت شیریں اور لذیذ۔ سیب کابل کے سیدھے جڑے اور زیادہ شیریں۔ ایک میوہ میان ہوتا ہے جبکہ شمشک کہتے ہیں۔ وہ ہمارے ہاں کی جامن سے کچھ مشابہ ہے۔ ہر قسم کے میوے نہایت ارزان ہیں۔ انگور ہر سیرنگ آتے ہیں۔ سیب عمدہ سے عمدہ پیسے کے دو۔
و علیٰ ہذا۔

تباس اور وضع بالکل یورپین ہے ظاہری ہیئت سے کسی شخص کا مسلمان یا عیسائی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ لال ٹوپی جو ترکوں کا امتیازی لباس ہو سکتا تھا عیسائی اور یہودی سبھی استعمال کرتے ہیں اور اسوجہ سے دونوں قوموں میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ طریقہ ایک اعتبار سے تو اچھا ہے کیونکہ دنیا کی مختلف قوموں میں اختلاف کے آثار چھوڑ دینے جائیں تمدن کے لیے مفید ہے۔ لیکن پوشیل ضرورتوں میں اس سے سخت بوج ہو رہا ہے۔

مجھ کو اسکی وجہ سے اکثر دشواریاں پیش آئیں۔ اور ہمیشہ خیال آتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اگر عیسائیوں کو قومی لباس کی پابندی کا حکم دیا تو بہت بجا کیا۔ تعجب یہ ہے کہ یہاں مذہبی گروہ یعنی علما اور مدرسین بھی یورپ کے اثر سے نہیں بچ سکے۔ انکے پابجا مون مین پتلون کی طرح بن جوتے ہیں صاف سے یہ فرق ہے کہ اوپر گیمبر ہوتا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ چٹنیں ہوتی ہیں۔ گرتے یا اچکن کے بجائے صرف رالی کوٹ ہوتی ہے۔ وایکوٹ کے اوپر عبا پہنتے ہیں اور بھی امتیازی علامت ہے جو انکو اور گروہ کے آدمیوں سے الگ کرتی ہے۔ اسمین بھی یورپ کا یہ اثر ہے کہ عبا کے نچلے نمین لگاتے۔ اور سامنے سے وایکوٹ کھلی رہتی ہے۔ ٹکی ٹوپی عموماً یہ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اسپر سید کپڑے کی ایک دھجی لٹی ہوتی ہے جسکو عربی مین لفہ کہتے ہیں اور وہ اہل علم کی خاص علامت خیال کی جاتی ہے۔ عورتوں کے لباس کی تفصیل مین عورتوں کی تہذیب و معاشرت کے ذکر میں لکھو گنگا۔

یہاں کی عمدہ اور یادگار عمارتیں۔ جامع مسجدین۔ اور شاہی ایوانات ہیں۔ جامع مسجدین کا ذکر یہ قدر تفصیل کے ساتھ جداگانہ عنوان سے آگے آئیگا شاہی ایوانات کو یہاں سہرا سے کہتے ہیں۔ انکی تعداد بیس یا اکیس ہے اور سب دور دور فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ عمارتیں مختلف سلاطین کے عہد کی ہیں اور نہایت عظمت و شان کی عمارتیں ہیں۔ ایک ایوان عین لب دیا ہے جو سرتاپا سنگ رخام کا ہے اور نہایت وسیع۔ بلند۔ خوشنما ہے۔ حال میں منشا جرمین۔ سلطان کا مہمان ہوا تھا تو اسی ایوان میں ٹھہرا تھا۔

جامع اور شاہی
ایوانات۔

کوئی ٹاون ہال
نہیں۔

یہ بات نہایت تعجب کی ہے کہ تمام شہر مین کوئی ٹاون ہال نہیں۔ پبلک گارڈن یعنی

باغ عامہ بھی ایسا مختص ہے کہ اس عظیم الشان دار السلطنت کے لیے کسی طرح موزون زمین عدالتین (بجز دو تین کے) سب یکجا واقع ہیں اور اس مجموعی عمارت کو باب عالی کہتے ہیں وزیر اعظم کا عہدہ بھی یہیں ہے۔ یہ عمارتیں چند ان شاندار زمین ہیں۔ ہائیکورٹ جسکو میان محکمہ التمرین کہتے ہیں باب عالی سے فاصلہ پر ہے۔ مین اسکے اندر تو نہیں گیا لیکن باہر سے بڑی شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے۔ پولس کمشنر کی عدالت غلط دین ہے۔ مین نے اسکی اچھی طرح سیر کی۔ عمارت چند ان قابل ذکر نہیں ہے۔ لیکن نہایت مرتب اور آراستہ ہو۔ اجلاس کے کمرے مین بیش قیمت ترکی قالین بچھا ہوا ہے کرسیاں بھی نہایت خوبصورت اور موزون ہیں۔

معارف یعنی سر شریعتہ تعلیم کا محکمہ بھی مین نے دیکھا معمولی عمارت ہے لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی وجہ سے خوشنا معلوم ہوتی ہے۔

ترقی تعلیم کلج اور اسکول

اس دور دراز سفر سے کتب خانوں کی سیر کے علاوہ اگر میرا کچھ اور مقصد ہو سکتا تھا تو میان کی طرز تعلیم اور ترقی تعلیم کا اندازہ کرنا تھا چنانچہ مین نے اسپر پرنسپل اور تمام باتون کے زیادہ توجہ کی اور جہانگ ہو سکا کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن ناظرین کو یہ امید کرنی چاہیے کہ مین اپنے مقاصد میں پورا کامیاب بھی ہوا اور یہ کہ میری تعلیمی رپورٹ کوئی مکمل رپورٹ ہوگی۔ تحقیقات کے لیے مین جو کوششیں کر سکتا تھا وہ یہ تھیں کہ چند بار سر شریعتہ تعلیم کے دفتر میں گیا۔ افسران تعلیم سے تحقیق طلب باتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے کلج

عدالتین

تعلیم

اور اسکول خود جا کر دیکھے۔ ٹیچروں و پروفیسروں سے ملا۔ کالجوں کی سالانہ رپورٹیں حاصل کیں۔
لیکن یہاں ان تمام کوششوں پر بھی پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ترکوں میں یہ عجیب
دستور ہے کہ وہ ہر ایک بات کو بالکل ٹکس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسوجہ سے کسی معاملہ کا
منظر عام میں آنا پسند نہیں کرتے۔ سرشہ تہ تعلیم کی رپورٹ جو سالانہ کے ساتھ شائع ہوتی ہے
نہایت مختصر اور محض محل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مصارف تعلیم اور پروفیسروں اور ٹیچروں کی تنخواہوں
کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ بعض بعض کالجوں مثلاً مکتب حربیہ و مکتب سلطانی کی جداگانہ رپورٹیں
شائع ہوتی ہیں۔ لیکن انہیں نتائج امتحان اور انصاف تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اول اول جھک کو خیال ہوا کہ چونکہ میری رسائی کے وسیلے کم تھے اسلئے یہ حالات کم معلوم
ہو سکے لیکن جب میں نے خیر الدین پاشا وزیر ٹونس کی کتاب پڑھی تو تسکین ہو گئی۔ اس نے
جہاں ٹرکی کا ذکر کیا ہے اور اسکی تمدنی و تعلیمی ترقیوں کا حال لکھا ہے۔ نہایت اجمال سے کام
لیا ہے۔ اور یہ معذرت کی ہے کہ میں نے ٹرکی کے جو حالات لکھے وہ انگریزی کتابوں کے
ذریعے سے لکھے اور اسوجہ سے مفصل نہ لکھ سکا۔ لیکن مسلمانوں کی تحریرات میں اس قدر
بھی نہیں مل سکتا۔ اس تمہید اور معذرت کے بعد میں اصل مطلب شروع کرتا ہوں۔

قسطینہ بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم و جدید۔ قدیم تعلیم
ترکی حکومت کے ساتھ ساتھ مشرور ہوئی۔ چنانچہ خان البتونی ۱۲۷۶ھ نے جو اس سلسلہ کا
دوسرا بادشاہ تھا از بنق میں ایک مدرسہ قائم کیا اور یہ پہلا مدرسہ تھا جو ممالک عثمانیہ میں قائم ہوا
ارخان کے بعد اور سلاطین نے جو صلہ شامانہ سے تعلیم پر توجہ کی اور سیکڑوں دارالعلوم اور مدرسے

تعلیم کے مختلف طرز

تعلیم قدیم

قائم کیے۔ چنانچہ ہمارے رسالہ - مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم میں اسکی پوری تفصیل موجود ہے۔
 نئی تعلیم کی تاریخ اسوقت سے شروع ہوتی ہے جب ترکی حکومت ایشیائی قاب چھوڑ کر یورپین
 قاب میں آئی۔ اس انقلاب کا بانی سلطان محمود تھا جسے اول اول یورپین وضع اختیار کی اور
 فوج کو یورپ کے طرز پر آراستہ کیا۔ اسی مجاہد نے سن ۱۲۵۶ھ میں مکتب حریبیہ کی بنیاد ڈالی جو
 تعلیم جدید کا پہلا کالج تھا۔ یہ کالج اب بھی موجود ہے اور تمام حربی مدارس کام کرنے پر سلطان
 محمود کے بعد سلطان عبدالحمید نے سن ۱۲۶۱ھ میں جدید تعلیم کو زیادہ وسعت دی اور مکتب رشیدیہ
 قائم کیے۔ اس عہد سے اب تک یہ تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے اور روز افزون ترقی
 کر رہی ہے۔ تعلیم جدید کے چار درجے قرار دیے گئے ہیں۔

ابتدائیہ - اسکی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ پانچ برس ہے۔ لیکن زمین اور ہوشیاء اطالعہ
 دو تین برس بلکہ برس دو برس میں ہی اسکو ختم کر کے اور ترقی کر سکتا ہے اس میں قرآن مجید -
 ترکی زبان - عربی کا املہ - خط - حساب تقسیم تک سکھایا جاتا ہے۔
 رشیدیہ - مدت تعلیم تین برس - اس میں ترکی املہ - مفردات زبان ترکی - نحو ترکی - عقاید اسلام
 بزبان ترکی - حساب چاروں حصے - فریج زبان - عربی زبان - جغرافیہ - اقلیدس -
 کاغذات تجارت کے اصول - نقشہ کشی کی تعلیم - ہوتی ہے۔ یہ درجہ تقریباً ہمارے مان کے
 ڈل کی برابر یا اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔

رشیدیہ کے بعد اعدادیہ ہے جسکو انٹرنس کہا جاسکتا ہے۔ اس کلاس کے طالب العلموں
 کی مجموعی تعداد سن ۱۸۹۲ء میں ۲۱۵ تھی۔ اس میں تمام اضلاع اور خود یا یہ تخت کے مدارس شامل ہیں

اعداد یہ کے بعد خاص خاص کالج ہین خلا مکتب ملکیہ۔ مکتب الحقوق وغیرہ جنکا مفصل بیان آگے آئیگا۔ ہر قسم کے عام خاص مدرسو جو قسطنطنیہ میں ہین انکی تعداد پانسو ہے جنہیں ۱۳ بڑے بڑے کالج ہین۔

یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ سلطان حال کے عہد میں تعلیم نے نہایت ترقی کی ہے اور روز بروز کرتی جاتی ہے۔ سلطان کی تخت نشینی کے وقت مدارس رشیدیہ کی تعداد ۹۷ تھی لیکن اب ۴۰۵ ہے۔ ہر قسم کے نئے مدارس جو سلطان کی شانزدہ سالہ حکومت میں قائم ہوئے انکی تعداد دو ہزار ہے اسکے ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں طالب علموں کی تعداد اس کثرت سے بڑھتی جاتی ہے کہ ترقی تعلیم کی سال مابقی کی رپورٹ سال مابعد سے کچھ نسبت نہیں کرتی پر فیس و دیگر نے اب سے چند برس پہلے ترکوں کی عام ترقی پر جو کچھ دیا اوس میں مکتب الحقوق (قانونی کالج) کے طالب علموں کی تعداد تین سو بیان کی ہے۔ لیکن میں جب قسطنطنیہ میں تھا تو اس کالج میں بارہ سو طالب علم موجود تھے۔ میں نے زمانہ قیام مصر میں قاہرہ کے مشہور اخبار اللوجیر میں پڑھا تھا کہ سلطان حال نے جب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ تھے۔ لیکن اب آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہین۔ یہ رقم ہمارے ہاں کے ایک کروڑ بیس لاکھ کے مساوی ہے۔

حقیقت میں سلطان کو تعلیم کے ساتھ عجیب دلچسپی ہے۔ مکتب ملکیہ اور مکتب الحقوق جو قسطنطنیہ کے نامور کالج ہین خاص سلطان کے قائم کردہ ہین حضرت محمد

کوارن کالجوں کی طرف یہ انتظام ہے کہ چند بار نفس نفیس انکے معائنہ کو تشریف لا چکے ہیں۔ جس زمانہ میں میں قسطنطنیہ میں تھا حضرت مروج نے تمام بڑے بڑے کالجوں کو طالب العلموں کی شاہانہ دعوت کی قسطنطنیہ میں کاغذ خانہ ایک مشہور یہ گاہ ہے۔ جہاں ہفتہ میں ایک بار تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے یہ مقام دعوت کے لیے تجویز کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ ہر کالج کے اطر کے باری بازی وہاں بلائے جائیں سب سے پہلے کتب حریہ۔ پھر کتب ملکی (سول سروس کالج) اور دوسرے کالجوں کے طلباء مدعو ہوئے۔ طالب العلم جب کالج سے چلتے تھے تو سلطان کو حکم کے موافق شاہی بیڈ انکے آگے آگے جتا جاتا تھا۔ چونکہ مصالح ملکی کی وجہ سے سلطان خود ان جلسوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمیشہ انکی طرف سے ایک وزیر۔ شریک دعوت ہوتا تھا۔ اور طالب العلموں کو سلطان کا سلام پہنچا جاتا تھا۔ اسوقت تمام طالب العلم بڑے جوش اور اخلاص سے بادشاہم چوق اشیا کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ (یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ ہے) تعلیم کے صحنہ میں ایک نہایت مفید ایجاد جو حال میں سلطان کی خاص تجویز سے ہوئی وہ مکتب العشائر کا قیام ہونا ہے۔ اگرچہ اسوقت تمام ممالک عثمانیہ میں تعلیم کو ترقی ہے لیکن اب تک عرب کے قبائل بس فیض سے قریباً بالکل محروم تھے جسکی وجہ خود ان کی بے پروائی اور بددیت تھی۔ اس ضرورت سے سلطان نے خاص قبائل عرب کی تعلیم کے لیے ایک کالج۔ اور اسکے ساتھ ایک وسیع اور ترب بورڈنگ قائم کرنے کا حکم دیا۔ میرے زمانہ قیام ہی میں حکام اور عمال کے نام فرامین صادر ہوئے تھے کہ حجاز میں۔ دیار بکر بصرہ۔ بغداد۔ طرابلس الغرب۔ حلب۔ جھول۔ شام میں عرب کے جو معزز قبائل ہیں انکے بڑے کے انتخاب کر کے

مالب
عروت

یہیجے جائیں۔ سلطان نے انکے ہر قسم کے مصارف حکومت کی طرف سے دینے منظور کیے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۰ء کو یہ کالج بڑی شوکت و شان کے ساتھ کھولا گیا اور افتتاحی رسمن ادا کی گئیں۔ عربوں کی تہذیب و تربیت کے لیے ایسی عمدہ کوشش کی نظر تمام اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

مدرسہ دار الشفقتہ

اس سے بھی زیادہ شاہانہ فیاضی کا ثبوت دار الشفقتہ سے ملتا ہے جو خاص یتیموں کے لیے قائم ہوا ہے اس مدرسہ میں ایک ہزار یتیم تعلیم پاتے ہیں۔ اور سب کے سب بورڈر ہیں اس گروہ کثیر کے۔ خوراک۔ لباس۔ اور تمام دوسرے ضروری مصارف کا بارشہرتہ تعلیم پر نہیں بلکہ سلطان المعظم کی ذات خاص پر ہے۔

بڑے بڑے کالج اور اسکول۔

کالجوں اور اسکولوں میں سے جو زیادہ تر قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں۔

چونکہ میں نے ان کالجوں کو خود دیکھا ہے اور انکے طریقہ تعلیم وغیرہ کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کیے ہیں اس لیے آگے چل کر انکو جداگانہ عنوان سے لکھوں گا۔

اس کالج میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔

مکتب حربیہ شاہانہ۔
مکتب سلطانیہ۔
مکتب ملکیہ۔
مکتب حقوق یعنی قانون کا کالج

فقہ۔ اصول فقہ۔ روئے لا۔ قانون تجارت۔ اصول محاکمہ
تعمیرات۔ قانون بحری۔ پولیشکل اکانومی۔ یعنی سیاست
مدن۔ قوانین سلطنتیہ۔ یورپ۔ مختصر طور پر قانون کی
ایجاد کی تاریخ اور اسکے عہد بعد کی ترقیان۔ طالب علموں کی

کل تعداد بارہ سو ہے جنہیں چھ سو پورڈر ہیں۔ یہاں کے
تعلیم یافتہ منصف اور صدر الصدور وغیرہ ہو سکتے ہیں۔
مدت تعلیم چار برس ہے۔

مکتب الہند
مدت تعلیم پانچ برس۔ یہ رٹکی کالج کے مشابہ ہے۔
مکتب اللسان
اس میں جرمن۔ فرنچ۔ یونانی۔ آرمینی۔ لاطینی۔ آئالین۔ روسی۔
زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔

مکتب الصنائع یعنی ٹیکنیکل سکول۔ اس کا سالانہ خرچ ۸۲۵۰ پونڈ یعنی ۲۳۷۵۰ روپے ہیں
طالب علموں کی تعداد ۲۴۰ ہے اور یہ کل تیرہ لاکھ ہیں۔ ان کے
مصروف خود مدرس کے فنڈ سے ادا ہوتے ہیں۔ اس میں
اب تک صدائی تجارتی وغیرہ سکھلائی جاتی تھی لیکن سال گذشتہ
میں متمم مدرسہ توفیق باب آفندی نے درخواست کی کہ
کلون کا کام سکھایا جائے۔

مکتب نواب
یہ کالج نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا گیا ہے زمانہ ماقبل
میں قاضی و مفتی جو مقرر ہوا کرتے تھے ان کے لیے کسی
قسم کی خاص تعلیم میں امتحان دینا مشروط نہ تھا۔ اب یہ
قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کالج کا تعلیم یافتہ نہ ہو
وہ شہرعی مناصب پر مقرر نہیں ہو سکتا۔ اس طریقہ نے

سعی و سفارش کی تقریرون کا راستہ بالکل مسدود کر دیا
ہے۔ اس کالج میں فقہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی ہے
تعلیم جدید کی بعض چیزیں بھی اضافہ کی گئی ہیں۔ تاکہ موجودہ
زمانہ کی ضروریات پر واقفیت ہو۔

مکتب بحریہ
اس میں فن جہاز رانی کی تعلیم ہوتی ہے۔

مکتب الزراعة

طریقہ تعلیم کے متعلق چند باتیں زیادہ قابل لحاظ ہیں۔

طریقہ تعلیم کے
متعلق قابل لحاظ
امور
فریج زبان کا
لازمی ہونا۔

(۱) یہ کہ قریباً تمام کالجوں اور اسکولوں میں فریج زبان لازمی ہے جب کا یہ نتیجہ ہے کہ تعلیم جدید
کا معمولی تعلیم یافتہ بھی فریج زبان سے نا آشنا نہیں مل سکتا۔

(۲) تمام بڑے بڑے کالجوں میں فزیکس، کسٹری، جیالوجی وغیرہ کی تعلیم لازمی ہے اور
ان علوم کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس غرض سے ہر کالج میں کثرت سے ان فنون کے
آلات مہیا رہتے ہیں۔

سائنس و
فنون کی تعلیم

(۳) تاریخ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ مکتب المکیہ کالجوں میں نے دیکھا تھا
جہہ ضخیم جلدوں میں ہے جس میں علاوہ اور ملکوں کے یورپ کی مفصل تاریخ ہے۔ اسکے ساتھ
بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے اکثر مصنفین نے جو غلطیاں کی ہیں
ان سے بچت اور اُس پر زور دیا جاتا ہے۔

تاریخ کی اعلیٰ درجہ
کی تعلیم

(۴) پھر مکتب سلطانہ کے حسین عیسائی طالب علم کثرت سے ہیں باقی اور تمام مدارس میں

ہر قسم کے علوم و فنون ملکی زبان یعنی ترکی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ تمام علوم جدیدہ کا ترکی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ امر بحث طلب ہے کہ ترجمہ تعلیم کا عمدہ ذریعہ ہے یا نہیں اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامور ارباب الہی نے اس بحث میں نفی کا پہلو اختیار کیا ہے لیکن غالباً وہ بحث ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے جہاں کی ملکی زبان گورنمنٹ کی زبان نہیں ہے۔ ترکی زبان سلطنت کی زبان ہے اور اسکی مثال تمام دنیا میں نہیں مل سکتی کہ کسی سلطنت نے غیر قوم کی زبان میں علوم و فنون حاصل کر کے ترقی کی ہو۔ انگلستان کی نشوونما اسوقت شروع ہوئی جب علوم و فنون۔ لیٹن سے انگریزی زبان میں منتقل ہو کر آئے۔ اور کچھ بہت دیر میں کہ ترکی کی ترقی بھی اگر ہو سکتی ہے تو ملکی ہی زبان کے ذریعہ سے ہو سکتی ہو۔

(۵) تعلیم و تربیت کے معاملہ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل عزت ہے وہ بورڈنگ سٹم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترکی نہایت فخر سے اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ اسنے بورڈنگ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ تمام بڑے بڑے کالجوں کے ساتھ بورڈنگ ہیں اور انہیں نہایت کثرت سے طلباء رہتے ہیں۔ لیکن یہ التزام ہے کہ خوراک کا لباس۔ وضع۔ مکان۔ فرنیچر تمام چیزیں ایک سی ہوں اور طالب علموں کی حالتوں میں فرق مراتب کا کوئی شاہد نہ ہو۔ بورڈنگ۔ کاکریہ اور خوراک کی جو فیس لیجانی ہے اسکے ساتھ کپڑوں کے دام بھی لیے جاتے ہیں اور طالب علموں کے کپڑے خود کالج کے اہتمام سے طیار ہوتے ہیں۔ تمام لڑکے تیز اور کرسیوں پر کھاتے ہیں اور ہر چیز میں تکلف۔ صفائی۔ خوش سیلیقی کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فیس کی تعدد کسی کالج میں ہونڈا لاند سے کم نہیں ہوتی۔ اور کتب خانہ

تمام علوم جدیدہ کی تعلیم ترکی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

بورڈنگ کا طریقہ

مین ۴۰ پونڈ یعنی چھ سو روپیہ سالانہ ہے۔

ترکون کی یہ عجیب قابل قدر فیاضی ہے کہ باوجود زیادتی فیس۔ کے غربان کا بھون کے فیض سے محروم نہیں ہین۔ ہر کالج مین غریب طالب علموں کی معتد بہ تعداد ہے اور دو لقمند ترکون کی طرف سے انکو اس قدر امداد و سہا جاتی ہے کہ وہ کالج کے تمام مصارف ادا کر سکتے ہین۔ مکتب سلطانی جبکی فیس ۴۰ پونڈ سالانہ ہے اُس مین ۲۰۰ طالب علم غریب اور کم مقدور ہین۔ ان مین سے ڈیڑھ سو طالب علموں کی فیس اُمر اور اراکین حکومت ادا کرتے ہین۔ اور سچاس کی۔ سلطان انبی جیب خاص سے عطا فرماتے ہین۔ اس کا یہ اثر ہے کہ کالج کے احاطہ مین جا کر کوئی شخص کسی طرح تمیز نہیں کر سکتا کہ فلاں طالب علم غریب اور کم مقدور ہے۔ طالب علموں کی یکساں حالت۔ ان مین اتحاد اور قومیت کا نہایت قوی خیال پیدا کرتی ہے۔ اور غریب کو اعلیٰ درجہ کی معاشرت کا حاصل ہونا۔ ان مین حوصلہ مندی اور بلند نظری کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے کالجوں مین یہ بڑی کمی ہے کہ کم مقدور لوگوں کو انکی فیاضی سے چنداں فائدہ نہیں پہنچتا۔ ترکون نے اسی نقصان کا تدارک کیا ہے اور نہایت خوبی سے کیا ہے۔

بورڈنگ کا یہ طریقہ دیکھ کر مجھ کو اپنا مدرسۃ العلوم یاد آتا تھا اور مین اُسکے بورڈنگ کے اختلاف مراتب پر افسوس کرتا تھا لیکن میرا افسوس حقیقت مدرسۃ العلوم کی حالت پر نہ تھا۔ بلکہ قوم کے اُن بزرگوں پر تھا جنکو خدا نے دولت اور مقدور دیا ہے لیکن یہ توفیق نہیں دی کہ اپنی فیاضی سے اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری تعلیم گاہ مین غربا و اہل مقدرات ایک ہی بلند سطح پر نظر آئیں مین علانیہ کہتا ہوں کہ ہمارے قومی کالج مین جو چیز سب سے زیادہ ضروری

اور نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تمام طالب علموں کا لباس - وضع - خوراک - مکان -
فریخت - کلاچہ ایک کر دیا جائے - اور جو مختلف سطحیں آج کالج میں قائم ہیں بالکل مٹا دی جائیں -
اگر یہ نہیں تو کالج میں قومیت کی روح نہیں -

یہاں کالجوں اور اسکولوں میں ایک اور وجہ پیش ہے اور نہایت مفید اور موثر ہے - وہ یہ کہ
ہر طالب علم کے کوٹ کے گریبان پر سنہری کلابتون میں اُس کالج یا اسکول کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے
جس میں وہ تعلیم پاتا ہے - کلابتون کے حرفت اچھے رہے اور اعلیٰ درجہ کے خط نسخ کے
مطابق ہوتے ہیں - چار سبجے کے قریب کالجوں اور اسکولوں کے گزر گاہوں پر جلاؤ تو عجیب
و نفرب سی نظر آتی ہے - غول کے غول لڑکے مدرسوں سے نکلمر متدد وصفون میں تقسیم
ہو جاتے ہیں اور اس ترتیب اور انتظام سے چلتے ہیں کہ گویا باقاعدہ فوج جا رہی ہے - لڑکوں
کا سرخ و سپید رنگ اس پر سیاہ کوٹ اور کلابتون کے گریبان پر کالجوں کا زرین طغرا اس قدر خوشنما
معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے -

اس طریقہ سے علاوہ مزید وزینت اور شان و شوکت کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم
سیر و تماشہ کی غرض سے بازار میں نکلتے ہیں تو کوئی نامناسب حرکت نہیں کر سکتے - کالج کا لباس
جس کا ہر وقت پہننا لازمی ہے پہنچتا دیتا ہے کہ وہ طالب علم ہر حال میں خواہ مخواہ انکو کالج کے
ناموس کا لحاظ کرنا پڑتا ہے - اس سبب اگر کوئی لڑکا کسی نادار و صحبت میں شریک یا کسی بیہودگی کا مرتکب
ہو تو بولس میں پڑا اسکول کالج یا اسکول میں پہنچا ایسا گمان وہ تعلیم پاتا ہے -

یہاں کے بورڈنگ سسٹم میں بظاہر ایک نقصان معلوم ہوتا ہے - وہ یہ کہ الگ الگ

طالب علموں کا
لباس -

ایک ایک کہہ
سب طالب علموں
کا رہنا -

کمرے نہیں ہوتے بلکہ پچاس پچاس ساڑھ ساڑھ لڑکوں کے لیے ایک بڑا ہال ہوتا ہے
 جس میں انکی تعداد کے موافق پلنگ بھیجے ہوتے ہیں۔ ہر پلنگ کے سر ہائے ایک چوٹی سی
 الماری ہوتی ہے جس میں معمولی کپڑے اور کتابیں آجاتی ہیں۔ میں نے اول اول یہاں کے
 بورڈنگ دیکھے تو فی الجملہ انکی حقارت کا خیال پیدا ہوا خصوصاً اسوج سے کہ راستہ العلوم کے
 پڑتکلف اور آراستہ کمرے میرے آنکھوں کے سامنے تھے۔ لیکن زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا
 کہ یہ طریقہ فائدہ سے خالی نہیں۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی اصل وجہ کثرت آبادی اور کافی
 زمین کا نہ میسر آنا ہے۔ لیکن ان فوائد کے لحاظ سے جو بغیر اس خاص طریقہ کے حاصل نہیں ہو سکتے
 اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ قصد ایسا کیا گیا ہے اور ایسا ہی مناسب تھا تو کچھ بجا ہوگا

اس طریقہ سے جو نایہ تغیر کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام بورڈروں کی روزانہ زندگی کیسانوں
 پر قائم کی گئی ہے۔ مثلاً صبح ہوئی اور چکیا روں نے (جو تمام رات سونے کے کمرہ میں ٹھہرا
 کرتے ہیں) تمام بورڈروں کو جگا دیا۔ دیوار میں لڑکوں کی تعداد کے موافق ٹونٹیاں لگی ہیں اور
 انکے نیچے پکی نالی بنی ہے۔ تمام لڑکے وہاں جا کر ایک ساتھ بیٹھ گئے۔ لڑکوں کے ایک ساتھ
 آجانے کا استقراء التزام ہے کہ بعض بعض کالجوں میں ایک کل ہے جسکے پہرانے سے تمام لڑکے
 کا منہ ایک ساتھ کھلتا ہے جب تمام لڑکے آجاتے ہیں تو نوکراس کل کو بھراتا ہے اور وقت
 مقررہ کے گزرنے پر بند کر دیتا ہے اگر کوئی لڑکا دیر کر کے آئے تو اسکو واپس جانا ہوگا۔ کیونکہ
 صف ایک شخص کے لیے بہت سایانی رائگان نہیں کیا جاسکتا۔ ہاتھ منہ دھو کر تمام لڑکے
 ریڈنگ روم میں (جو کتب بینی کے لیے مخصوص ہے) اور جہاں ایک نگران معلم موجود رہتا ہے

تمام بورڈروں کی
 کیسان معاشرت

جا کر پنجون پڑھیں گے اور سبق کے یاد کرنے یا مطالعہ کے دیکھنے میں مصروف ہوے۔ تمام طالب العلم ایک ساتھ اُٹھ کر کھانے کے کمرہ میں گئے۔ کھانے کے بعد کالج کی گھنٹی بجی اور سب کالج کے کمرہ میں جا بیٹھے۔ رات کو بھی تمام طالب علم ایک ہی کمرہ (ریڈنگ روم) میں پڑھتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے تو سب ساتھ اُٹھ کر سونے کے کمرہ میں چلے جاتے ہیں غرض سو کر اُٹھنا۔ ہاتھ منھ دھونا سبق مطالعہ کرنا کھانا کھانا کھینا۔ نماز پڑھنا اور اس کے دن کو اپنے اپنی پلاننگ پر جا کر پڑھنا یہ سارے کام تمام طالب العلموں کو ایک ساتھ کرنے پڑتے ہیں۔ اس طریقہ سے حفظ اوقات کی عادت ہوجاتی ہے اور رفتہ رفتہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس طریقہ کے لیے ضرور ہے کہ ایک ایک کمرہ میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ طالب العلم کے رہنے کا انتظام کیا جائے ورنہ الگ الگ کمرہ میں تمام کاموں کے ایک ساتھ انجام پانے کا سیطرہ انتظام نہیں ہو سکتا۔ ہمارے کالج میں ظہور حسین وارڈ جو ابھی قائم ہوا ہے اسی اصول پر قائم ہوا ہے۔

تعلیم کی وسعت اور ترقی کے متعلق اگرچہ یہ کچھ اہتمام ہے تاہم چونکہ نئے طریقہ تعلیم نے خال میں رواج پایا ہے اس لیے ابھی بہت سی باتوں کی کمی ہے۔ جس کی نسبت امید ہے کہ رفتہ رفتہ پوری ہو جائیگی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کالج بلکہ تمام شہر میں کوئی لائبریری کتب اور علمی انجمن نہیں ہے۔ اس لیے طالب علموں کو تقریر کے ملکہ ہم پہنچانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کا بھون کے ڈگری یافتہ مجمع عام میں کسی مضمون پر لکچر یا اسپچ نہیں دے سکتے۔ اسی کا یہی اثر ہے کہ تعلیم یافتہ کردہ میں ابھی تک وہ زندہ دلی۔ آزاد خیالی۔ حوصلہ مندی۔ بلند نظری۔ نہیں پیدا ہوتی ہے جو نئی تعلیم کا لازمہ ہے۔

بہترین اہلی
غرض باتوں کی

ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ کالجوں اور بڑے بڑے اسکولوں کا وجود اور اختلاف کی شہرت
تک محدود ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں اگرچہ کثرت سے مدرسے قائم ہو گئے ہیں لیکن
وہ عموماً ابتدائیہ اور رشدیہ یعنی اوسط درجے کے مدارس ہیں۔ جہاں تک میری واقفیت ہے۔
بیروت۔ دمشق۔ حلب۔ بیت المقدس۔ میں ایک بھی ایسا علمی مدرسہ نہیں جیسے کالج کا
لفظ صادق آئے۔

اس سے بڑھ کر یہ فہم ہے کہ قسطنطنیہ کے تمام کالج اور دارالعلوم جہاں میں نے ذکر کیا حکومت
کی طرف سے ہیں۔ قوم نے ابھی تک اس طرف کچھ توجہ نہیں کی ہے۔ یعنی اتنی بڑی دارالسلطنت
میں ایک بھی قومی کالج نہیں۔ کوئی گورنمنٹ گولڈن لیڈی ہسپتال اور ولیمس ہسپتال کی
علمی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ اور پو بھی توجہ نہ ملے۔ جس قوم کی تمام ضرورتیں
گورنمنٹ انجام دیا کرتی ہے اسکی دماغی اور روحانی قوتیں مردہ اور بیکار ہو جاتی ہیں۔ یورپ
میں جو عظیم الشان علمی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر قوم کا حصہ ہے انگلستان
کی مشہور یونیورسٹیاں کیسیرج اور آکسفورڈ۔ قومی ہی کوششوں سے قائم ہوئی ہیں اور
اس وقت تک انہوں نے گورنمنٹ کا زیر بار احسان ہونا منظور نہیں کیا ہے۔

اس اجالہ ریپورٹ کے بعد ہم بعض بعض کالجوں کا تفصیلی حال لکھتے ہیں۔

مکتبہ بریہ

یہ بہت بڑا کالج بلکہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے جس پر ترکوں کو فخر ہے اور حقیقت وہ اس
فخر کا مستحق ہے۔ اگرچہ عربی تعلیم اصطلاحی تعلیم کے مفہوم سے کس قدر الگ ہے اور اس لحاظ سے

ترقی تعلیم کے ذیل میں مکتب حربیہ کا ذکر کرنا بظاہر موزوں نہ تھا لیکن اس کالج میں حربی علوم کے علاوہ طبعیات، کیمیا، ریاضی اور بالخصوص طب کی تمام شاخوں کی تعلیم اس حد تک ہوتی ہے کہ ہم اس کو اصطلاحی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں کہہ سکتے۔ یہ کالج ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود نے قائم کیا تھا۔ اس زمانہ کی یہ نسبت عمارت میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے اور نصاب تعلیم تو انقدر وسیع اور اعلیٰ ہو گیا ہے کہ گویا وہ کالج ہی نہیں رہا۔

اس کالج کے ماتحت جب قدر حربی مدارس میں انکی تعداد (۳۷) ہے جن میں (۱۸) اعدادیہ ہیں اور (۲۷) رشتہ جینین کل ۹۲۲۵ طالب علم پاتے ہیں تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی۔

قسم مدرسہ	مدارس پائے تخت		مدارس اضلاع	
	بوڈر	غیر بوڈر	بوڈر	غیر بوڈر
اعدادی	۱۰۶۹	.	۷۴۵	.
رشتہ	۱۵۵	۲۴۲۵	۱۲۸	۲۲۲۵

یہ کالج (مکتب حربیہ) بڑی عظمت و شان کا کالج ہے۔ اگرچہ قسطنطنیہ میں عام دستور ہے کہ سکرٹری مدرسہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی مدرسہ کے احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کالج میں اور بھی زیادہ اہتمام اور روک ٹوک ہے۔ میں نے جب اسکی سیر کا قصد کیا تو لوگوں نے کہا کہ اسکے لیے ارادہ سنہ یعنی خود سلطان کی اجازت درکار ہے۔ اگرچہ

ممکن تھا کہ عثمان پاشا جسے اس زمانہ میں مجھ کو شرف ملازمہ حاصل ہو چکا تھا مجھ کو
 باسانی اجازت دلا دیتے لیکن میں نے اس کام کے لیے انکو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔
 حسین حبیب آفندی پولس کمشنر سے بے تکلفانہ ملاقات تھی ان سے تذکرہ کیا بولے
 کہ ”در حریہ مازون نیست“ ”مجبوراً مجھ کو ذاتی کوشش پر بہرہ ور کرنا پڑا۔ اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ
 مکتب حریہ کے سکریٹری ذکی پاشا ہیں جو نہایت لائق اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔
 میں نے خیال کیا کہ بغیر کسی واسطہ کے خود ان سے ملنا چاہیئے۔ شیخ علی ظلیبان نے
 بھی یہی رائے دی۔ چنانچہ ہم دونوں پاشاے موصوف کے مکان پر گئے۔

اتفاق سے وہ باہر جا چکے تھے۔ آدمی نے کہا ذرا ٹھہر جائیے شاید جلد آجائیں۔
 اسی اثنا میں وہ آچپے گاڑی سے اُترنے کے ساتھ انہوں نے ہماری طرف رخ کیا۔

مکتب حریہ کی سیر
 کے لیے ذکی پاشا
 کی ملاقات۔

شیخ علی ظلیبان اور مین دونوں عربی لباس میں تھے۔ اگرچہ میرے سر پر ریشمی عمامہ اور کمربند
 سنہری پیٹی تھی لیکن قفطان اور عبا کی وجہ سے مجموعی طور پر عرب معلوم ہوتا تھا
 پاشاے موصوف کو اس وقت نہایت جلدی تھی۔ سلام علیک کے ساتھ ہی حبیب مین ہاتھ
 ڈالا اور کچھ محیدیان (ترکی سک) نکالیں۔ پہلے تو مجھ کو سخت تعجب ہوا۔ پھر یہ خیال آیا کہ نمودار
 انہوں نے ہلکے عام عربوں کی طرح گداگر سمجھا۔ اس خیال کے ساتھ مجھ کو نہایت رنج اور
 رنج کے ساتھ غصہ آیا۔ میں نے جلا کر کہا۔ شوہذا۔ ما جینا لہذا۔ لسانہم الفقراء۔
 یعنی یہ کیا ہے؟ ہم سیلے نہیں آئے۔ ہم محتاج نہیں ہیں۔ پاشاے موصوف اگرچہ
 عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن ہر وہ کی بیعت اور لہجہ کلام سے سمجھ کہ یا مگر اس کو ناگوار گزارا۔

شیخ علی غلیبان کی طرف متوجہ ہوئے کہ یہ غیظین کیوں ہیں ؟ اور چاہتے کیا ہیں ؟۔
 شیخ علی ٹوٹی ہوئی ترکی بول لیتے تھے۔ میرے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔
 پاشا سے موصوف نہایت شرمندہ ہوئے۔ معذرت کے ساتھ کہا کہ آپ بالاخانہ پر
 چلے گئے ہیں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ بالاخانہ پر چند معزز عہدہ دار جمع تھے۔ انہوں نے نہایت
 احترام کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ معمول کے موافق تہہ آیا۔ ایک ایک سے مزاج پرسی
 ہوئی۔ اُن لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور تحقیقات علمی کی غرض
 سے یہاں آیا ہوں تو اس قدر کرودہ ہوئے کہ ان کے ہر لفظ اور ہر ادا سے شوق اور محبت کا ظہار
 ہوتا تھا۔ نہایت افسوس تھا کہ میں نہ ترکی سمجھتا تھا نہ فرینچ۔ اور وہ ان زبانوں کے سوا اور کسی
 زبان میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ اُٹھ اُٹھ کر میرے پاس آ بیٹھتے تھے اور اظہار محبت کے
 ساتھ افسوس ظاہر کرتے تھے کہ ہم آپ کی زبان نہیں سمجھتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ذکی پاشا نے
 معذرت کے ساتھ کہا ابھی کہ مجھ کو ضروری کام درپیش ہے اس لیے میں خود نہیں آ سکتا۔ لیکن
 میں نے ایک افسر کو حکم دیدیا ہے وہ آپ کو اچھی طرح کونج کی سیر کرادے گا۔ ان صاحب کا
 نام رضا بک تھا اور میرا لاسی کا رتبہ رکھتے تھے۔ پاشا سے موصوف کی معذرت اگرچہ بہانہ
 پر محمول نہیں ہو سکتی تھی۔ واقعی ان کو بہت سے محکمے سپرد ہیں اور تمام دن ان کو دورہ میں گزارنا
 ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کو اپنی حرکت پر سخت ندامت ہوئی تھی اور یہ بھی اُن کے نہ آنے کا
 ایک سبب تھا۔

مجھ کو اس بارے کے معلوم ہونے سے کہ یہاں علماء اور متصوفین جب کسی امیر یا عہدہ دار

سے ملتے ہیں تو اسی غرض سے ملتے ہیں کہ امیض نورانی ہاتھ آئے۔ ذکی پاشا کی
 برگمانی کا رنج تو جاتا رہا لیکن اس فرقہ کے حال پر بہت افسوس ہوا۔ نذر و نیاز کے طریقہ کو بین
 ہندوستان کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا لیکن افسوس یہاں بھی اس سے نجات نہیں۔
 قصہ مختصر۔ رضا بک کے ساتھ۔ پرمکتب حربیہ کو گئے۔ دروازہ پر پہرہ تھا۔ سپاہیوں نے
 فوجی قاعدہ سے سلام کیا۔ اندر داخل ہوئے تو کالج کیا ایک مستقل آبادی تھی۔ رضا بک پہلے
 اپنے خاص کمرہ میں لے گئے۔ وہاں کالج کے اور چند عمدہ دار موجود تھے ان سے تعارف
 ہوا۔ معمول کے موافق قہوہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رضا بک نے کہا کہ کمانے کی گھنٹی بج چکی
 ہے۔ آئے۔ سب سے پہلے آپکو کمانے کے کمرہ کی سیر کرائیں چونکہ اس وقت ڈائٹنگ روم
 (کمانے کا کمرہ) اور اس کے متعلق جو عمارتیں ہیں ٹھکانے سے تعمیر ہو رہی تھیں۔ اسلئے
 کالج کے سلسلہ عمارات کے کسیدہ رفاصلہ پر ایک مکان عارضی طور پر بنالیا گیا تھا اور کالج سے
 اس عمارت تک صاف اور ہموار سڑک طیار کی گئی تھی۔ لڑکے اپنے اپنے کمروں سے ٹھکر
 ڈائٹنگ ہال کو چلے تو عجیب و غریب سمان نظر آیا۔ بائیں بائیں چہرہ چہرہ لڑکوں کی تیس چالیس
 صفیں تھیں اور اس ترتیب و انتظام کے ساتھ جا رہی تھیں کہ گویا باقاعدہ فوج مارچ کر رہی ہے
 وضع اور لباس بالکل ایک سا تھا اور چونکہ تمام لڑکے ترک یا شامی عرقے رنگ و روپ میں
 بھی جہان فرق نہ تھا۔ تعجب یہ کہ اس گروہ کے ساتھ نہ کوئی افسر تھا نہ انگو ہارا نہ معلوم تھا تاہم ہنگامی کوئی حرکت
 ترتیب و انتظام کے خلاف نہ تھی اور شور و غل کا مطلق نام نہ تھا۔ جب ہم کمرے کے اندر داخل
 ہوئے تو تمام لڑکے میز پر بیٹھ چکے تھے ہال نہایت وسیع اور خوبصورت اور چہیت برطانی کا

لڑکوں کا کمانی
 کمرے کو جانا

تھا۔ دو تین قسم کے کہانے تھے اور ترکی طریقہ کے موافق چار چار لڑکوں کے سچ میں ایک ایک قاب تھی۔ چہری کاٹنے نہ تھے۔ صحت پر چمچے تھے۔ لیکن لڑکے کہاتے اس خوش سلیقگی سے تھے کہ نہ کسی کا ہاتھ بھرتا تھا نہ میز کی چادر پر کمین دہتے پڑ سکتا تھا۔ غالباً لڑکوں پر صفائی و پاکیزگی کی سخت تاکید ہے چار پانسو لڑکے جو ہال میں موجود تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کپڑے بدل کر آئے ہیں۔ ہم جید ہرگز رتے بعض بعض لڑکے کھڑے ہو جاتے اور کہتے تفضل یا مولا نا انکے اصرار سے ہم نے دو ایک لقمہ کھایا۔ کہنا بڑا نہ تھا۔ لیکن ہم بندہ دستانی تو رمہ ڈھونڈتے تھے وہ یہاں کہاں؟

نے میں
ن کی صفائی
سلیقگی

کہانے کے کمرہ سے نکل کر تھوڑی دیر تک ہم لوہر اوہر بھرتے ہے یہاں تک کہ کالج کی گھنٹی ہوئی اور لڑکے لکچر روم کو چلے۔

لکچر روم (تعلیم کے کمرے) ہمارے ہندوستان کی قطع کے نہیں ہیں۔ دور تک سید ہی قطار میں بہت سے کمرے ہیں جنکی قطع عام مکانات کی سی ہے۔ پروفیسر ایک بلند چوہرہ پر بیٹھتا ہے۔ بعض بعض چوہڑوں کے گرد لکڑی کا کھڑا بھی تھا رضا بابک اور انکے ساتھ ہم جس کمرہ میں جاتے ایک لڑکا اٹھکر سبق کا لفظ بلند آواز سے کہتا۔ اس آواز کے ساتھ تمام لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرتے۔ معلوم ہوا کہ کالج کا جب کوئی افسر آتا ہے تو لڑکے اس طرح اسکی تعظیم سجالاتے ہیں۔ رضا بابک ہلکوتا م پروفیسر سے انٹروڈوس کراتے تھے۔ لیکن افسوس یہ تھا کہ ہم کسی کی زبان سنیں سمجھ سکتے تھے۔

ر روم۔

حمام۔ چہا پہ خانہ۔ نقاش خانہ۔ اور اس قسم کی بہت سی عمارتیں جو کالج کے احاطہ میں ہیں ہم نے سب کی سیر کی۔ یہ عمارتیں اس کثرت سے ہیں کہ قریباً دو گھنٹہ تک ہم برابر بہرے تب جا کر کمین ختم ہوئیں۔ تشریح کی تعلیم کا مکرمہ نہایت وسیع ہے اور اعمال تشریحی کے سلمان کثرت سے جمع ہیں۔ نقشہ کشی اور مصوری کے جو نمونے میں نے یہاں دیکھے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ چہا پہ خانہ میں ایک ایجاد یہ دیکھی کہ جغرافیہ کا نقشہ بجائے کاغذ کے پتھر پر بنا کر چھاپا جاتا تھا۔ جو نقشہ اس وقت طیارہ پر ہاتھ نہایت گنجان اور بار ایک تھا اور درحقیقت بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا۔

طالب علموں کی تفریح کے لیے ایک خوبصورت حوض بنا ہے جس میں مختلف رنگ کی مچھلیاں بڑی ہیں اور جابجا بنجین اور کرسیان کچی ہیں۔ پروفیسرون اور ٹیچرون کے لیے ذرا فاصلہ پر الگ حوض ہے۔ چونکہ چلتے چلتے تھک گئے تھے ہم نے وہاں دم بٹایا اور دیر تک صحبت رہی۔ رجب آفندی جو ترکی زبان کی انشاء سکھانے پر مامور ہیں اور فارسی زبان جانتے ہیں آخری دورہ میں ہمارے ساتھ ہو لیے تھے۔ ان کے ذریعے سے کالج کے معزز پروفیسرون کا افسرون سے بے تکلف بات چیت ہو سکتی تھی۔ پروفیسرون اور طالب علموں نے مجھ سے جس خوش اخلاقی اور اسلامی محبت کا برتاؤ کیا میں اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا اس بات کا نہایت افسوس رہا کہ جس دن ہم نے کالج کو دیکھا وہ علمی تعلیم کا دن نہ تھا اس وجہ سے فوجی مشقین یعنی قواعد۔ نشانہ بازی۔ شہسواری۔ مورچہ بنانا۔ دوسرے طیار کرنے اور اس قسم کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے۔ ممکن تھا کہ اور کسی دن جا کر دیکھتے لیکن ہماری قیام گاہ سے کالج

پروفیسرون کا
احاطہ۔

اس قدر دور تاکہ بہرمت نہوئی۔

اس کل سچ میں تعلیم کی متعدد شاخیں ہیں۔

(۱) ارکان حربیہ۔ یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور اسکی مدت تعلیم تین برس ہے۔ اسکی دو شاخیں ہیں۔ فنی و عسکری فنی میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ تقسیم اراضی و حیثیت۔ نظریات۔ جبر ثقیل۔ معاری۔ زبان ہائے فریج و جرمن و روس۔ قلعوں کا محاصرہ اور اسکے اصول جنگ۔ فوجی ٹیلگراف۔ وظائف ارکان حرب۔ فوجی ایجادیں۔ عملیات۔ اشکال معاری۔ سفرینا۔ ممالک عثمانیہ کی سرطین اور کل ممالک یورپ کی ریلوے لائنیں۔ فن اسلحہ ثقیلہ۔ علم طبقات الارض۔ یورپ کی فوجوں کی ترتیب۔ اور اصول۔ دنیا کی مشہور لڑائیاں اور فوجی اصول کے لحاظ سے انکی کیفیت وقوع اور فتح و شکست کے اسباب کی تحقیق اقلیدس۔ جبر مقابلہ۔ پلوغرافیا۔ فن اسلحہ خفیفہ۔ کتاب تاریخ فن حرب۔ تصویر کشی۔ فنی میں بھی اکثر یہی مضامین ہیں۔ اسکے ساتھ بعض جدید مضامین بھی ہیں۔ جو مضامین ان دونوں درجوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم رشدیہ واعدادیہ میں ہو چکی ہے۔ ان درجوں میں صفت انکی تکمیل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تین برس میں اس قدر مختلف مضامین کی تحصیل ہو سکتی ہے۔ رشدیہ سے اس درجہ تک کی تعلیم کی کل مدت دس برس ہے۔

(۲) سواری کی تعلیم۔ اسکی مدت تعلیم تین برس ہے اور علاوہ عملی مشقوں کے مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہندسہ رسمیہ۔ پلوغرافیا نظری و عملی۔ زبان ہائے فریج و جرمن و روس۔

ارکان حرب۔
تعلیم کی متعدد
شاخیں۔

سواری۔

کیمیاء - فنِ اسلحہ - فوجی ایجادات - جغرافیاء - عسکری -

(۳) پیادہ - مدتِ تعلیم تین برس - اس میں علامہ علی مشقون کے جغرافیہ فوجی - فنِ اسلحہ - جرمن و فرینچ و روسی زبانیں - فوجی ایجادات - استحکامات خفیہ حفظ الصحتہ کی تعلیم ہوتی ہے -

(۴) ہریط یعنی طب حیوانات - مدتِ تعلیم چار برس - مضامین درسیہ یہ ہیں - علمِ امراض - فنِ ولادت - فنِ فرومیت - امراضِ داخلیہ - امراضِ متولیہ - فنِ جراحی - امراضِ خارجیہ - فرینچ زبان - کتابت - کیمیاء عضوی - مفرداتِ طب - تشریح - منافع الاعضاء - نباتات - علمِ حیوانات - کیمیاء غیر عضوی - علمِ الارض و المعادن - ان چاروں صیفون میں قریباً چھ سو اڑھائی برس تعلیم میں اور انکو سند حاصل کرنے کے بعد حسب مراتب - افسری کے عہدے ملتے ہیں - انکے نیچے اعداد یہ اور رشیدیہ کی کلاسیں ہیں جنکی کل مدتِ تعلیم سات برس ہے اور فرینچ جغرافیہ - حساب - اقلیدس - طبیعیات - کلون کا کام اور اس قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے - کل طالب علم جو اس کالج کی مختلف شاخوں میں تعلیم پاتے ہیں تعداد میں پندرہ سو ہیں جن میں سے ایک ہزار پندرہ ہیں - پروفیسر و اسٹنٹ پروفیسر و ٹیچر ۸۰ ہیں جن میں سے اکثر کالج ہی کے احاطہ میں سکونت رکھتے ہیں - اکثر پروفیسر اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ اور مسافر عہدہ دار ہیں ان میں سے چھ شخص پاشا کا منصب رکھتے ہیں جبکہ یہ نام ہیں - ثروت پاشا - مسکر ٹی - فائق پاشا - پروفیسر کیمیاء عضوی - ہزبر پاشا - پروفیسر تعلیم سواری - تقوق پاشا - پروفیسر طبقات الارض - شاکر پاشا - پروفیسر ارکان حرب - عثمان پاشا - پروفیسر زبان جرمن -

بیٹاری یعنی جانوروں کا علاج

پروفیسر دن اور ٹیچر دن کی تعداد

نو پروفیسرون کو میرا لای کار تہ حاصل ہے۔

مکتب سلطانی

یہ بھی قدیم کالج ہے اور مکتب حریریہ کے بعد تمام کالجوں سے ممتاز ہے۔ یہ غلطہ سرے میں واقع ہے جہاں زیادہ تر یورپین تاجر آباد ہیں اور اسوجہ سے تمام اور کالجوں کی یہ نسبت عیسائی لڑکے اس میں زیادہ ہیں۔

مجھ کو افسوس ہے کہ جس وقت میں نے اس کالج کو دیکھا تعطل کا زمانہ تھا اور جب بند رہتین عمدہ دارون یعنی سکریٹری اور نائب سکریٹری وغیرہ کے اور کوئی افسر موجود نہ تھا۔ کالج کی عمارت دو منزلی ہے۔ بورڈنگ اور لکچر روم سب اوپر کے درجہ میں ہیں۔ علم الحیوانات کی تعلیم کے لیے نہایت وسیع کمرہ جسے جمین کشر سے ہر قسم کے مردہ جانور اور بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے ہیں۔ وہیل مجلی کا ڈھانچہ میں نے اس سے پہلے کینن میں دیکھا تھا۔ کیمیا اور الیکٹرکٹی کے تجربوں کے لیے کشر سے بیش قیمت آلات مہیا کیے گئے ہیں۔

یہ بات مجھ کو بہت پسند آئی کہ بیمار بورڈروں کے لیے ایک نہایت وسیع ہال آراستہ ہے جس میں کشر سے پلنگ وغیرہ موجود ہیں اور متعدد خدمتگار ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ اس طریقہ سے ڈاکٹر کو کون کے علاج اور تیمارداری میں آسانی ہوتی ہے وہ ایک ہی وقت میں تمام بیماروں کو دیکھ سکتا ہے ورنہ الگ الگ کمرے ہوں تو ایک ایک بیمار کے پاس پہنچنا اور کافی طور سے انکی پرداخت اور خبر گیری کرنی سخت مشکل ہو۔

اس کالج کا صنف ۱۸ ہزار پونڈ یعنی دو لاکھ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہے لیکن اس میں

غریب طالب علموں کی اس کالرشپ کی رقم بھی شامل ہے۔ طالب علموں کی مجموعی تعداد اٹھ سو ہے جن میں زیادہ تر بورڈ رہین۔ بورڈ رون کی خواہ گاہ کا کمرہ نہایت وسیع۔ شاندار اور خوش فضا ہے۔ بورڈنگ کا جو دستور العمل ہے اس کے چند دفعات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔
(۱) تمام بورڈ رون کی خوراک۔ کپڑے۔ بچھونے۔ کتاب۔ کاغذ قلم وغیرہ کالج کی طرف سے مہیا کیا جائیگا۔

(۲) بورڈ رے۔ ۴ پونڈ سالانہ (چھ سو روپیہ) فیس لیجائیگی۔

(۳) ایسے طالب علم بھی داخل ہو سکتے ہیں جو وٹلٹ یا ایک ٹلٹ فیس ادا کر سکتے ہیں یا بالکل زمین ادا کر سکتے۔ لیکن انکی تعداد معین ہوگی جو ہر سال کے شروع میں ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے نکلے سے استفسار کر کے قرار دیا جائیگی۔ (یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے طلبہ کی بقیہ فیس سلطان اور امرا کے شہر ادا کرتے ہیں اور اس وجہ سے خوراک۔ لباس۔ فوٹیجر وغیرہ کے لحاظ سے انہیں اور ذمی مقدمہ طالب علموں میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں ہو سکتا۔)

(۴) داخلہ کے وقت ہر طالب علم سے کپڑوں کی بابت ۵ پونڈ یعنی دو سو پچیس روپے لیے جائیں گے۔

(۵) وہ طالب علم جو رات کو بورڈنگ میں نہیں رہتے انکی فیس بینل پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ گمٹ نہیں سکتی۔

(۶) غیر بورڈ رون کی فیس۔ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ کم نہیں ہو سکتی۔

(۷) بورڈ رول کو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ پڑھنے کے جائزگی اجازت ملے گی۔ جانے اور آنے کے وقت ایک معتبر ملازم کا ان کے ساتھ ہونا ضرور ہے۔

(۸) کوئی بورڈ رول ایک ہفتہ میں دس قرش (سواروپہ) سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔

تعلیمی حیثیت سے اس کالج میں جو خصوصیتیں ہیں وہ یہ ہیں کہ تمام علوم و فنون فرینچ زبان میں پڑھائے جاتے ہیں اور اسوجہ سے اکثر پروفیسر فرینچ یا جرمن ہیں۔ اسکے ساتھ ترکی زبان کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ عربی و فارسی کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ گو اعلیٰ درجہ کی نہیں۔ باقی زبانیں۔ یونانی۔ ارمنی۔ انگریزی۔ جرمنی۔ اطالین۔ لیٹن۔ درس میں داخل ہیں اور ہر کسی کے پڑھتے ہی ہیں۔ لیکن ان کی تعلیم اختیاری ہے۔ لازمی نہیں۔

ترکی و عربی و فارسی میں علاوہ علم ادب اور قرآن مجید کے جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ عقاید۔ فقہ۔ اخلاق۔ تاریخ دولت عثمانیہ۔ قرأت و تجوید۔ حدیث و تفسیر۔ لیکن قرأت و حدیث و تفسیر کی تعلیم جو تھے برس سے شروع ہوتی ہے۔ اور ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتی ہے۔ فرینچ زبان شروع ہی سے پڑھائی جاتی ہے اور اختتام تعلیم یعنی سات برس تک برابر جاری رہتی ہے۔ نحو۔ صرفہ۔ ادب کے ساتھ۔ اصول انشا نگاری و فن بلاغت اعلیٰ درجہ تک پڑھایا جاتا ہے اور مضامین قبل کی تعلیم بھی اسی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ حساب۔ جبر مقابلہ۔ جغرافیہ۔ ہندسہ۔ کیمسٹری۔ علم الحیوانات۔ طبیات۔ علم النبات

الکٹر سٹی۔ علم الاصوات۔ علم طبقات الارض۔ رسم ہندی۔ رسم تقلیدی۔

پروفیسرون اور پچرون کی مجموعی تعداد ۷۴۷ ہے جن میں ۲۶ جرمنی اور شیخ اور باقی ترک ہیں۔

پروفیسرون اور
پچرون کی تعداد۔

حقیقت یہ ہے کہ وسعت عمارت۔ فراہمی آلات علمی۔ وسعت تعلیم۔ اور خوبی انتظام کے لحاظ سے تمام قسطنطنیہ میں اس سے عمدہ ترکوئی کالج نہیں ہے۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ اسکی اعلیٰ کلاسوں میں تعلیم پانیوالے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے شیخ عبدالفتاح آفندی نے مجھ کو سال روان کی رپورٹ نتیجہ امتحان غایت کی تھی اس میں جب قدر اعلیٰ درجہ کے امتحانات پاس کر نیوالے ہیں اکثر عیسائی ہیں۔ مجھ کو خدا خواستہ عیسائیوں کی ترقی پر حسرت نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے تنزل کا بچ ضرور ہے۔

مکتبہ ملیکہ

یہ کالج جو بیان کا سول سروس کالج ہے خاص سلطان کا قایم کردہ ہے اور حضرت ممدوح کو اس کی طرف التفات خاص ہے چنانچہ دو بار بنفس نفیس اس کے ملاحظہ کو تشریف لائے ہیں۔

پہلے اس میں پانچ درجے تھے تین ادنیٰ اور دو اعلیٰ۔ اس لحاظ سے کل مدت تعلیم پانچ برس تھی لیکن تعلیم کے ہائی اسٹینڈرڈ کے قایم کرنے کے لیے دو درجے اور بڑھائے گئے ہیں اور کل مدت تعلیم سات برس قرار دی گئی ہے۔ اس کالج میں فرنگ کے ساتھ یونانی اور آرمینی زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ عربی و فارسی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے لیکن لازمی

مکتبہ ملیکہ۔

ابن جنکی تعلیم
بین دہل

نہیں۔ مضامین جنکی تعلیم ہوتی ہے یہ ہیں۔ تاریخ جغرافیہ۔ الکسٹری وغیرہ۔ طبیعات۔
بولٹیکل اکونمی۔ اصول قانون۔ یورپ کے قوانین۔ ان تمام مضامین کی تعلیم نہایت اعلیٰ اور چہرہ
ہوتی ہے۔ تاریخ کا کورس مین نے خود دیکھا چونکہ ضخیم جلدوں میں تھا۔ اس کالج کے
تعلیم یافتہ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیے جاتے ہیں چنانچہ ۲۰۰ سے زیادہ
اس وقت تک ملکی عہدوں پر مقرر ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض بعض نہایت
بلند رتبہ کے عہدہ دار ہیں۔ طلباء جو اس وقت کالج میں تعلیم پا رہے ہیں انکی تعداد ۶۰۰ سے
زیادہ ہے۔

بعلوکی تعداد

میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کے نیچر جو ایک معزز رنگ ہیں اگرچہ عربی
نہیں سمجھتے لیکن چونکہ ترجمان میرے ساتھ تھا بے تکلف گفتگو ہو سکتی تھی۔ یہاں کے
کالجوں میں مین نے یہ بات عموماً دیکھی اور مجھ کو بہت پسند آئی کہ مینچر معزز رتبہ کا
آدمی ہوتا ہے۔ اور اسکی طرز معاشرے سے عزت و شان ظاہر ہوتی ہے۔ ان نیچر صاحب
کا کمرہ بھی حسب معمول مرتب اور آراستہ تھا۔ مین جب وقت کالج میں پہنچا چٹھی کا گھنٹہ تھا اور
لڑکے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب لڑکے کلاسوں میں آگئے
تو مینچر صاحب نے مجھ کو کالج کے تمام کمرہ کی سیر کرائی۔ کہانے کا کمرہ نہایت خوش سیلفی
سے مرتب تھا میز پر نہایت صاف چادر بچھی تھی۔ اور کہانے کے پر تکلف برتن خوبصورتی کے
ساتھ چنے تھے۔ صراحیان جو طالب علموں کی تعداد کے موافق تین عوامائیشے کی تھیں اور گویا
میز کی آرائش کا کام دیتی تھیں۔ گیمسٹری وغیرہ کی تعلیم کے کمرہ میں اعلیٰ درجہ کے آلات تھے

بکرہ کا صفائی
سنگی۔

اور کثرت سے تھے۔ اسی سلسلہ عمارت میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اسکی عمارت چندان قابل ذکر نہیں۔ لیکن چونکہ اندر باہر نہایت اعلیٰ وجہ کاٹڑکی قالین بچایا ہوا تھا۔ خوبصورت اور زمین معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف دیوار چرخہ نسخ کا ایک عمدہ قطعہ آویزان تھا۔ دریا سے معلوم ہوا کہ سلطان عبدالعزیز خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ خط ہے۔

اسی اثنا میں ظہر کا وقت آگیا مسلمان لڑکوں نے (عیسائی طالب علم بھی بیان کچھ کم نہیں ہیں) نماز کی طیاری کی وہ عموماً کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے اور اس لباس میں انکا ادب اور متانت کے ساتھ وضو کرنا اور وقار و احترام کے ساتھ قطار و قطار مسجد کو جانا میرے دل پر عجب اثر کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر مذہبی اثر سے آزاد ہو کر ترقی کرین تو اسی ترقی سے منزل ہزار درجہ بہتر ہے۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی ہوتا رہا لیکن بہت کم لڑکے اس میں شریک تھے۔

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ترکوں میں تعلیم کا آغاز سلطنت کے ساتھ ساتھ ہوا۔ یہ وہی تعلیم تھی حکومت آج قدیم تعلیم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بے شبہ کسی زمانہ میں وہ اعلیٰ درجہ پر تھی جنانچہ افضل الدین خونچی۔ علامہ قوشچی۔ چلبی۔ خواجہ زادہ۔ حاجی خلیفہ وغیرہ کی تصنیفات آج تک اسکی یادگار ہیں لیکن موجودہ تعلیم پسندی کی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہمارے ہندوستان کی تعلیم غنیمت ہے۔ اس سفر میں جس چیز کا تصور میری تمام سرتون

قدیم تعلیم اور
مدارس قدیمہ

اور خوشیوں کو برباد کر دیتا تھا وہ اسی قدیم تعلیم کی ابتری تھی۔ یہ مسئلہ آج کل ہندوستان میں بھی چڑا ہوا ہے اور تعلیم قدیم کی ابتری پر عموماً رنج اور افسوس کیا جاتا ہے لیکن میرا افسوس دوسری قسم کا افسوس تھا۔ ہمارے ملک کے نئے تعلیم یافتہ۔ چُرانی تعلیم پر چور رنج اور افسوس ظاہر کرتے ہیں وہ درحقیقت رنج نہیں بلکہ استہزا اور شتم ہے۔ میں اگرچہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں تاہم چُرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کے لیے چُرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہے۔ اسکے ساتھ جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تعلیم جس طریق سے جاری ہے وہ بالکل بے سود اور بے معنی ہے تو خواہ مخواہ نہایت رنج ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تو اس خیال سے صبر آجاتا تھا کہ جو چیز گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں نہو اس کی بے سرو سامانی قدرتی بات ہے۔ لیکن قسطنطنیہ۔ شام۔ مصر میں یہ حالت دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔

قصہ مختصر قدیم تعلیم کا بیان کثرت سے رواج ہے اور چونکہ اس قسم کے طالب علم اپنی وضع و لباس سے صاف پہچانے جاتے ہیں ایسے مسجدوں اور عام گرد گاہوں میں ان کی سے انکی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھے کہا کہ خاص قسطنطنیہ میں انکی تعداد بیس ہزار سے کم نہیں ہے۔ انکی بسراوقات کا جو طریقہ ہے وہ نہ صرف افسوسناک بلکہ حیرت انگیز ہے۔ بیان کے تمام مدارس (قدیم) میں تین تین عینے کی متصل تعطیل ہوتی ہے جب کا آغاز رمضان المبارک سے ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں تمام طلباء قسطنطنیہ سے ~~ایک~~ ^{ایک} جاتے ہیں اور دیہات اور قصبہات میں ہرگز کوآہ تحصیل کرتے ہیں۔ یہ زکوٰۃ انکی

بالعلمونکی
مدار۔

علمون کی
تہ کا طریقہ

سال بہر کی معاشش ہے۔ بعض بعض مدرسوں میں اور وہ خال خال ہیں کچھ روٹیاں بھی مقرر
ہیں لیکن کپڑے وغیرہ کا مطلقاً کوئی بندوبست نہیں۔ رہنے کے لیے مدرسوں کے
حجب کر ہیں جو نہایت مختصر اور تنگ و تاریک ہیں۔

مدرسوں کی قطع یہ ہے کہ چوٹا سا صحن اور اُس کے تین طرف چوٹے چوٹے حجب کر ہوتے
ہیں۔ صحن میں ستواؤں ہوتا ہے جہاں بیٹھ کر وضو کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مدرسے جو
سلاطین (محمد فاتح و سلیمان وغیرہ) نے بنوائے تھے اور آج تک قائم ہیں اُن کے
حجب کر وسیع اور ہوادار ہیں لیکن اور تمام مدرسوں کے حجب کر ایسے مختصر اور بند ہیں کہ
اندر جاتے ہوئے دم گھٹتا ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے جمہور ترکوں کی علمی فیاضی کا
اعتراف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر چند کم حیثیت سہی تاہم آج سیکڑوں علمی یادگاروں کا وجود
تو ہے اور انصاف یہ ہے کہ یہ مدرسے جس زمانہ کی یادگار ہیں اس وقت کی تہذیب و
تمدن کے لحاظ سے ناموزون بھی نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں تو اس وسعت اور
فراخی کے ساتھ کہ بجائے خود ایک اقلیم ہے حکومت اسلام کی ششصد سالہ مدت کی ایک
علمی یادگار بھی موجود نہیں۔

تعلیم قدیم کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ تعلیم کا اسٹیڈیڈ رٹ نہایت چھوٹا
رکھا گیا ہے۔ علم ادب کا پتہ نہیں۔ منطق و فلسفہ میں ایسا غوجی اور شہیہ انتہائی کماتین
ہیں۔ صحاح ستہ شاید ہی کسی مدرسے میں پڑائی جاتی ہو۔ معانی و بلاغت و اصول فقہ کا بھی
یہی حال ہے فقہ پر البتہ بہت کچھ توجہ ہے لیکن اس کی تعلیم بھی مجتہدانہ نہیں بلکہ نہایت

عامیانہ اور مقلدانہ ہے۔ بعض بعض مولویوں سے میری ملاقات تھی وہ ایسی جڑی اور عام مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے کہ مجھ کو تعجب اور افسوس دونوں ہوتا تھا۔

ترکوں کی علمی حالت

اسلام نے دنیا کے جن حصّوں پر حکومت کی وہاں کی ملکی زبان اگر بالکل سٹ نہیں گئی تو اتنا ضرور ہوا کہ علمی حیثیت کا منصب اُس سے چھین کر عربی زبان کو ملگیا۔ ہندوستان فارس۔ اسپین۔ افغانستان۔ کی ملکی زبانیں اگرچہ بالکل مختلف تھیں لیکن علمی زبان ہر جگہ عربی ہی رہی اور اب بھی ہے۔ ترک بھی اس عام اثر سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ لیکن اس خصوصیت میں انکو تمام اسلامی قوموں میں امتیاز حاصل ہے۔ کہ انہوں نے عربی زبان کی اطاعت کے ساتھ اپنی زبان کو بھی علمی خزانوں سے محروم نہیں ہونے دیا۔ جس زمانہ میں علوم قدیمہ کی حکومت تھی اُس زمانہ میں ترکی زبان میں ان علوم کا پورا سلسلہ موجود تھا اور اب بھی ہے۔ میں نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ تاریخ ابن خلدون۔ طبری۔ ابن خلکان۔ مقرریری۔ وغیرہ جو نہایت ضخیم کتابیں ہیں اور جنہیں سے بعض سات جلدوں میں ہیں ترک میں سب کا ترجمہ موجود ہے۔ بخلاف اسکے فارس و افغانستان میں اسکی ایک نظیر ہی نہیں مل سکتی۔ ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ۔ ترجمہ شدہ کتابوں کا ذکر کیا جائے تو ایک بڑی فہرست طیار کرنی ہوگی۔

میں نے ایک ترک دوست نے جو متعدد زبانوں کے ماہر ہیں مجھے بیان واقعہ کے طور پر

سلی
--

نہیں
زنج

(نہ مخزیہ) بیان کیا کہ فریخ زبان کی تاریخین - ڈرامے - ناول - سفرنامے - کتب انشا و بلاغت اس کثیر سے ترکی میں ترجمہ ہو گئی ہیں کہ یکساں کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہے۔ علوم و فنون جدیدہ کی بھی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں اور اسی کا اثر ہے کہ ترکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانہ کے ان علوم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے۔

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں۔ علوم و فنون جدیدہ کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور کالجوں اور اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عمدہ مستقل تصنیفات ہیں نہ ترجمے۔ مجھ کو استقدر فرصت اور موقع تو کمان مل سکتا تھا کہ تمام جدید تصنیفات سے واقفیت حاصل کرتا۔ البتہ اپنے مذاق کے موافق تاریخ و حال کی کتابیں دیکھیں گی

بنابراین کہہ سکتا ہوں کہ عربی کے بعد ایشیا کی کسی زبان میں استقدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے اسکو عربی پر ترجیح حاصل ہے۔ عربی زبان میں جسقدر تاریخین ہیں سادہ واقعات کا مجموعہ ہیں اور حقیقت کو شش و اہتمام ہے صرف اصول و روایات کے متعلق ہے۔ بخلاف اسکے ترکی تاریخین ان اصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفہ تاریخی کے اصول ہیں اور جسکی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے۔ مکتب ملکیہ میں تاریخ کی کتاب جو درس میں داخل ہے میں نے اسکو اجمالی طور پر دیکھا تمام واقعات میں علت و اسباب کا سلسلہ ملحوظ رکھا ہے اور جایجا محاکمہ اور تحقیق و تنقید کی ہر اسکے ساتھ ہر عہد حکومت کے خاتمہ پر اس عہد کی تمدنی - اخلاقی - علمی - حالت تفصیل کے

ترکی میں تاریخی

تصنیفات -

ساتھ دکھائی ہے۔

بیوگرافی کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے جس کا نام شاہیر رجال ہے۔ مشہور اہل کمال

بیوگرافی - یعنی
رجال و تراجم۔

کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ سلسلہ

نا تمام چھوڑ دیا گیا اور نہ نہایت مفید مجموعہ ہوتا۔ ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلو پیڈیا آج

کل زیر تصنیف ہے جس کا نام قاموس الاعلام ہے۔ اس میں رجال کے علاوہ مشہور شہر و ن

قاموس الاعلام

اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔ عربی اور فرنگی وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب

میں مدد لی گئی ہے ان کی فہرست اس کے ساتھ شامل ہے۔ میں نے عربی کتابوں کے نام چڑھے

نہایت نایاب اور مستند کتابیں ہیں اور قسطنطنیہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتیں

یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر ہے اور اس وقت تک ترتیب پہنچی ہے۔

تاریخ کے ساتھ جغرافیہ کو بھی نہایت ترقی ہے۔ کثرت سے مفید کتابیں لکھی

جغرافیہ کی ترقی

گئی ہیں۔ مجموعی دنیا اور الگ الگ آبادیوں کے بڑے بڑے نقشے اس کثرت سے کیا

کئے گئے ہیں کہ یورپ کے بعد شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوں۔ یہ نقشے نہایت باقاعدہ۔

خوبصورت۔ اور موزون ہیں اور یورپ کے طیار شدہ نقشوں سے کسی بات میں کم نہیں۔ ترکوں

کو اس فن سے خاص دلچسپی ہے۔

ترکی تصنیفات کی کثرت کا کافی معیار میں نہیں بتا سکتا لیکن ایک دفعہ شہرہ تعلیم کے

ترکی تصنیفات

دفتر میں اجمالی طور پر ان کتابوں کی فہرست دیکھی جو خاص قسطنطنیہ میں صرف ایک مسند

کی کثرت۔

کے عرصہ میں شائع ہوئیں۔ ان کا شمار دودھزار کے قریب تھا۔ اگرچہ اس میں ازبکی۔ یونانی۔

فرنج اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی تھیں۔ لیکن زیادہ حصہ ترکی تصنیفات کا تھا۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان میں ناول اور ڈرامے زیادہ تھے اور یہ وہی بلا ہے جو ہمارے کج بخت ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔

ترکی کے لٹریچر نے بھی نہایت ترقی کی ہے اور یہ عجیب بائیس ہے کہ وہ بہت سی خصوصیتوں میں ہماری اردو کی مشابہ ہے۔ ترکی کا قدیم لٹریچر قدیم اردو کی انداز پر۔ رنگین۔ پرتکلف۔ استعارات سے مملو۔ اور قوافی کا پابند تھا۔ لیکن اب نئی اردو کی طرح سادگی صفائی بر جستگی۔ کا لحاظ کیا جاتا ہے اور نئی تصنیفات بالکل اسی طرز پر لکھی جاتی ہیں۔ اس نئی طرز کے موجد یا استاد کمال بی۔ حامد بی۔ پروفیسر ناجی وغیرہ ہیں۔ میں نے جب ترکی پڑھنی شروع کی تو قدیم تصنیفات کے پڑھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن میرے اچانک نے جو میرے استاد بھی تھے کہا کہ قدیم و جدید ترکی میں آسمان و زمین کا فرق ہے اور قدیم زبان کا سیکھنا نئی زبان کے لیے کافی ہو گا۔ پروفیسر وٹبری نے اپنے لکچر میں جو انہوں نے ترکوں کی موجودہ شائستگی پر دیا ہے قدیم و جدید ترکی کا موازنہ کر کے موجودہ زبان کی دلاویزی صفائی سادگی کا تعجب کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔

ترک مصنفوں میں جو آج کل زیادہ نامور اور ممتاز ہیں انکے یہ نام ہیں۔ احمد مدحت۔ جودت پاشا۔ پروفیسر ناجی۔ ابوالضیا۔ سامی۔ علی نصرت۔ پروفیسر ناجی شاعر ہیں اور گویا پایہ تخت کے شاعر ہیں۔ ملک الشعراء کا بیان کوئی عمدہ نہیں ہے ورنہ لقب انہی کو ملتا تاہم انکو پایہ تخت کا شاعر خیال کیا جاتا ہے۔ احمد مدحت۔ بہت بڑا مصنف ہے۔

اسنے ترکی حکومت کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے جو بارہ جلدوں میں ہے اسلام پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں انکے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے اور مدافعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے وہ ترکی۔ فارسی عربی کے علاوہ پنج زبان میں کمال رکھتا ہے۔ یورپ میں جو اور نیٹیل کانفرنس قائم ہے اسکے متعدد اجلاسوں میں ترکی کی طرف سے وہ دکیل مقرر ہو گیا اور اسٹاک ہالم کی کانفرنس میں عربی فارسی وغیرہ کی ڈپلومٹسٹ کی افسری اسی کو دی گئی۔

جو دت پاشا نہایت معزز شخص ہیں اور جلسہ وزراء کے ایک ممبر یعنی وزیر اور یاد میں۔ ان کا سن ساٹھ ستر کے قریب ہے اور چونکہ عمر ہونے کے ساتھ ضعیف الجشتہ اور خفیف بھی ہیں۔ جلسہ وزراء میں کم شریک ہوتے ہیں۔ انکی تصنیفات میں سے قواعد عثمانیہ جو ترکی نحو و صرف میں ہے درس میں داخل ہے۔ میں ان سے ملاتا تھا۔ دیر تک صحبت رہی۔ عربی و فارسی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ مجھے عربی میں باتیں کرتے ہیں۔ بڑی تعریف یہ ہے کہ باوجود دو ہفتہ کی وزارت کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر علمی اشتغال میں مصروف رہتے ہیں۔

ترکی طرہ سچ کے ذکر میں اخبارات و ماہوار رسالوں کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے کیونکہ آج کل یہ چیزیں طرہ سچ کا ایک بڑا جزو خیال کی جاتی ہیں۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے ترکی طرہ سچ پستی کی حالت میں ہے۔ ترکی زبان کے اخبار تعداد میں تو بڑے نہیں ہیں بہت سے اخبار روزانہ ہیں اور بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں۔ عبارت بھی بہت سادہ

اور شستہ ہوتی ہے۔ اخبار کا مذاق بھی تمام ملک میں پھیل گیا ہے۔ بہت سے قوموں نے
اخباروں کے لیے مخصوص مہینے جہاں ہمیشہ کثرت سے اخبارات موجود رہتے ہیں۔ اور ان کو جو
ان کو قوموں نے کے بجائے قرات خانہ کہا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن جو چیز اخبار کی جان ہے یعنی آزادی اس کا سر سے جو نہیں
تمام اخبارات میں بجز سرکاری احکام اور معمولی خبروں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا یہ نتیجہ ہے
کہ ترکی زبان پولیٹیکل طرز تحریر اور زبردست دلال سے بالکل محروم ہے۔ اور حقیقت یہ
ہے کہ جس زبان میں آزادی کا عنصر نہ ہو اس میں رفعت خیال۔ قوت بیان۔ زور کلام
جو شش تاثیر کیونکر اور کہاں سے آسکتا ہے۔ عربی کو دیکھو جب تک خلافت راشدہ کا
زمانہ تھا اور طبیعت میں آزاد اور خود سترتین عربی زبان جو شش اور تاثیر سے لبریز تھی جس
زمانہ سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑی اور خاندان بنو امیہ نے بڑے زور اور قوت سے عرب
کی آزادی کو پامال کر دیا زبان میں نہ وہ تاثیر رہی نہ وہ جو شش رہا۔ بے شبہ زمانہ مابعد کا
طرز کچھ کثرت معلومات کی وجہ سے نہایت وسیع اور دوامند ہے لیکن اس زمانہ کے تمام
تصنیفات جہاں مارو آزادانہ طرز تحریر اور پولیٹیکل جو شش اور تاثیر کا پتہ نہیں ملتا۔
ان باتوں کے ساتھ مجھ کو یہ تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اخبارات کا آزاد ہونا ترکی کی پولیٹیکل
حالات کا ضروری اقتضا ہے۔ رعایا کا اختلاف مذہب۔ تسلط تہا سے غیر کی رقابت۔
مختلفین کی دراندازیان۔ اخباروں کا بات کو متنگ بنانا۔ یورپین حکومتوں کی ہمسایگی۔ یہ
ایسے حالات ہیں جن میں آزاد سے آزاد گورنمنٹ بھی ہی کرتی جو ترکی نے کیا ہے۔ حال ہی

اخبارات کے آزاد
ہونے کا سبب

بین فرانس کی جمہوری حکومت نے ٹوئس مین اخبارات کی آزادی کے متعلق جو احکام جاری کیے اُن کو دیکھ کر کون نا انصاف ہے جو تنہا ٹکی کو مورد الزام قرار دے سکتا ہے۔

البتہ کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہاں جو ردک ٹوک ہے وہ کہیں قدر اعتراض کے قابل ہے یہاں عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھپانا چاہتا ہے تو پہلے وہ کتاب معارف کے شریز میں پیش کی جاتی ہے۔ وہاں معاینہ اور تفتیش کا

ایک جدا گانہ صیغہ ہے۔ اس صیغہ کے عمدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور اعلیٰ رپورٹ کے موافق بعض اوقات کتاب کا چھاپنا روک دیا جاتا ہے یا اس میں حکم

و اصلح کی جاتی ہے۔ اس قاعدہ کی ضرورت اس وجہ سے پیش کی کہ بعض لوگ کتابوں کے چھاپنے میں نہایت بردیانتی کرتے تھے۔ مثلاً بیروت میں عیسائیوں نے

الفاظ الکتابیہ جو چھاپی اُسین جہان قرآن پاک کی آیتیں تھیں اور اسلامی طریقہ کے موافق عنوان کے طور پر قال اللہ یا کما فی القرآن المجید تناسب جگہ بہ لکھ کر ماقبل

یا کما قال القرآن بنا دیا۔ حالانکہ کسی مسلمان کی قلم سے قرآن مجید کی نسبت ایسا لفظ نہیں نکل سکتے اس سے زیادہ یہ کہ انہیں عیسائیوں نے قرآن مجید کا ایک انتخاب چھاپا ہے اور جہاں

جہاں کسی آیت میں عیسائی روایتوں کے خلاف کسی واقعہ کا ذکر ہے۔ تو سین میں لکھ دیا ہے کہ ”یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے“ بے شبہ ایک اسلامی سلطنت اس قسم کے تعصبات

کا تحمل نہیں کر سکتی اور یہی سبب ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتابوں کے خلیج ہونے کے وقت نہایت احتیاط اور تفتیش سے کام لیا جاتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج کل اس کا طریق عمل اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے۔ یہ صفیہ تحریف و تبدل کے روک کی غرض سے قائم ہوا تھا مگر بعض اوقات اُس نے خود تحریف و تغیر پر عمل کیا ہے میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد النسخی چھپ رہی تھی۔ معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلمزد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور لایقہ منصف ریش کی حایت مذکور ہے۔ مطبع دانے نے مجبوراً اُسی قلمزد نسخہ کو چھاپا۔ مین نے اصل نسخہ چھپ معارف نے یہ تصنیف کیا تھا دیکھا اور مجھ کو یاد ہے کہ اس وقت مین پنج اقصیہ کیوجہ سے بنے اختیار ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے یہ تصنیف بخیال خود سلطان کی ہوا خواہی کے جوش میں کیا ہوگا۔ لیکن اگر حضور ممدوح کو اس سے اطلاع ہوتی تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتے۔

اخبارات توحید میں نے اوپر بیان کیا قابل اعتنائیں لیکن میگردین اور ماہوار رسالے جو ترکی زبان میں نکلتے ہیں نہایت قدر کے قابل ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور اور معروف معارف ہے جو ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس رسالہ میں ہمیشہ اعلیٰ درجے کے مضامین لکھے جاتے ہیں اور ترکوں میں آج کل جو لوگ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں زیادہ تر اسی رسالہ کے ذریعے اظہار کمال کرتے ہیں۔ مضامین زیادہ تر پنچرل سائنس اور آلات جدیدہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کوئی پرچہ تصویر سے خالی نہیں ہوتا۔ تعداد اشاعت بھی کچھ کم نہیں۔ مین نے صاحب مطبع سے دریافت کیا تھا معلوم ہوا کہ پانچہزار پرچے ہفتہ میں معارف کے سوا اور بھی علمی پرچے ہیں اور نہایت قابلیت سے شائع ہوتے ہیں۔

انہیں رسمی غنتہ - مصور جہان - ثروت فنون - میری نگاہ سے گزرے ہیں۔ یہ تمام رسالے کاغذ - خط - صفائی - غرض ظاہری آب و تاب میں یورپ کے مشہور رسالوں کی ہمہری کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ترکی میں علوم و فنون کو جو روز افزون ترقی ہے اور جس کثرت ہر فن میں نئی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں اسکے لحاظ سے تمام ایشیائی دنیا پر اس کو افضلیت کا رتبہ حاصل ہے۔

پہا پے خانے

چہا پے خانے وہاں نہایت کثرت سے ہیں۔ اور خوش خطی - صفائی - موزونی میں ادھکا جواب نہیں۔ عربی خط کا جو ٹائپ ہے اور جو ایک ترکی عالم ابوالفضی کی ایجاد ہے تمام دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے۔ عربی کتابیں آج دنیا میں جہاں جہاں چھپتی ہیں بیروت کی چھپی ہوئی کتابیں سب سے عمدہ تر تسلیم کی جاتی ہیں۔ لیکن خود بیروت والوں نے مجھے بیان کیا کہ اصل میں یہ ٹائپ ترکوں کی ایجاد ہے اور ہم انکے مقلد ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں عموماً ترکی کتابیں چھپتی ہیں اور وہ ان ملکوں میں نہیں آتیں ایسے عام طور پر بیروت ہی کی شہرت ہو گئی ہے۔ مرنہ بحالی یا عام قدردانی کا اثر ہے کہ قسطنطنیہ میں جب قدر کتابیں چھپتی ہیں نہایت عمدہ اور قیمتی کاغذ چھپتی ہیں۔ بخلاف مصر و ہندوستان کے جہاں چوتے صاف کرنیکا کاغذ کتابوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ سحر اسکے کچھ نہیں کہ ان ملکوں میں لوگوں نے ابھی تک علم کی قدر و قیمت نہیں سمجھی۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ یہاں کوئی مطبع انادسیع اور اسقدر دولت مند نہیں جیسا کہ ہندوستان میں نو لکھنوی مطبع ہے۔ اسکے ساتھ یہ اور افسوس بھی کہ اکثر مطابع غیر قوموں کے ہیں۔ معارف جسکامین نے ابھی ذکر کیا اسکا مالک بھی ایک عیسائی ہے۔ مسلمانوں کے جو مطابع ہیں انہیں ترجمان حقیقت مطبع عثمانیہ۔ شرکت صحافیہ زیادہ ممتاز ہیں۔ میں نے ان سب کی سیر کی۔ شرکت صحافیہ اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ وہ مشترک سرمایہ سے قائم ہے اور اسکے تمام حصہ دار مسلمان ہیں۔ کل سرمایہ ۸۰ ہزار روپے یعنی قریب دو لاکھ روپے ہے۔ تمام کام انجن کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ انجن بہت بڑا ہے اور دس بارہ کلون کو چلاتا ہے۔ میں جو بوقت پہنچا یعنی شج بخاری چھپ رہی تھی۔ دو ضخیم جلدیں اسوقت تک طیار ہو چکیں تھیں۔ مطبع والے کہتے تھے کہ ایسی ہی آٹھ اور ہیں۔ تمام قسطنطنیہ میں مسلمانوں کا بھی مشترک کارخانہ ہے ورنہ مسلمان۔ اولاً تجارت کو ہاتھ ہی کیوں لگاتے اور کسی اتفاقی وجہ سے اس کام کو کرتے بھی تو دوچار شخص ملکر کیوں کرتے۔ اس لحاظ سے یہ مطبع ایک گونہ خرق عادت میں داخل ہے۔

کتب خانے

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس عنوان پر دیر میں پہنچا ورنہ ذاتی شوق اور غایت سفر کے لحاظ سے یہی مضمون تھا جسکو میں سب سے اول اور سب سے مفصل لکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے وہ بھی کتب خانے ہیں۔ اسلامی دنیا کے جن حصوں میں آج تعلیم و تعلم کا چرچا ہے وہ

ہندوستان - عرب - مصر - شام - بلاد مغرب - فارس و ایران ہین - انہیں سے اکثر مقامات کا علمی سرمایہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو نہیں دیکھا ہے وہ ایسے قوی وسائل سے معلوم ہے کہ دیکھنے کے برابر ہے۔ اس بنا پر میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ - عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

کُل کتب خانے جو اس شہر میں انکی تعداد ۴۵ ہے۔ شاہی کتب خانہ جو قصر
ہمایون میں ہے اور نہایت قدیم ہے انکے علاوہ ہے۔ ان کتب خانوں کی کُل کتابیں
۸۵ ہزار ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد کچھ بڑی تعداد نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں اس سے زیادہ
کتابیں ہونگی لیکن قسطنطنیہ کو جو ترجیح ہے وہ کتابوں کی عمدگی اور گہائی کی حیثیت سے ہے۔
ان کتب خانوں میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ کتب خانہ جامع ایاصوفیہ -
کتب خانہ جامع بایزید - کتب خانہ جامع یول - کتب خانہ حمید یہ قدیم - کتب خانہ عاشق
آفندی شیخ الاسلام - کتب خانہ اسعد آفندی نقیب الاشراف - کتب خانہ جامع محمد فاتح -
کتب خانہ حمید یہ جدید - کتب خانہ علی پاشا شہید - کتب خانہ نور عثمانیہ - کتب خانہ لالہ -
کتب خانہ حکیم اُغلی علی پاشا - کتب خانہ محمد پاشا کوپرملی - کتب خانہ قلیچ علی پاشا -
کتب خانہ ولی الدین آفندی - کتب خانہ سلیمہ - کتب خانہ فیض اللہ آفندی -
کتب خانہ سلطان محمد قاضی زادہ - کتب خانہ جامع والدہ سلطان - کتب خانہ عاطف
آفندی - کتب خانہ شاہزادہ داماد ابراہیم پاشا - کتب خانہ خسرو پاشا - کتب خانہ مہر شان

کتب خانہ اور کتابوں
تعداد -

کتب خانہ محمد آفندی۔ کتب خانہ مصطفیٰ آفندی۔ کتب خانہ توفیق آفندی۔ کتب خانہ سلیمانہ
کتب خانہ محمد آفندی مراد۔ کتب خانہ راغب پاشا۔ ان میں سے چودہ کتب خانوں
کی مفصل فہرستیں چھپ کر شائع ہو گئی ہیں اور غالباً رفتہ رفتہ بقیہ فہرستیں بھی اشاعت
پائیں۔

یہ کتب خانے جیسا کہ خود ان کے ناموں سے ظاہر ہے اگلے پاشاؤں اور امیروں
نے قائم کیے ہیں اور سب کے سب وقت عام ہیں۔ ہر کتب خانے کے ساتھ اس قدر
جایداد بھی وقف ہے جس سے اُس کے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم۔ فرش
اور معمولی فرنیچر۔ ملازمین کی تنخواہ۔ ادا ہوتی رہتی ہے۔ ان امور کے لحاظ سے اعتراضات
کرنا پڑتا ہے کہ علمی فیاضی میں ترکوں کا رتبہ تمام اسلامی قوموں سے بالاتر ہے۔
ہندوستان میں ملوں تک اسلامی حکومت رہی اور بڑی اوج و شان سے رہی
بڑے بڑے نامور وزرا اور اُمراء گزرے۔ لیکن آج انکی ایک بھی علمی یادگار
موجود نہیں۔

ان کتب خانوں سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ترکوں میں اُمراء کا گروہ (جو
اور قوموں میں نسبتاً ایک جاہل گروہ ہوتا ہے) تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا۔
اکثر کتب خانوں میں وقف کرنے والوں کی ذاتی تصنیفات یا اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں
موجود ہیں جو اُن کے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں۔ اُس کے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب
کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں خود ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جمیع

کتب خانوں کے
لیے اوقاف۔

کر نیا لون کا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا۔

یہ کتب خانے خوبی عمارت اور دیگر وسایں کے لحاظ سے معمولی درجہ کے ہیں۔

تلاش

یہاں تک کہ بعض کتب خانوں میں الماریاں تک نہیں۔ ایک چبوترہ پر جسکے گردلو ہے کا

کٹہرہ ہے کتابوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ تمام کتب خانوں میں زمین کا فرش ہے۔

البتہ اسقدر تکلف ہے کہ سامنے بیچین بھی ہوئی ہیں جن پر کتابیں رکھ کر پڑھتے ہیں۔

کتب خانہ حمید جو حال میں قائم ہوا ہے اور سلطان المعظم کے عہد مبارک کی یادگار

ہے اگرچہ زیادہ شان و شوکت کا ہے۔ عمارت خوبصورت اور وسیع ہے۔ تیسرے

کرسیاں کوچین۔ حسب قدر ہیں ان پر ریشمی کدے ہیں۔ غرض تمام باتوں میں اور

کتب خانوں سے مستثنیٰ ہے تاہم آباد کی پبلک لائبریری کی برابر نہیں کر سکتا

چونکہ تمام اوقات کا انتظام حکومت سے متعلق ہے کتب خانے بھی گورنمنٹ کے

انتظام

زیر اہتمام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود امتداد زمانہ کے کتابیں اس احتیاط سے محفوظ

ہیں کہ ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہے ملازمین باوجود قلت تنخواہ کے نہایت

متدین اور راست کردار ہیں۔ کتب خانہ عاشر افندی کا وقت اسقدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی

خوراک اور دو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں مل سکتے۔ لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہے

اسقدر دیانت دار اور اپنے فرائض کا پابند ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں۔ کتب خانہ

کی دیواروں پر انگور کی سلیں چڑھی ہیں۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم انگور رو

کو بیچ ڈالو تو تمکو معقول آمدنی ہو سکتی ہے۔ بولا کہ واقف کی شرط کے موافق یہ انگور صرف

اُن لوگوں کے لیے ہیں جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں ایسے میں اُن سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ قلت تنخواہ کی وجہ سے ہر چارے نے شادی بھی نہیں کی ہے نہ رہنے کا کوئی مکان ہے کتب خانہ ہی میں رات کو چڑھتا ہے۔

ان کتب خانوں کی خصوصیتیں اور اُن کی اجمالی کیفیت و اوقات ذیل سے معلوم ہوگی۔
(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتابیں جو بیان موجود ہیں۔ عموماً قدیم النخط۔

صحیح۔ اور آسانہ سابق کی صحیح کردہ ہیں۔ قدیم اور نایاب کتابیں جکے دو ہی چار نسخے دنیا میں ہوں اُن کا صحیح ہونا سب سے مقدم ہے۔ ورنہ ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مصر کے کتب خانہ میں بھی قدیم کتابیں کچھ کم نہیں۔ لیکن اکثر زمانہ حال کی لکھی ہوئی ہیں اور اسوجہ سے چندان صحیح اور قابل استناد نہیں۔ قسطنطنیہ کی کتابوں کو دیکر حیرت ہوتی ہے کہ ان کتابوں کے ایسے عجیب و غریب نسخے کمان سے بہم پہنچائے ہیں۔

اسرار البلاغۃ عبد القادر الجرجانی کی مجھ کو مد سے تلاش تھی۔ ہندوستان میں صرف ایک نسخہ کا پتہ لگا لیکن وہ نہایت غلط اور ناقابل اعتبار تھا۔ قسطنطنیہ میں اس کے متعدد نسخے دیکھے اور سب کے سب نہایت صحیح اور قدیم النخط۔ اسی طرح کتاب البیان والبتین للبحا

تذکرہ بن حمدون۔ معجم الادب و باریا قوت حموی۔ کتاب لاشراف للبلد اوری۔ تاریخ لکیر امام بخاری وغیرہ کے نسخے نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں۔

(۲) بعض کتب خانوں مثلاً حمیدیہ قدیم میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر کتابوں کا کاغذ زرین بازار افشان ہے۔ اور حاشیہ پر سنہرے پیل بوٹے بنے ہیں۔ ان تکلفات کے ساتھ

کتب خانوں کی بعض خصوصیتیں

نسخ کی صحت اور عمدگی۔

خط نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ چونکہ قدیم زمانہ کی کتابیں اس تکلف کے ساتھ کم مل سکتی ہیں۔ بانی کتب خانہ نے اکثر کتابیں خود اپنے اہتمام سے طیار کرائی ہیں۔ مین نے متعدد کتابیں جنہیں شفا ابو علی سینا کا کامل نسخہ بھی تھا نکلو کر دیکھا اور صاحب کتب خانہ کی نفاس پسندی کی بے ساختہ داد دی۔

(۳) میرا خیال تھا کہ دولت عباسیہ کے عہد میں یونانی و مصر کی کتابوں کے جو ترجمے ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہو گئے۔ لیکن یہاں اگر اس خیال کی غلطی ثابت ہوئی۔ اگرچہ جس کثرت سے ترجمے ہوئے تھے اُس کے اعتبار سے تو موجودہ سرمایہ بھی ہونے کی برابر ہے تاہم بقدر موجود ہے یہ بھی غنیمت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کو قدیم تصنیفات کے ساتھ خاص اعتنا تھا چنانچہ انہوں نے اس باب میں یورپ کی کوششوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کا ایک نہایت مفید اور جامع خلاصہ لکھا تھا۔ یہ اصلی خلاصہ مفقود ہو گیا ہے۔ لیکن لاطین میں اس کا ترجمہ ہو گیا تھا جو اس وقت تک یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہی۔ اس کا فہمی ایک ترک عالم اس لاطین خلاصہ کا عربی میں ترجمہ کیا اور جا بجا کچھ اضافے کیے۔ مین نے یہ ترجمہ رغبت پاشا کے کتب خانہ میں دیکھا بہت بڑا مجموعہ ہے اور ترکوں کی علمی کوششوں کا عمدہ نمونہ ہے۔

(۴) فن تاریخ و ادب میں بعض ایسی تصنیفات دیکھیں جنہیں وہ جہد سے جبکہ مین مدت سے تلاش کرتا تھا اور یورپ کی تصنیفات حال کے سوا اس قسم کی طرز تصنیف کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا۔ مثلاً قضاۃ کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی لیکن کسی نے

اس طرف توجہ نہیں کی کہ حالات زندگی کے ساتھ اُنکے فیصلے اور احکام بھی نقل کرتا کہ آج کے طریقہ انفصال مقدما کے ساتھ اسکا موازنہ کیا جاسکتا۔ کتب خانہ نبی جامع میں اس قسم کی ایک کتاب موجود ہے۔ مصنف کتاب کا نام ابو بکر محمد بن خلف وکیع ہے جو نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے اور تمام واقعات کو بہ سند متصل بیان کرتا ہے۔ اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ ہر شخص کے حال کے ساتھ اسکے ہر فیصلے اور تجویز میں بھی نقل کی ہیں اور مقدمات کی صورت بیان کی ہے۔

فن ادب میں میں نے اس قسم کی کوئی کتاب کبھی نہیں دیکھی تھی بلکہ خیال تک نہ تھا کہ ایسی کوئی کتاب مسلمانوں نے کبھی لکھی ہوگی جس میں مضامین شعر و سبکی کی تاریخ ہو۔ یعنی فلاں مضمون۔ اول فلاں شاعر نے لکھا پھر رفتہ رفتہ فلاں فلاں شاعر نے یہ یا ضابطہ کیا یا اس اس طرح اُسکی صورتیں بدلیں۔ عاشر آفندی کے کتب خانہ میں میں نے ایک بڑی ضخیم کتاب خاص اس موضوع پر دیکھی۔ مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین عرب جاہلیہ نے ایجاد کیے بہر متاخرین نے انکو ترقی دی اور نئے نئے پیرائے نکالے۔ تمام کتاب اسی دعویٰ کے ثبوت میں ہے۔ مصنف ہر مضمون کے لیے عرب جاہلیہ کا ایک شعر نقل کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اسلامی شعرا میں سے فلاں شاعر نے اسی مضمون کو ذرا بدل کر اس طرح لکھا۔ بہر دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے شعرا نے اُسی سے اور اور صورتیں پیدا کیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر مصنف کی وسعت نظر اور دقیقہ منجی چریت ہوتی ہے اور ساتھ ہی افسوس ہوتا ہے کہ متاخرین اس قسم کی

ناور تصنیف کی پیر دی نہ کر سکے کہ آج اس مضمون پر متعدد کتابیں ملتی ہیں۔

(۵) مشہور حکما اور ائمہ فن کی کتابیں جس کثر سے بیان موجود ہیں اور کہیں نہیں

ملسکتیں۔ امام غزالی۔ بوعلی سینا۔ فخر رازی۔ فارابی کی وہ کیا تصنیفات جس کے

نام صرف ابن خلدان وغیرہ کے ذریعے سے معلوم ہیں۔ اکثر بیان موجود ہیں۔ معارف

و حقیقہ کے متعلق بوعلی سینا اور حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی ایسی جو خط و

کتابت وقتاً فوقتاً ہوتی ہے وہ رسالوں کی شکل میں موجود ہے۔

ابن سینا کی نسبت یہ امر دونوں سے بحث طلب ہے کہ اُس نے فلسفہ یونانی پر کچھ

اضافہ کیا ہے یا نہیں۔ کتاب الشفا میں اُس نے لکھا ہے کہ ”میں جو کچھ کہتا ہوں وہ

ارسطو کا فلسفہ ہے اپنے خاص فلسفہ کو میں نے حکمت مشرقیہ میں لکھا ہے۔“ یورپ

والوں کو اس کتاب یعنی حکمت مشرقیہ کی نہایت تلاش ہے اور چونکہ انگوٹھ کتاب نہیں

ملسکی اس لیے پروفیسر منک نے اپنی کتاب ربط فلسفۃ الیہود و الاسلام میں لکھا ہے کہ حکمت

مشرقیہ ہم کو ملتی نہیں اور جو کتابیں ملتی ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن سینا

نے کچھ اضافہ نہیں کیا۔“ کتب خانہ جامع ایا صوفیہ میں اس نایاب کتاب کا نہایت

عمدہ نسخہ موجود ہے۔ مسلمان تو اُس کے پڑھنے اور فلسفہ یونانی سے موازنہ کرنے کی زحمت

کب گوارا کرتے ہیں لیکن اگر یورپ والوں کو یہ کتاب بلجائی تو کچھ شبہ نہیں کہ اس بحث

کا کہ مسلمانوں نے فلسفہ یونانی میں کچھ اضافہ کیا یا نہیں قطعی فیصلہ ہو جاتا۔ بین قلت فرصت

کی وجہ سے اس کتاب کو سب سے بڑی طور پر دیکھا۔ بظاہر اس میں کوئی حجت نہیں معلوم ہوتی تھی۔

درائے فن کی
غات۔

زیادہ ترقیق کی نگاہ سے دیکھنے کا موقع ہوتا تو کچھ رابے قائم ہو سکتی۔

تاریخ اور ادب کی نایاب کتابیں جو میں نے بیان دیکھیں ان میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی تمام و کمال۔ تاریخ اسلام از علامہ ذہبی۔ ۸ مجلد۔ تاریخ الحکم ان

جمال الدین القفطی۔ تاریخ کبیر امام بخاری ۳ مجلد۔ تجارب الامم ابن مسکویہ۔ منتظم بن الجوزی۔ مرقۃ الزمان

لسبط ابن الجوزی۔ مسالک الابصار لابن فضل السنہ ۲۰ مجلد۔ عقد الحمان لبدر الدین العینی ۸ مجلد

مختصر تاریخ دمشق ابن عسکر کمال الدین بن مکرم الانصاری ۴ مجلد۔ رحلۃ بن خلدون۔ نہایۃ الارباب للنویری

طبقات الادب یا اوقات الحکوی۔ طبقات کبریٰ لابن سعد۔ طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی۔ کتاب الارزاق

للبلذری تمام و کمال۔ سیرۃ العمر بن لابن الجوزی۔ کتاب البیان والتمییز للجاحظ۔ صناعین للعسکری۔

دلائل الاعجاز عبدالقادر الجرجانی۔ تذکرہ بن حمدون۔ شرح تبریزی بردوان البوتام۔ دیوان ابو نواس مکمل۔

سرقات المبتی لابن العمید۔ مجموعہ رسائل ابوالسحر صبانی۔

کتب خانوں کے ذکر میں مجھ کو نہایت افسوس کے ساتھ کنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب

کتابیں بیان بالکل بیکار ہیں۔ اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے

لیے کھلتے ہیں۔ اسکے ساتھ سال میں دو تین مہینے متصل تعطیل رہتی ہے۔ ان باتوں کے

ساتھ اعلیٰ مذاق کی یہ کمی ہے کہ نایاب اور قدیم کتابیں یوں ہی سیکار پڑی رہتی ہیں۔ کوئی شخص

انکو اٹھا کبھی نہیں دیکھتا۔ کتب خانوں میں میں جب لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول

دیکھتا تھا تو ہمیشہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کس قسم کی کتابیں انکے پیش نظر ہیں۔ لیکن میں نے

کسی کے سامنے۔ مختصر معانی۔ ایسا غوجی۔ شیح وقایہ۔ جلالین۔ وغیرہ کے سوا کبھی

کتب خانوں سے
بیان کے لوگ
متبع نہیں ہوتے

کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ البتہ کبھی کبھی غیر ملکوں کے نامور علما آنکلتے ہیں انکو نایاب اور عمدہ کتابوں کی جستجو رہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کل دنیا اسلام میں تعلیم کا طریقہ ایسا ابترا و ذلیل ہو گیا ہے کہ چند دوسری کتابوں کے سوا لوگوں کو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی جبکہ یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جہتہ رکین کمین کچھ رہ گیا ہے جو آئندہ اسکی بھی امید نہیں۔

تنبیہ۔ میں نے کتب خانوں کے بیان میں جو تفصیل کی وہ ایک خاص غرض سے کی اور میں چاہتا ہوں کہ قوم کو اسکی طرف متوجہ کروں۔ یورپ میں اس قسم کی متعدد انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد قدیم عمدہ کتابوں کا ہم پہنچانا اور انکو چھاپ کر شائع کرنا ہے۔ انہیں انجمنوں کی بدولت عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر البجود کتابیں ہکویس آئی ہیں جنکے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ یہی انجمنیں ہیں جنہوں نے تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری کا کامل نسخہ ہم پہنچایا اور اسکی بہت سی جلدیں چھاپ کر شائع کیں۔ حالانکہ مصر و روم کے علما اس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے تو یقین دلادیا تھا کہ وہ دنیا سے ناپید ہو چکی۔ بے شبہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہکو اسکا علانیہ اقرار کرنا چاہیے۔

بزرگان قوم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس قسم کی ایک عظیم الشان انجمن بنائیں۔ عام چندہ سے کافی سرمایہ جمع کیا جائے۔ قابل اور لائق مصنفین کتابوں کے انتخاب کے لیے مقرر ہوں۔ قسطنطنیہ اور مصر سے کتابیں نقل کر اگر منگائی جائیں اور چھاپ کر شائع کی جائیں

یہ کام لفظ ہر عظیم الشان اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اگر چار کروڑ مسلمانوں میں سے ۱۰۰ مسلمان بھی آمادہ ہو جائیں اور ایک قلیل مقدار چندہ کی دینا گوارا کریں تو اس کام کا انجام پانچ بجہ مشکل نہیں۔

حیدر آباد میں دائرۃ المعارف الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جس کے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں۔ ہیکو امید ہے کہ وہ ہماری گزارش پر توجہ کرے گی ہم شکرگزاری کے ساتھ اس کی علمی فیاضیوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ہیکو اس سے زیادہ فیاضیوں کی ضرورت ہے اور ہیکو امید ہے کہ دائرۃ المعارف اور زیادہ توجہ اور اہتمام سے اس مقصد پر متوجہ ہوگی۔

ز وایا۔ یا خانقاہین

خانقاہین جنگو یہاں تک اور بکایا کہتے ہیں نہایت کثرت سے ہیں۔ اخیر رپورٹ جو مرتب ہوئی ہے اُس میں ۳۰۵ خانقاہوں کے نام مع تفصیل مقام دیگر حالات کے درج ہیں لیکن خانقاہ کے لفظ سے وہ معنی مقصود نہیں جو ہمارے ملک میں مستعمل ہیں۔ ان کا ایک میں یہ ایک عجیب فیاضانہ طریقہ ہے جو حقیقت حیرت انگیز ہے۔ ہم بڑے بڑے شہروں میں ہر ملک اور ہر فرقہ کے لیے جدا جدا خانقاہین ہیں۔ اُس ملک اور فرقہ کا مسافر وہاں پہنچتا ہے تو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے خانقاہ میں جاسکتا ہے اور جب تک چاہے قیام کر سکتا ہے گمانا اور ایک وقت کی چائے مفت ملتی ہے۔ یہ فیاضی یہاں تک عام ہے کہ باوجود بعد سافٹ اور برقی کے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس۔ حلب۔ موصل۔ دیار بکر۔ ان تمام مقامات میں ہندوستانیوں

کے لیے جدا خانقاہیں ہیں اور ان کے لیے گوشت اور جنس کی ایک مناسب مقدار مقرر ہے۔ یہ خانقاہیں امر اور رئیسوں نے قائم کی ہیں اور اس قدر جائداد وقف کر دی ہے جس سے مقررہ مصارف ہمیشہ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر خانقاہ میں ایک شیخ ہوتا ہے جسکو معقول تنخواہ و خوراک ملتی ہے اور خانقاہ کا تمام انتظام اُس سے متعلق رہتا ہے۔ میں نے متعدد خانقاہوں کی سیر کی۔ بعض بعض کی عمارت خوش فضا اور موزوں ہے۔ کہاں کی نوعیت اور مقدار بھی کافی ہے۔ خاص قسطنطنیہ کی خانقاہوں کے سالانہ مصارف کا تخمینہ چار پانچ لاکھ کمرہ نہیں کیا جاسکتا۔ درحقیقت ترکوں کی فیاضی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس زمانہ میں یہ طریقہ قائم ہوا تھا اُس عہد کے لحاظ سے نامناسب بھی نہ تھا۔

تم نے عربی تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ تمام ممالک اسلامی میں سیاحوں اور طالب علموں کا ایک تاننا بندھا رہتا تھا وہ انہی خانقاہوں اور زاویوں کی بدولت تھا۔ ابن بطوطہ کو اپنے عالمگیر سفر میں اسی طریقہ کی وجہ سے مدد ملی تھی۔ چنانچہ اُس نے سفرنامہ میں ان زاویوں کو نام بنام لکھا ہے۔ لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کے بڑے دن آتے ہیں تو مفید تدبیریں مضبوط جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو سیر و سیاحت۔ جغرافیہ تحقیقات۔ تحصیل علم مذاق و تجارت ہر اسلئے اب یہ طریقہ کار ملی۔ مفت خوری۔ دروازہ گری کا ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور عمومی زندگی کو نہایت نقصان پہنچا رہا ہے۔ میں نے اکثر خانقاہیں خود جا کر دیکھا۔ کئی کئی برس کے آئے ہوئے مسافر پڑے ہیں۔ نہ کسی قسم کا مشغل ہے نہ کچھ کام ہے۔ لکنو کے عہد یوں

کا جو حال سنا کرتے تھے۔ یہاں آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ شیوخ جنگو خانقاہ کا انتظام سپرد ہوتا ہے اور تمام نقد و جنس اُنکے اہتمام میں بہتی ہے عموماً خاں اور بددیانت ہین۔ خود نہایت آرام و عیش سے بسر کرتے ہین اور مسافروں کے لیے جو مقدار مقرر ہو اسکا ادھا سہائی۔ جو چھائی بھی اُنکو نہیں دیتے۔ ہندی خانقاہ کے شیخ ایک کشمیری صاحب ہین۔ اُنہوں نے کئی بیویاں کر لی ہین۔ خانقاہ سے الگ ایک مکان بنوایا ہے۔ اکثر وہین رہتے ہین۔ ڈھائی سیر گوشت جو روزانہ خانقاہ کے لیے مقرر ہو وہ قریباً کل حضرت کے تصرف میں آتا ہے اور مسافر و مکتومعمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خانقاہ کی عمارت جا بجا سے ڈھ چلی ہے۔ صحن میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا ہے مختصر یہ کہ وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے۔ مین نے اور جن خانقاہوں کو دیکھا وہ اگرچہ ہندی خانقاہ سے ہر بات میں بہتر تھیں۔ لیکن دیانت اور راست بازی کا پتہ کہیں نہیں ملتا۔ اس طرح کئی لاکھ سالانہ کی رقم نہایت بڑی طرح برباد ہوتی ہے۔

مساجد جامع۔ اور مشہور مقامات

جامع مسجدوں کی کثرت اور انکی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے قسطنطنیہ دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ محمد فاتح کے عہد سے جو اس دار الخلافہ کا پہلا تخت نشین تھا۔ آج تک جو قدر فرمانروا گزرے ہر ایک کی ایچز چند کے ایک ایک جامع مسجد موجود ہے اور بڑی شوکت و شان کی ہے۔ انین سے جامع فاتح۔ جامع سلیمان۔ جامع بائزید۔ جامع والدہ سلطان۔ جامع سلطان احمد۔ جامع ایاصوفیہ زیادہ ممتاز ہین اور ان سب میں جامع ایاصوفیہ

اور بھی زیادہ عالیشان اور پر شکوہ ہے۔ ان مسجدوں کی وضع ہمارے ہاں کی مساجد سے بالکل الگ ہے۔ نہ دالان نہ تحریریں۔ نہ صحن۔ صرف ایک گنبد ہوتا ہے۔ لیکن اہم قدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی امین آسکتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کے مذاق کے لحاظ سے ان مسجدوں کو خوبصورت اور موزوں نہیں کہہ سکتے تاہم گنبد کی بے انتہا وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعتاً متحیر بلکہ معروب اور حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ ہر مسجد میں کئی کئی سو بیٹوں کے آہنی جہاز ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جہاز کا رواج بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ اسپین کی عربی تاجخون میں تریاکے لفظ سے غالباً اسی قسم کے جہاز مراد ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں شیشہ اور بلور کے ہوتے تھے یہاں لوہے کے ہیں۔ عموماً تمام مساجد میں ایک خاص التزام ہے اور اُس سے قیاس ہوتا ہے کہ سلاطین ترک کو مذہب تسنن میں نہایت غلو تھا اور بات بات میں اسکا اظہار کرتے تھے۔ عموماً ہر مسجد میں چار بڑی بڑی ڈھالین چاروں کو نے پر ہوتی ہیں اور ان پر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حروف میں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی لکھا ہوتا ہے۔ بالکل اسطرح جس طرح زیب و آرائش کے لیے دیواروں پر استادوں کے لکھے ہوئے قطعے لگاتے ہیں۔

تمام مسجدیں پر کھٹ اور آراستہ ہیں معمولاً چٹائی اور جمیعہ عیدین کو عمدہ اور بیش قیمت قالین کا فرش بچھتا ہے۔ مسجد کے ایک طرف کچھ زمیں چھوٹی ہوتی ہے جہاں وضو کرنے کے لیے سقاہ بنا ہوتا ہے۔ میں نے اس بات کو نہایت پسند کیا کہ میان حوض کا مطلق رواج نہیں

جامع ایا صوفیہ جو سب سے زیادہ عالیشان ہے اور اور تمام مسجدیں اسی کے نمونہ پر بنی ہیں دراصل ایک بہت بڑا گرجا تھا جسکو قسطنطین نے ۵۳۷ء میں تعمیر کیا تھا۔ سات برس تک اسکی

ن کی آرائش

اصوفیہ

تعمیر جاری رہی اور مومار اور دس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ محمد فاتح نے کیفیتِ تعمیر کو
 اُسکو مسجد بنایا۔ ابن بطوطہ نے اُسکو گرجا ہونے کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ
 رومیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے اور چونکہ کوئی غیر شخص اس کے اندر نہیں جاسکتا اس لیے میں اندر
 کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا۔ باہر سے اسکی یہ صورت ہے کہ ایک میل کا احاطہ ہے اور
 تمام زمین میں رخام کا فرش ہے۔ سچ میں ایک نخرے پر جسکے دونوں کنارے پر پاک ہاتھ بلند
 رخام کی دیوار ہے اس دیوار میں عمدہ تپکے کاری کا کام ہے اور نہایت عمدہ پیل بوٹے بستے
 ہیں۔ گرجے کا صدر دروازہ چاندی دھونے کے پتھر دن سے منڈھا ہوا ہے۔ لوگوں کے
 بیان سے ظاہر ہوا کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اس گرجے میں دن رات رہتے ہیں۔

ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی۔ افسوس وہ اب باقی نہیں رہی۔ احاطہ حسین نہر
 تھی مسجد سے بالکل باہر ہے اور تھوہ خانہ نیگا ہے۔

واقعی یہ عمارت عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے۔ سچ کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ اور
 چست کا ارتفاع ۸۰ فٹ ہے۔ ۷۰ ستون ہیں اور کل سنگ سماق اور خام کے ہیں۔
 ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار ہاتھ سے کم نہیں۔ دروازہ جو قسطنطین کے زمانہ کا ہے

اور تانبے کا ہے اُس پر قدیم زمانہ کی تصویریں بنی ہیں اور اب تک قائم ہیں۔ چت پر حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی جو تصویریں تھیں اُنکے آثار اب بھی موجود ہیں۔

قابل دید مقامات بہت ہیں مثلاً یونانیوں کے معابد قدیم۔ سلخ خانہ۔ خزانہ یعنی جہان
 تمام سلاطین عثمانیہ کی پوری قدک تصویریں مع صلی لباس واسلحہ وجواہر اسکے ہیں۔ توپوں

کے ڈھالنے کا کارخانہ۔ موزہ خانہ۔ یعنی عجائب خانہ قدیم جہان نہایت قدیم زمانہ کے پتھر اور کتبے ہیں۔ اسمین کنڈریونانی کاسنگی تابوت بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مین اکثر مقامات کو نہ دیکھ سکا۔ اسلئے اُنہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ جسکی خود مین نے سیر کی۔

ترس خانہ۔ یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ۔ بہت بڑا عظیم الشان کارخانہ ہے اور چونکہ عربی صیغہ سے تعلق ہے محکمہ بحریہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص وہاں جان نہیں سکتا خوش قسمتی سے محکمہ بحریہ کے ایک معزز عہدہ دار ہمارے دوست شیخ علی ظہیان کے شناسا تھے۔ اُنہوں نے مہربانی سے ایک عہدہ دار کو ساتھ کر دیا جس نے ہمارے تمام کارخانہ کی بخوبی سیر کرائی۔ یہ صاحب عربی خوب سمجھتے اور بولتے تھے اور اسوجہ سے ہم ہر ایک بات کو تفصیلاً دریافت کر سکتے تھے۔ یہ کارخانہ مختلف حصوں میں منقسم ہے جسکا صدر مقام ایک بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے جہاں متعدد بڑے بڑے انجن مین اور اُنکے ذریعہ سے سیکڑوں کلین چلتی ہیں۔ ہمارے رہنما نے اوّل ہم کو اوپر کے درجہ کے سیر کرائی۔ پہلے ایک بڑے کمرہ مین لے گئے وہاں چند معزز افسر ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے ایک جہاز کا نقشہ طیار کر رہے تھے۔ نقشہ جب طیار ہو جاتا ہے تو دوسرے آفس مین بھیج دیا جاتا ہے جہاں اُس نقشہ کے موافق جہاز کا مختصر سا نمونہ طیار کیا جاتا ہے۔ یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے اور باوجود مختصر ہونے کے جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے۔ یہ نمونہ اوّل سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے اور منظوری کے بعد اسی کے نمونہ کے موافق جہاز طیار کیا جاتا ہے۔ ان نقلی جہازوں کے دقائق اور نکلتے تو مین کیسا

سمجھ سکتا تھا لیکن بظاہر نہایت دقت نظر اور استادی کا کام معلوم ہوتا تھا۔

ان چیزوں کو دیکھ کر ہم نیچے اترے۔ یہاں سیکڑوں کلین چل رہی تھیں اور جلد بڑا کام ہو رہے تھے۔ ایک طرف پرزے ڈھل رہے تھے۔ ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی شلاخون پر سیکڑوں میں کانگن پڑتا تھا اور چادرین بنتی جاتی تھیں۔ اس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا لمبا احاطہ ہے۔ وہاں ایک ہزار تھا جو بالکل طیاری کے قریب تھا۔

صنعتی جادو پڑھانی باقی تھی ہم نے یہاں تاریکی کی بہت سی کشتیاں دیکھیں جو اسی کاغذ سے طیارے بنی ہوئی تھیں اور سمندر میں ڈالی گئیں تھیں۔ ان جہازوں میں

اوپر کے درجہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سارا جہاز لکڑی کا ایک وسیع تختہ نظر آتا ہے۔ آلات

حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں۔ یعنی یاد و جہانہ خواہ گاہ۔ کھانا گاہ۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے وہ

اندر ہوتا ہے۔ ہمارے رہنا نے ہکو ایک کشتی کی سی بھی کرائی لیکن چونکہ اندر جگہ بہت کم

ہوتی ہے تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا اور ہم جلد باہر نکل آئے۔ نہایت قابل تعریف بات

یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ صنعتی ترک چلاتے ہیں۔ تمام افسر اور کارگیر اور

ملازم ترک ہیں۔ صنعتی یورپ میں معمولی درجہ کا ملازم ہے اور وہ بھی قدامت کے

لحاظ سے بحال رکھا گیا ہے۔ انجن بھی یہاں طیارہ ہوتے ہیں اور ترکوں کا بیان ہے کہ

یورپ کی بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے۔ ایک افسر نے مجھے

کہا کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہکو یورپ کی احتیاج نہیں رہی۔

مقتولان ینگ چری۔ ترکوں کی تاریخ میں ینگ چری کا لفظ نہایت اہم اور اہم لفظ ہے

سلطان آرخان نے جو سلاطین ترک مین دوسرا تخت نشین تھا سب سے پہلی مین حکم دیا کہ اسیران جنگ سے جو ہر سال کتر سے گرفتار ہو کر آتے تھے ایک خاص تعداد منتخب ہو کر ایک فوج طیار ہو۔ حاجی بکماش نے جو سلطان کا مرشد تھا اس فوج کا نام نینگ چری رکھا جسکے معنی ترکی زبان مین فوج جدید کے ہیں۔ فتوحات کی کتر سے اس فوج کی تعداد مین بقتہ اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد یہی فوج حکومت کی دست و بازو بن گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ یہ گرفتاران جنگ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تھے اور فوج مین داخل ہو کر بھی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے تاہم ترکی حکومت کے ساتھ ان کو یہ اخلاص تھا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ترکوں نے جو ایک مدت تک یورپ کو اپنا صید گاہ بنا رکھا تھا وہ انہی جانبازوں کی بدولت تھا۔ ۸۲۳ء مین جب سلطان محمود نے یورپ کے اصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا تو ان لوگوں نے بغاوت کی۔ سلطان نے ایک جدید فوج پہلے سے طیار کر رکھی تھی۔ اہل شہر نے بھی شاہی جدید فوج کا ساتھ دیا۔ غرض خاص قسطنطنیہ مین ایک سخت معرکہ ہوا۔ نینگ چری فوج بالکل برباد ہو گئی۔ اسکے ساتھ شاہی فوج کو بھی سخت نقصان پہنچا اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام جان سے مارے گئے۔ یہ مکان اسی معرکہ کی عبت سے انگریز یادگار ہے۔ وزیر اعظم شیخ الاسلام اور نینگ چری فوج کے تمام بڑے بڑے نامور افسروں کی پوری قدکی مورتیں ہیں۔ سپاہیوں اور سپہ سالاروں کی پررعب شکلیں۔ قدیم زمانہ کا لباس اور اسلحہ حرب۔ سکوت اور خاموشی کا عالم۔ یہ تمام باتیں جمع ہو کر کچھ ایسا ہیبت انگیز سامان پیدا ہو گیا ہے کہ دن کو وہاں جاتے ڈر لگتا ہے۔ دو

پہلو انون کو مین نے دیکھا سحر بانون تک لوہے مین غرق۔ سر پر خود۔ چہرہ پر جہلم۔
 ہاتھوں مین آہنی دستانے۔ بدن مین زرہ اور چار آئینہ۔ ٹخنوں تک کے آہنی موزے۔
 غرض آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ دریا فستے معلوم ہوا کہ گردی جوان مین
 جو خاص پایگاہ کی خدمت پر مامور تھے میرے تختہ مین ایک من لوہے سے کم بوجھ
 اُنکے بدن پر نہ تھا۔ تعجب ہے کہ اس قدر وزن کے ساتھ وہ لڑتے کیونکر تھے۔ افسردہ کے
 لباس عجیب و غریب قسم کے ہین۔ بعض بعض کی پگڑیاں ہاتھ ہاتھ بھراؤنجی ہین۔ یہاں ہر قوت
 سرکاری پہرہ رہتا ہے اور ٹکٹ حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا۔

موزہ خانہ۔ یعنی عجائب خانہ۔ عجائب خانے دو ہین۔ ایک سرکاری۔ جہاں نہایت
 قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے اور اس قسم کی یادگار چیزیں ہین۔ سکندر یونانی کا سنگی تابوت
 بھی ہے۔ افسوس ہے کہ مجھ کو اسکی سیر کا اتفاق نہیں ہوا۔

دوسرا کسی عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے۔ عمارت اور اور تمام چیزیں معمولی ہین۔ جو
 کچھ کے قیاس قابل ہے وہ دنیا کے مختلف حصوں کی آدمیوں کی موتیں ہین۔ یہ موتیں اس
 خوبی سے بنائی ہین کہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہین۔ ایک عورت دیکھی جسکے ہونٹ نہایت سوتے
 تھے اور نیچے کے ہونٹ مین آہ چھید کر کے لکڑی کی گلی ڈالی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ وہاں کا زیور
 ہے۔ پہلے تو مجھ کو نہایت تعجب ہوا۔ پھر خیال آیا کہ ہمارے ملک مین ناگ کان چھید کر
 نتھہ اور بالیان وغیرہ پہنتے ہین تو ہونٹوں نے کیا قصور کیا ہے کہ اس زینت سے
 محروم رکھے جائیں۔

یہاں میں نے ایک عجیب درو انگیز تماشہ دیکھا۔ جسکا اثر دیر تک میرے دل پر رہا۔ ایک جداگانہ کمرے میں چند عورتیں ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ایک شکنجہ میں دالی جا رہی ہے۔ ایک کے پیٹ پر جلتے ہوئے لوہے کی ٹبری رکھی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار انگلی کمال اتر گئی ہے۔ اسے طرح اور دنگو عجیب عجیب طریقے سے اذیت دیا جا رہی ہے۔ یہ عورتیں صورت اور وضع و لباس سے دولت مند اور شریف معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر کمر سن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں۔ سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیویوں پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کی ہوگی!! دریا فیسے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی تو عموماً مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کیے گئے اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا ان کو انواع اقسام کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور بکیسی اور کمزوری کے لحاظ سے عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعہ کی یادگار ہیں۔ اسوقت مجھ کو خیال ہوا کہ آہا! یہی عیسائی ہیں جو ہکلو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزدل شمشیر پھیلا!!!

میں یہ معائنہ سمجھا کہ عجائب خانے کے بانی نے جو عیسائی ہے ان تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے۔ کیا وہ عیسائیوں کا پر خضر کا زامہ دکھانا چاہتا ہے؟ اور حکومت ترک جو اس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تعصبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟ میں تو اس بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات کسی قدیم زمانہ میں پیش آئے دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں۔

سیرگاہین

قسطنطنیہ اور اسکے اطراف و جوار میں کثرت سے عجیب و غریب قدرتیں سیرگاہین ہیں اور غنیمت یہ ہے کہ شہر والے اس نعمت کے قدر شناس بھی ہیں۔ ہر سیرگاہ کے لیے ایک خاص دن مقرر ہے اس دن وہاں عجیب و غریب برطقت جمع ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک والے قدرتی مناظر کے مذاق سے آشنا نہیں در نہ خاص ان سیرگاہوں کے دیکھنے اور اُس سے مزہ اٹھانے کے لیے لوگ قسطنطنیہ کا سفر کرتے اور یہ کوئی عجیب بات نہ خیال کیجاتی۔ انہیں سے میں نے دو تین کی سیر کی اور انکے مختصر حالات لکھتا ہوں۔

خونکر صوبی - قسطنطنیہ کی تمام سیرگاہوں میں سب سے زیادہ برطقت اور دلچسپی ہے۔ اسی بنا پر اسکو سلطان المعظم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ خونکر - فارسی لفظ خونگر کی تحریف ہے۔ ترکی میں خون کا مالک یا خون ریز بادشاہ وقت کو کہتے ہیں اور صوبی کے معنی پانی اور چشمہ کے ہیں اس بنا پر خونکر صوبی کا لفظی ترجمہ شاہی چشمہ ہے۔ یہ مقام شہر سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ بہار وں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور نہایت شاداب اور سبز ہے۔ اس میں ایک قطعہ نہایت موزون مکمل آیا ہے جو بہار کی بلند سطح پر واقع ہے۔ خاص جس جگہ تماشا یوں کا مجمع ہوتا ہے وہ نہایت برطقت مقام ہے۔ سایہ دار درختوں کی دور و یہ قطاریں ہیں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ سبز ہی سبز نظر آتا ہے۔ ایک طرف آبشار ہے جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا جاتا ہے درختوں کے نیچے جا بجا دو دو چار آرمیوں کی ٹکڑیاں ہوتی ہیں۔ چائے اور قہوہ کا دو چلتا ہے حوض پر جا بجا جتا ہے

اور فریخ اور ترکی گانا ہوتا ہے۔ بہانہ نقلین کرتے ہیں۔

پانچ چہ زینے چڑھ کر پہاڑ کی اصل چوٹی ہے اور وہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہے۔ یہ خاص عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور کثرت سے ٹرکشن ایڈیان جمع رہتی ہیں۔ فائرک اندام عورتوں کے لیے تیس تیس میل کی مسافت۔ پہاڑ کی چڑھائی۔ گھوڑے یا خچر کی سواری کچھ کم تکلیف کی بات نہیں لیکن یہ جگہ کچھ ایسی دلاور ہے کہ سب تکلیفیں اسکے لیے گوارا کیجا سکتی ہیں۔

مقمری کوئی۔ یہ ایک قہوہ خانہ ہے جو عین سمندر کے کنارہ پر ہے اور نہایت پر فضا مقام ہے۔ جو عین بار بار کراڑے سے آکر ٹکراتی ہیں اور عجب مزہ آتا ہے۔ یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ چہ رسات یہودی عورتیں ایک بلند جوتہ پہنچ کر عربی گیت گاتی ہیں۔ چونکہ میں نے اس سے پہلے عربی راگ نہیں سنا تھا مجھ پر ایک خاص اثر ہوا سب ملکر ساتھ گاتی تھیں۔ اور دن کی قسم کا ایک بابا بجاتی جاتی تھیں۔

محرم

یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے اہل عجم جو مختلف تعلقات کی وجہ سے یہاں بود و باش رکھتے ہیں انکی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے۔ بہت سے مہکاری محکمون میں ملازم ہیں۔ بہت سے تاجر۔ پیشہ ور۔ اور مزدور ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ شہر کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن کثرت سے جہان رہتے ہیں وہ والدہ خانہ نام ایک محلہ ہے۔ محرم کے زمانہ میں دہوم دہام کی مجلسیں اور لوحہ و بکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے محلوں

مقمری کوئی

میں بیان سوز اور سخت لفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ اور حقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ بیان کا یہ ہے کہ اوّل ممبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر زبانی جناب امیرؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے متعلق اشعار پڑھتا ہے۔ پھر ایک متعدد عالم ممبر پر بیٹھ کر حالات کربلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے۔ مہمکواس بائیں بہت خوشی ہوئی کہ ترک عموماً ان محفلوں میں ادب اور خلوص کے ساتھ مقرر یک ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ترکوں کے لحاظ سے سب سے بجز ایک دو موقع کے اور تمام مجلسوں میں وعظ جو ہوتا ہی ترکی ہی زبان میں ہوتا ہے۔

ماتم کے چند طریقے ہیں اور بعض نہایت عجیب اور موثر ہیں۔ ادنیٰ درجہ کا ماتم یہ ہے کہ نہایت زور سے چماتی پیٹتے ہیں یہاں تک کہ اُس جگہ کا گوشت اُبھرتا ہے۔ دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنا ہے۔ تیس تیس۔ چالیس چالیس آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں کہ دوڑ تک آواز جاتی ہے تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنے کا ہے اور وہ شب شہادت کے ساتھ مخصوص ہے ماتم کر نیوالے ہاتھوں میں نگلی تلواریں لیے صفت باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور عجیب جوش و خود زنگی کے عالم میں یا حسین کے جاتے ہیں اور سر و پیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں۔ زخموں سے خون کی چھینٹیں اُڑا کر تمام بدن پر پڑتی ہیں۔ اور حلقہ ماتم کو یا سلامی کا میدان بن جاتا ہے۔ اس عبرت انگیز ہنگامہ کے دیکھنے کے لیے خلقت کا نہایت

ماتم کے عجیب و غریب طریقے۔

ازدحام ہوتا ہے اور شکل سے وہاں تک رسائی ملتی ہے۔

سلا ملق یا موکب سلطانی اور عید الضحیٰ

قسطنطنیہ میں سلا ملق سے زیادہ کوئی چیز بڑا اثر اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلا ملق ترکی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اس لیے اس رسم کو سلا ملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان۔ عام طور پر قصر شاہی کے کبھی باہر نہیں نکلتے صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے زبان یا قلم کے ذریعے سے اس کی تصویر کینیچن شکل اور سخت مشکل ہے۔ باوجودیکہ حملے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ عزم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کرتے ہیں اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گزرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے۔ معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ چنانچہ ہر جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک مستندہ مجمع موجود رہتا ہے۔ یہ عرصہ زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات تھے۔ چنانچہ اس لیے قسطنطنیہ پہنچ کر اول اس کی سیر کا
 ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جسے حال میں ملاقات ہو گئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہنچا۔
 وہاں پہنچ کر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے پرے ہیں اور موکب ہالیوں تک نظر
 کی رسائی ہی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ حسین حبیب افندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں کرشن
 کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولیس کمشنر ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعے سے جانتے تھے
 کہ محاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکریٹری انجمن۔ تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعے سے قسطنطنیہ
 کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے
 پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا تمہارے لیے مین ٹکٹ لے رکھوں گا لیکن
 بد قسمتی سے (اور سچ پوچھیے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ وہاں موجود نہ تھے۔
 دیر تک مسجد کے دروازہ پر اٹکا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک سبج جب سلطان کی آمد آمد کا غل
 ہوا تو نو فوجیں دور دور تک پھیل کر بلال کی شکل میں صف آرا ہو گئیں اور تمام راستے رک گئے۔
 میں مایوس ہو کر مسجد میں داخل ہوا اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا تھوڑی دیر گزری
 تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام میدان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب
 آہنچی اور یہ بادشاہم جو حق ایشا کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے یہ نعرے پرے پرے
 تین بار بلند ہوئے۔ کو کہ سلطان مسجد تک آہنچا اور غزون کی گونج ابھی تہم نہیں چکی تھی کہ
 نمودن نے جو سلطان کے مشابہ جمال کا انتظار کر رہا تھا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں
 ملکر دلیر عجیب اثر کرتی تھیں۔ سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد

اس کا نظریہ ہے
 یہ ہے ہمارا ہونا
 بہت زور ہے

نہیں ہے یعنی وہ ان نماز نہیں پڑھتے اور جو تے پہنکر جاسکتے ہیں گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب اکڑ گھمری۔ مسجد دو منزلہ ہے اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے درجوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیے گئے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھام کر نہ تھا۔ ایسے اُسکے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا اور اُس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر کے پُرچوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے۔ اللہم انصر هذا السلطان السلطان ابن السلطان الفاطمان السلطان عبدالحمید خان۔ تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور دیر تک نے اختیار زبان سے دعائیہ الفاظ نکلتے رہے۔ عین اس موقع پر ایک بارگی بندہ رہس شخص جسکے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض کی ان کا غدون کو لیکر جمع کرنا جاتا تھا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے داب اور سکون کے خلاف تھیں تاہم کہیں سے خالی نہ تھیں۔ دریاں سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کوسیطح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا

وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحمانہ اور فیاض ہے اس طریقہ کو بند نہیں کیا جاتا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حبیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں ٹکڑے ہوتا ہوتا تھا تم کمان غائب ہو گئے تھے۔ بالاعانہ کا ٹکڑا تو اب نہیں مل سکتا لیکن میں تمہارے لیے اُس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اُترے اور ایک زینہ پر جہان سے سلاطین کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا اگر ٹھہرے۔ آفسران فوج اور بیا شمعین کے دائیں طرف صفت باندھ کر کھڑے ہوئے۔ حسین حبیب نے جھک کر اسی صفت میں لاکر کھڑا کر دیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر (حسن اخلاق کی وجہ سے) پیچھے ہٹ گیا اور میرے لیے جگہ خالی کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے۔ فوجیں جو در در تک ہلال کی صورت میں صفت آراکھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی تھیں اور دوسرے دروازہ سے نکلتی تھیں۔ صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ گرد۔ عرب کے جداجدا دستے۔ موزوں اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق آئینے مختلف اور خوشنما وضع کی درویشان۔ فوجوں کا پنے در پنے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے فہما ہنشاہ کے سامنے سے گزرنا۔ ایسا عجیب و غریب سامان تھا جو کسی طرح

بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپریل گارڈ ہے اُنکے سروں پر عمامے تھے اور سبز
 شیلے ہوا میں اڑا کر عجیب لطف دکھاتے تھے۔ متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا
 اور کم و بیش دس ہزار فوجیں گزریں۔ اخیر میں سلطان کے دونوں شہزادے آئے اور عجیب
 شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ
 برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور اُنکے چہروں سے جس
 جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آ سکتا۔ شہزادے بھی جا چکے تو سلطان
 سے اُترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں بھی شامل تھا دفعۃً سلام کو
 جھکیں۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو ٹٹکی لاک گئی تھی۔ پہلے سے
 ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیاز مندی کے ساتھ آداب بجا لاؤں گا۔ لیکن
 اور خود ٹٹکی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صفت کی صفت دیر تک رکوع میں رہی اور میں اوسے طرح ٹٹکی باندھ
 کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیار
 حالت تھی۔

پانچ چار قدم پیادہ چل کر سلطان گارڈی پر سوار ہوئے۔ افسروں نے دوبارہ سلامی دی
 اور وہ عجیب و غریب سامان دفعۃً آنکھوں سے چپ گیا۔ عریدہ من باز و بھوار ہم ہنوز
 سلطان جس وقت زمین سے اتر کر گارڈی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے اُن تک
 صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اسوجہ سے میں اچھی طرح انکودیکھ سکا سلطان کا حلیہ
 یہ ہے۔ قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا۔ بدن چہرہ چہرہ کتابی۔ صورت کے دقا اور ترائت ٹٹکی ہے۔

بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہوں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ اور معمولی ٹکڑی ٹوپی تھی۔

ترکوں میں سلاطین کا طریقہ ایک مد سے چلا آتا ہے اور روم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے اس سے فقط شاہانہ جاہ و جلال کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوج میں جو پائے تخت اور اس کے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گزر جاتی ہیں۔ سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہ تماشا دیکھ کر قیام گاہ پر واپس آیا تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے جاتے تھے۔ قلم و کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کیے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی کچھ بڑا پر سامان ہوگا اُسکو بھی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے بعد اشعار اس وقت تک موزون ہو گئے تھے لکھ کر چھوڑ دیے تمہید کے آخر کے ان اشعار سے۔

دین کہ سپر سید کہ زان جلوہ گاہ	تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ
--------------------------------	---------------------------

اس شعر تک۔

بزم چو از جلوہ زیبا پرست	دامن چشم ز تماشا پرست
--------------------------	-----------------------

یہی پراثر اور پُر جوش نظارہ مراد ہے۔

عہد کے دن سلاطین نہ تھے اور اسوجہ سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان و شوکت جاہ و
 جلال۔ جو شہنشاہ سلاطین سے بھی کچھ بڑھ کر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع
 ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تاننا بند رہا۔ اسکے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں
 کو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم
 ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی۔ سلطان کے
 جلوبین پیادہ با آ رہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدھ میل تک تھیں
 اور انکے وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر زین بھول
 دامن اور استینوں پر کلاتوں کی تحریر۔ سینے پر شمع اور طلائی نمونوں سے ڈھکے ہوئے۔
 ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اٹھا۔ یہ صفت جاچکی تو سلطان کا جہاں
 جہان آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے
 نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا اور ہر قدم پر اس زور سے
 بادشاہم چوقیشا کا نعرہ بلند ہوتا تھا کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا۔
 میں یہ سمان دیکھ کر واپس آیا تو قلم درات لیکر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے دوسروں کو
 بھی دکھا سکوں۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں
 کھینچی ہے وہ بالکل نامکمل تصویر ہے۔



مشنوی عیدیه

جون ۹۲ هـ

مقام قسطنطنیه

<p>قاصد فرخنده من بان تعال پیش رسیدت سفری ناگزیر ز دور و دلف کدو عالم مکن دیدہ براہ اند عزیزان ہند چون تو دوران بزم کشتہ زفر مند تا ز حدیث تو شود بہر ہر مند جملہ بدین حسن کہ اے نیکو بے تا بچہ حال ست و چسان ست و خود بر روشن دیدہ دوران میسرید از پس این محنت و رنج شگرفت بزم خوشی بود تماشا چہ کرد وصف دانش طلبان چون نشست</p>	<p>مَتَعَالَى اللَّهُ الْجَسْنَ الْمَالِ گرم ز باخیز زورہ ہند گیر و نفسی راست کنی - ہم مکن جملہ گرامی گاہرکان ہند دایرہ گردند بگردست ہمہ ہر یکے از جای جہد چون سپند حسنہ از ان یا سفر کردہ گوے رفت چہا بر شش از نیک و بد یا کہ چو بہمان و فلان میسرید از سفر روم چہ برداشت طفر کار بسے بود از آنہا چہ کرد زان چمن تازہ بدامن چہ بست</p>
---	---

<p> طلی چو شود مرقه پر پس دجوے کاسے ہمہ گنجینه کشایان فن از کرم داد و بالاد پست ہم جهان طرز روش می نیم گر چه خودم با سر و سامان نیم نیسیر انجمن آراے دینکه پیرید که زان جملوه گاه ہی چه توان گفت که ذوق سخن گر چه نخواهم که نشینم خوش گر چه بمرض سخن آماده ام بگذرا زین حرف و مکر پر سر خوان سخن گرنه خود آراستم تند می بود خنبرم هنوز باتو چگویم که چپا دیده ام </p>	<p> از من آوازه بباران بگوے صد زشبنان سر خوان فن حال من آن گونه که بایست هست زنده ام و فارغ و خوش می نیم نازکش حاجب و دربان نیم این منم و گوشت و تنهائے تا چه بود حاصل چشم و نگاه هر نفسم می برد از خویش تن فرصت آن کو که بیایم پوش مست ز کیفیت این باده ام خواب خوشی دیدم و دیگر پیر سر عذر بمن ز تماشاستم دیده من باز و بخوابم هنوز شعبده با پیش نظر چیده ام </p>
--	--

بزم چو از جملوه زیبا پر است

دامن چشم ز تماشاست

خاست ز هر ناحیه گلبنایک عید

مهر چو از جیب افق کشید

دیده پراز خواب چو برخاستند
 طفل که این شیوه نداند درست
 شیوه و این طرب تازه گشت
 مژده رسید این که نشئه چاره ساز
 تابرد از خوان کرم تو شسته
 بسکه عنان طلب آنگیختند
 یک لحظه راه تماشا نیافت
 جمله لبش شوق و لبند از روی
 سدمه خاک ره شده خواستند
 از دوسوی راه کسب شرف
 مهر چو در هر جهت افشاند نور
 گشت روان از پی خیم میل و فوج
 بود شعاع همه از هم جدا
 بر توان اسلمه تابناک
 با همه ممکن چو گشت این گره
 غلغله برخواست که بادا نوید
 داغ نه چیده نور سفید و ماه

پیر و جوان جسمه تن آراستند
 مادرش از مهر تن در وی شست
 کویچه و بازار پر آوازه گشت
 زود بر اید بادا سمن از
 خلق بردن ریخت زیر گوشه
 طفل و جوان بر سر هم ریختند
 نقش قدم هم بر زمین جانیافت
 بوی بشکطاش نهادند روی
 جا بگذرگاه سپه خواستند
 خلق باین ادبست صف
 کو کبزه شاه عیان شد ز دور
 موج تو گوی که شکستی بموج
 هر همه را رایت و پرچم جدا
 نور همی ریخت بدامن خاک
 گشت به یکبار زمین پر شکوه
 محبت بر تاب خلافت دید
 حضرت خاقان خلافت پناه

قاعده دولت و دین را مدار
 پیکر لطیف و کرم کبریا
 خسر و شکرت شکن و قلم گیر
 فاتحه دولت و طغی اکر دین
 شاه فلک کو کعبه عبد الحمید
 سره شاهای ز جبین آشکار
 مرکبش پیش چو بگذاشت پای
 طلعت شیه باز چو تو فلک سر
 شور برآمد که بود تاج بان
 چرخ بدان مایه که گردنه است
 زینب و طراز همه عالم تو
 جمله بدانند که در غرب و مشرق
 آن تو که امر و زکمر و زگار
 تازگی بدر و خنجرین از تو هست
 جز تو که هست ای شاه انجم سپاه
 سره دین نبوی از تو هست
 شرح سیه تو چو شد از جمند

آئین رحمت پروردگار
 سایه یزدان شکر کشور گشای
 شاه فلک عتبه و گردن سیر
 زینب ده افسر و تاج و نگین
 آید لا اله الا الله بنصره منزید
 حاشیه بوسان به بین دیار
 خلق به یکبار درآمد زجا
 بانگ دعا گشت زهر سو بلند
 یاد بکام تو ز سین و زمان
 زنده بمان که تو جهان زنده است
 سایه یزدان سحبهان هم تو
 هست ترا تاج خلافت بر سر
 هست برود دولت و دین را قرار
 زینب و طراز حرمین از تو هست
 آنکه بود شرح غنی را پناه
 بازوی اسلام قوی از تو هست
 یاد بخت زمان تو چه بنم بلند

سکہ اقبال بنام تو باد
ہر چہ بگیتی است بکام تو باد

ترکون کے اخلاق و عادات طرز معاشرت

قسط طینہ بین مین اگرچہ متصل تین عینے تک رہا لیکن زبان کی اجنبیت کی وجہ سے ترکون سے میل میل جول بہت کم تھا۔ میرے ہم صحبت اور میرے اجاب جعفر تھے شام کے عرب تھے۔ اس لیے ترکون کے اخلاق اور عادات کے متعلق میری واقفیت سرسری اور اجمالی ہے۔ مین نے اکثر کالج و اسکول اور بعض صنعت وغیرہ کے کارخانے دیکھے چند مغز عمدہ دارانِ ملکی سے ملا اور ان کے ہاں دعوتیں کمائیں۔ قہوہ خانوں میں کبھی کسی سے ملاقات ہو گئی۔ پڑا موسے اور ریل پر کسی سے تعاون ہو گیا۔ غرض اس قسم کے موقع تھے جنہیں مجھ کو ترکون کے اخلاق و عادات کا تجربہ ہوا۔ اور اس باب میں مین جو کچھ لکھوں گا انہی واقعات کی بنا پر ہو گا۔

ہر چند میری واقفیت کے ذریعے اس قدر محدود ہیں تاہم بعض امور کی نسبت مجھ کو بالکل یقین ہے کہ ان کے متعلق میری جو رائے قائم ہوئی ہے وہ قطعاً صحیح ہے اور ان میں ذرا بھی غلطی کا احتمال نہیں۔ ان میں سب سے مقدم ترکون کی مٹھان پرستی اور عام خوش اخلاقی ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ ترکون کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضہ ہیں۔ غرور و نخوت۔ ترش و کھنٹی۔ ان میں نام کو نہیں ہے۔ تیسرے غریب و مفرد و عمدہ دار۔ و قبیح و شریف۔

ترکون کی مٹھان پرستی
اور خوش اخلاقی

جاہل و عالم۔ ہر درجہ کے لوگوں سے جھکو سا بھڑا۔ لیکن خوش اخلاقی اور فیاض طبیعت میں
 گویا سب ایک ہی مکتب کے شاگرد اور ایک ہی سلسلے کے ڈسپل تھے۔ غازی عثمان
 پاشا جنکو یونان کے واقعہ نے تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہوا اور درویش پاشا جنکا پوتا
 سلطان کی دامادی کا شرف رکھتا ہے اس مرتبہ کے لوگ ہین جیسے ہندوستان
 میں گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف۔ بین دونوں سے ملا ہوں اور وہ جس تواضع اور خوش اخلاقی
 سے پیش آئے اسکا اثر اب تک میرے دل میں ہے۔

ایک عام بات یہ ہے کہ بازار میں چلتے چلتے تم جس شخص سے گو وہ کسی رتبہ کا آدمی ہو
 راستہ پوچھو وہ نہایت مہربانی سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور تمکو راستہ بتائیگا۔ بعض
 موقعوں پر جھکو نہایت تنگ اور پیچیدہ لکھنوں سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اور راستہ کی
 بھول جانے کی وجہ سے دیر تک حیران رہا۔ اتفاقاً کوئی ترک آٹکلا تو اس نے راستہ بتانے
 پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ ہو لیا اور جہاں جھکو جانا تھا وہاں تک پہنچا کر واپس آیا۔

قیاضی اور عثمان نواز علی تھکون کی عام صفت ہے اور نہایت امنی اور جس کے لوگ بھی
 نہایت سچے اور فیاض ہیں۔ یہ عام طریقہ ہے کہ دو چار چشم آشنا کسی ہوٹل یا قہوہ خانے
 میں اتفاق سے مل گئے تو قہوہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ ہوگا ایک شخص سب کی طرف سے دیدیگا
 گویا نام لوگ اس شخص کے مہمان ہوتے ہیں اور وہ میزبان ہوتا ہے۔ خونگروی جسکا
 ذکر اوپر گزر چکا ہے میں اسکی سیر کر گیا تو خوبی آندری ساتھ تھے۔ چونکہ یہ مقام طنطنیہ
 سے بس پچیس میل ہے اور میرے ساتھ اور بھی چند احباب تھے۔ جہاز اور گاڑی کا کرایہ

اور تعلقہ وغیرہ میں سے خرچ ہوے۔ یہ کل رقم خوجی آفندی نے ادا کی۔ میرے شامی احباب کو جو خود مقتدر اور فیاض طبع تھے آفندی موصوف کا زیر با احسان ہونا گوارا نہ تھا لیکن ملک کے رواج کی وجہ سے زیادہ اصرار نہ کر سکے۔

ایک دفعہ مین درویش پاشا کے مکان پر گیا وہاں چند اور بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ سب سے تعارف ہوا اور دیر تک صحبت رہی۔ چونکہ اس وقت تک مین نے ترکی بوٹ کا استعمال نہیں شروع کیا تھا اور انگریزی بوٹ پہنکر مکان کے اندر جانا میمان مہربوسے مین نے دروازہ ہی پر بوٹ اتار دیا تھا۔ ترکوں کے نزدیک بوٹ کا پائون مین نہونا بدلتگی مین داخل ہے۔ اسیلے کسی کسی کو خیال ہوا۔ حاضرین مین سے ایک بزرگ جو اسکول کے ماسٹر اور معزز آدمی تھے چپکے سے اُٹھے اور ایک سلیپر لاکر میرے سامنے رکھ دیا۔ ان بزرگ کا نام کاظم آفندی تھا۔ نوجوان آدمی مین۔ ریاضی مین انکی تصنیف حضور سلطانی مین پیش ہو چکی ہے۔ رخصت ہونے کے وقت مجھے فرمایا کہ ہندوستان پہنچ کر یاد رکھیے گا کہ قسطنطنیہ مین کاظم بھی ایسا ایک نیاز مند تھا۔

حمید حسیب آفندی جو پولس کسٹنر اور معزز رتبے کے آڈی مین ملاقات کے ساتھ اس لطف و مہربانی سے پیش آئے کہ مین بیان نہیں کر سکتا۔ اصرار کر کے کہنا نہ کھلایا۔ کچھ اور مہربانی سے کر لائی۔ پردہ کر کر زمانہ مکان کے تمام کمرے دکھائے۔ رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ مجھ کو بھی کچھری جانا ہے ساتھ ہی چلین گے چنانچہ اپنی گاڑی پر بٹھا کر دور تک ساتھ لائے۔ لطف یہ کہ اس وقت تک میرا ذریعہ تعارف ہجر اسکے اور کچھ تھا۔

کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں۔ اس قسم کے واقعات قطعاً
نہایت ہوتا ہے کہ ترکوں کے اخلاق نہایت عام ہیں اور اس کے لیے وسیلہ دشمنانِ عزت
وجاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہیں۔

ترکوں کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابلِ تقلید ہے۔ اُمرا اور معزز عمدہ دار
ایک طرف۔ معمولی حیثیت کا آدمی بھی جس صفائی اور خوش سلیقگی سے لباس کرتا ہے ہمارے
ملک میں بڑے بڑے امیر و ن کو وہ بات نصیب نہیں۔ میں نے دس ہزار کے تنخواہ
سے لیکر بیس روپیہ آمدنی والوں تک کے مکانات دیکھے ہیں اگرچہ دونوں حالتوں میں نہایت
تفاوت تھا اور ہونا چاہیے تھا تاہم خوش سلیقگی اور ترتیب و صفائی میں برابر برابری تھی۔

ڈرائنگ روم کا قدیم طریقہ یہ تھا اور متوسط حیثیت والوں میں اب بھی جاری ہے کہ دیوار
سے متصل قریباً دو ہاتھ چوڑے اور دیوار کے طول کی برابر لمبے چوڑے بنے ہوئے ہیں
اور ان پر گدا بچھا ہوتا ہے۔ اب اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے تاہم چونکہ معزز ترکوں
کے ہاں علماء اور درویشوں کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے ایک آدمی اس طریقہ پر بھی ضرور

مرتب رہتا ہے۔ میں نے عثمان پاشا اور درویش پاشا کے عالی شان مکانون میں بھی اس
وضع کے متعدد کمرے دیکھے۔ زمانہ حال میں یورپین طریقہ زیادہ مروج ہے۔ ترکوں
نے زمین اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ درحقیقت قابلِ تعریف اصلاحیں ہیں
ڈرائنگ روم میں (جو اکثر عمدہ تزئینات والین سے آراستہ ہوتا ہے) اس کے آگے اس
سے ایک کمرے کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ چوڑی پٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ کمرہ میں

جو لوگ آتے جاتے ہیں اسی پر سے گزرتے ہیں۔ ادھر ادھر پانوں میں رکھ سکے ترکون کا بوٹ اگرچہ خاک آلودہ نہیں ہوتا لیکن اس طریقہ سے فرش اور بھی صاف و پاک رہتا ہے۔ کمانا یورپین طریقہ پر یعنی میز کرسی پر کھاتے ہیں۔ البتہ بعض باتون میں فرق ہے اور میری دانست میں وہ اصلاح طلب ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو نوکرا کر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیان چن دیتا ہے۔ اسکے بعد باری باری مختلف سالنوں کی رکابیان آتی ہیں اور میز کے سچ میں رکھی جاتی ہیں۔ تمام لوگ ایک ہی رکابی میں کھاتے ہیں۔ چہری کاٹا بھی ہوتا ہے لیکن (اکثر) کھاتے ہاتھ سے ہیں۔ میں نے حسین حسیب افندی پولس کسٹمرز اور درویش پاشا کے ہاں کمانا کمایا۔ درویش پاشا کے بیٹے احمد پاشا جو سلطان المعظم کے سمدھی ہیں میز پر ہمارے ساتھ تھے اور اسی طریقہ سے کھاتے تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہوتا جاتا ہے اور حال کے تعلیم یافتہ بالکل یورپین طریقہ پر کھاتے ہیں۔

ہندوستان کے برخلاف عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ اندر لیک کھٹک ہوتا ہے جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگ جاتا ہے باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی سے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے۔ آواز سن کر نوکریا صاحب خانہ کو آواز کول دیتا ہے۔ اُمر کے ہاں دروازہ فکے بیرونی رخ پر پتیل کا پھول لگا ہوتا ہے۔ اسکے دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے اور نوکرو خیر ہوا کرتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت عام ہے۔ یہاں تک کہ غریب غریب آدمی کے دروازے

کمانی کا طریقہ

مکان کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں

بھی کھلے نہیں رہتے۔ اگرچہ دراصل سہری سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔
لیکن اس سے طرز معاشرت میں خود بخود نہایت تمذیب و اصلاح پیدا ہو گئی ہے۔ ہر شخص کا
تخلو بیوتاغیر بیوتکے حتیٰ تستائسا۔ کی تعمیل پر مجبور ہے۔

س ترکون کا لباس جیسا کہ مین اوپر لکھا آیا ہوں بالکل یورپین ہے۔ البتہ بوٹ مین ایک
اختراع کی گئی ہے اور وہ واقع میں قابلِ تعریف ہے۔ یہ بوٹ چرمی جراب اور سلیمپر کا مجموعہ ہے
جراب بالکل بوٹ کی شکل کی ہوتی ہے۔ لیکن ایڈی مین ہوتی سلیمپر مین اندر ایڈی کے
پاس ایک کھٹکا لگا ہوتا ہے۔ جراب پہن کر جب اسکو پہنتے ہیں تو جراب اس میں لٹک جاتی ہے
اور دونوں ملکر خاصہ بوٹ بن جاتا ہے۔ بازار میں دونوں پہنے پہرے ہیں۔ لیکن فرش
پر سلیمپر اُٹار دیتے ہیں جس سے جراب بچاتی ہے اور چونکہ وہ گرد سے پاک ہوتی ہے
فرش پر دھبہ تک نہیں پڑتا۔

ملاقات کا طریقہ نہایت تمذیب اور پسندیدہ ہے۔ تم کسی سے ملنے جاؤ اور دروازہ
کھٹکٹاؤ تو اُسی وقت نوکر اگر دروازہ کھول دے گا۔ مکان میں اسی عرض سے ایک خاص
کرہ فرش فروش سے آراستہ رہتا ہے۔ نوکر کھود بان بٹھا دے گا اور تم وہ پا جاؤ
پیش کرے گا۔ اس کے بعد صاحب خانہ کو اطلاع ہوگی وہ ملاقات کے کرہ مین بیٹھیکہ اور تمکو وہ مین
بلائے گا۔ بڑے بڑے معزز افسروں کی ملاقات کا بھی طریقہ ہے۔ انگریزوں کی طرح احاطہ کے
باہر یا تھہ مین ٹہلنا اور دیر تک انتظار کرنا نہیں پڑتا۔

سلام کرنے کا عجیب طریقہ ہے۔ پہلے سینہ پر۔ پھر زونٹون پر۔ پھر پیشانی پر ہاتھ کھینچتے

ملاقات

طریقہ

ان اعضاء کا ہاتھ سے چھو لینا ضرور نہیں صرف محاذات کافی ہے۔ اگرچہ اس طریقہ پر سلام کرنے میں ہاتھ کو تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن مشاقی کی وجہ سے تیغوں کے اس جلدی سے طے ہوتے ہیں کہ معمولی سلام سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ اسلحا بادیٰ یہ فائدہ ہے کہ قد کو جو کچھ ناہین پڑتا اور ایریشیا کے تعظیم و ادب بھی ہاتھ سے نہیں جاتا۔ مجلس میں سلام کرنے کا جو طریقہ ہے وہ زیادہ تکلف آمیز ہے یعنی بیٹھ جانے کے بعد حاضرین میں سے ہر شخص کی طرف الگ الگ مخاطب ہو کر سلام کرنا پڑتا ہے بالکل اس طرح جیسا لکھنؤ میں دستور ہے۔ معلوم نہیں ترک جیسے سپاہیوں کو یہ لکھنؤ کا تکلف کس نے سکھایا۔

فضول شان و شوکت کا نہ ہونا۔

ترکوں کی معاشرت میں مجبوری جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفقہ پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان و شوکت کا نام نہیں۔ بڑے بڑے وزراء۔ امرا و اراکین منگتے ہیں تو معمولی حیثیت سے منگتے ہیں۔ میں نے بارہا وزیر اعظم کی سواری دیکھی ہے۔ صرف دو تین سوار ساتھ ہوتے ہیں۔ سپاہیوں کے علاوہ علی رضا پاشا کے ساتھ پانچ چار سوار سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مکانات اور تمام اور معاشرت کی چیزیں نہیں بھی ساؤگی پائی جاتی ہے۔ عثمان پاشا۔ درویش پاشا۔ ذکی پاشا جس حیثیت اور رتبہ کے لوگ ہیں اس لحاظ سے اُن کے مکانات کو کم از کم حیدرآباد کا فلک نما اور بدیشہ پراخ نہ ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ہمارے مولوی مہدی علی صاحب کی کوٹھی کی برابر بھی نہیں۔ نوکر چاکر بھی کثرت سے نہیں ہوتے جیسا ہمارے ہاں کے نواب اور فرضی شاہزادوں

کے ہاں دستور ہے۔ حق یہ ہے کہ ترک اس بات پر جہاں تک فخر کرین بجا ہے کہ انہوں نے
چھ سو برس تک سلطنت کے مہمائی میں پلکار سپاہیانہ بن نہیں چھوڑا۔ ورنہ عباسی۔ فاطمی۔
اموی۔ (اندلس والے) تیموری تو سو ہی دو سو برس میں اچھے خاصے رنگیلے بن گئے تھے۔
ترکوں کی تہذیب و ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے وہ عورتوں
کی تعلیم و تربیت و طریقہ معاشرہ ہے۔ دنیا کی دو بڑی قومیں یعنی یورپین اور ایشیائیک اس
مسئلہ میں افراط و تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں اور اسوجہ سے دونوں کی حالت
قابل اعتراض ہے۔ ترکوں نے ایسا معتدل طریقہ اختیار کیا ہے جو دونوں کی خوبیوں کا
جامع اور دونوں کے عیوب سے خالی ہے۔ ترکش عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن بیخبری
شونہ۔ بجا آزادی۔ رقاصی کی (اور وہ بھی غیر مردوں کے ساتھ) انکو تعلیم نہیں ہوتی ہے
وہ پردہ کی پابند ہیں۔ لیکن جاہل۔ دنیا سے بے خبر۔ مکان کے قفس میں بند۔ حیوان
انسان نامعین ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم کے لیے سرکاری اور خانگی مدرسے کثرت سے ہیں اور پردہ و حفاظت کا
ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شر فاکو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا۔ علمی مضامین
کے ساتھ فرنج زبان بھی درس میں داخل ہے اور بعض بعض مدرسوں میں کوسیتی کی تعلیم بھی
ہوتی ہے۔ تعلیمات کی تعلیم کے لیے ایک خاص مدرسہ ہے جسکی ہتم رفیقہ خانم ہے۔
یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ خاتون ہے اور سلطان کے حضور سے اسکو درجہ دوم کا متمنہ عنایت
ہوا ہے۔ صنعتی مدارس میں ایک مدرسہ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے جو کلچر کہا جاسکتا ہے

درتوئی تعلیم
ہمت۔

زمانہ مدرسے

دستی کی تعلیم

اُس کا مقصد عورتِ افندی ہے۔ اس مدرسے کے ساتھ ایک بورڈنگ بھی ہے جسکی سربراہ ایک
فرینچ نیڈی ماؤم ہائی ہے۔ بورڈنگ کا سرکڑی ایک تعلیم یافتہ ترک ہے جس کا نام حسن افندی
ہے۔ صنعت کا ایک اور بڑا مدرسہ اسکیدارپن ہے جسکی تعلیمہ اول خیر یہ خانم ہے۔

ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اس قدر عام ہو گئی ہے کہ زمانہ حال میں مشکل ایسی عورت
مل سکتی ہے جسے مناسب درجہ تک تعلیم نہ پائی ہو۔ بہت سی عورتیں مضمون نگار ہیں اور
مشہور اخبارات میں اُنکے آرٹیکل شکتے رہتے ہیں۔ جودت پاشا کی لڑکی فاطمہ خانم۔ مشہور
مصنفہ ہے۔ حال میں اسکی ایک نہایت عمدہ ناول شائع ہوئی ہے جس کا نام ”انسانِ اسلام“
ہے۔ عربی زبان میں اس کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے اور بیروت میں چھاپا گیا ہے۔ اور بھی چند
مصنفہ عورتیں ہیں۔

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے۔ ہر درجہ اور ہر تہ کی عورتیں بازار
میں نکلتی ہیں۔ سیر گاہوں کو جاتی ہیں۔ دعوے کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں شریک
ہوتی ہیں۔ لیکن باوجود اس آزادی کے حفظِ احتیاط کے دائرہ سے سر مو تجاوز نہیں ہوتا۔
نہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے الگ رہتی ہے۔ اور کوئی عورت کسی غیر مرد سے بجز
خاص حالتوں کے بات تک نہیں کر سکتی۔

لباس بالکل یورپین ہے۔ لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو نہایت ڈھیلے اور بالارشی گون پہن
لیتی ہیں جو گردن سے لیکر پائوں تک ہوتا ہے اور اوپر سے پنجے تک بٹن لگے ہوتے ہیں۔
اس طرح جوڑے کے اور تمام جسم اس طرح ڈھک جاتا ہے کہ بدن کی ہیئت تک نہیں معلوم ہوتی۔

سر پر قصا بہ ہوتا ہے اور چہرہ ایک رومال سے چھپاتی ہیں جو ناک کی جڑ سے ٹھوڑی تک ہوتا ہے۔ دونوں آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کمرہ آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہے۔ یہ رومال باریک مل کے ہوتے ہیں کوئی شخص پاس سے آنکھ جھاڑ دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہو سکتا ہے لیکن ایسی ہیوہ جرات کون کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ مین عاشر آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے جن سے میری جان پچان ہو گئی تھی۔ اتفاق سے وہیں اٹلی دو نو جوان لڑکیاں جنہیں سے ایک کی شادی ہو چکی تھی ان سے ملنے کیلئے آئیں۔ انہوں نے مجھ کو دونوں سے انٹروڈس کر لیا۔ جبرل احترام۔ اور متانت و شرم سے وہ مصروف خاتونیں میرے سامنے کھڑی تھیں مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی وہ بیان ہیں۔

قسط طہیثہ مین ہندوستانی

ہندوستان میں کسی کو یہ خیال بھی نہوگا کہ قسط طہیثہ مین ہندوستانی حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں۔ خود مجھ کو یہ گمان نہ تھا۔

ہندوستانیوں کا اصلی مرکز تو ہندی زادیہ ہے جس کا ذکر مین اوپر کر چکا ہوں وہاں اکثر ہندوستانی آنکھتے ہیں۔ لیکن وہ عموماً گدا پیشہ ہوتے ہیں۔ ان کے سوا تین چار شخص ہیں جو مستقل طور پر سکونت رکھتے ہیں اور انکی حالت اور حیثیت بھی بُری نہیں ان کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں۔

نصرت علی خان۔ یہ بزرگ اپنے تئیں دلی کا کہتے ہیں۔ انہوں نے قسط طہیثہ مین

ایک انجما بھی نکالا تھا۔ لیکن چونکہ اسکے مضامین انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے۔ انگلش سفیر نے باز پرس کی اور اخبار بند ہو گیا۔ اب محکمہ تعلیم میں نوکری میں۔ ڈیڑھ سو ماہوار خواہ ہے ایک ترکی عورت سے شادی کر لی ہے۔ اس سے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ خود سیادہ نام اور بد صورت ہیں۔ لیکن لڑکیاں گوری چٹّی ہیں۔

مرزا محمد بیگ۔ یہ بزرگ ملک اودہ کے رہنے والے ہیں۔ شاہی فوج میں معزز عہدہ پر مامور تھے۔ عذر سے پہلے کہ معطلہ چلے گئے تھے۔ اب دس ہندو برس سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ سلطان نے ڈیڑھ سو ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ خوش اخلاق اور شریف الطبع آدمی ہیں۔

حسن آفندی۔ بدر الدین طیب جی بیرسٹریٹ لاساکن بھی کے عموزاد بھائی ہیں۔ صہ ہندی ہندوستانی اشیاء کی تجارت کرتے ہیں۔ پہلے انکا کارخانہ بڑے فروغ پر تھا۔ چنانچہ اور مصارف کے علاوہ آٹھ سو ماہوار مندر و دوکان کا کرایہ تھا۔ لیکن اب فیشن کے بدل جانے سے ان چیزوں کی قدر نہیں رہی اور کارخانہ بست ہو گیا۔ تاہم خوش حالی سے بسر کرتے ہیں۔ مکان اور فرنیچر قسطنطنیہ کے لحاظ سے امیرانہ ہے۔ ایک بلغ بھی طیار کرایا ہے۔ تمام لوگ اعلیٰ عزت کرتے ہیں۔ سلطان کے یہاں سے مل جی ملا ہے انگریزی بخوبی جانتے ہیں۔ نہایت خوش اخلاق۔ فیاض۔ پرستشغیر۔ نیک طبع۔ آدمی ہیں۔ ہندوستانیوں سے انکو عجیب انس اور محبت ہے۔ اور یہ بوطنی ہی میری اور اعلیٰ تعارف کا ذریعہ ہوئی۔ ایک دفعہ میں ہانڈل میں پہرہ تھا۔ آفندی موصوف سامنے سے گزرے۔ مجھ کو دیکھ کر اختیاط کر کے

پوچھا۔ آپ ہندوستانی تو نہیں؟۔ اُس وقت میرا لباس عربی تھا۔ طرہ یہ کہ جواب میں اتفاقاً زبان سے بجائے ہان کے نغمہ کا لفظ نکلا۔ تاہم میرا ہندو ہونا کیونکر چھپ سکتا تھا۔ وہ گلے سے لپٹ گئے اور بوسے کہ آپ تو ہماری چیز ہیں ہم۔ بے بیکر گمان چلے گئے۔ میں جب تک وہاں رہا اکثر میرے مکان پر تشریف لاتے تھے۔ کئی دفعہ دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے معلوم نہیں یہ مہمان نوازی انکی طبیعت کا خمیر ہے یا قسطنطنیہ کی آب و ہوا کا خاصہ ہے۔ اُنکا پتہ یہ ہے قسطنطنیہ۔ مجبور پرستانہ حاجی حسن علی آفندی ہندی۔

میں نے پتہ اس غرض سے لکھا ہے کہ کوئی صاحب قسطنطنیہ کا قصد کریں تو ان سے ضرور ملیں۔ ان سے بڑ بیکر کوئی غمخوار نہیں مل سکتا ہے۔

قسطنطنیہ کے احباب

نہایت ناشکری ہوگی اگر میں قسطنطنیہ کی مہر لطف و استان ختم کر دوں اور اُن محبت کیش دوستوں کا نام نہ لوں جو اس چند روزہ اقامت میں میرے یار غم سار بن گئے تھے۔ اور جلوت و خلوت میں ہم دم و ہم راز رہتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبد الفتح اور علی ظلیان کے سوا خجنگا ذکر اور بکرز چکا ہے باقی دوستوں کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں۔

فواد بک۔ مکتب ملکیہ کے ایک ممتاز طالب علم ہیں۔ دمشق کے قریب حصباہ ایک موضع ہے جہاں حضرت خالد بن الولید کی نسل سے ایک خاندان آباد ہے۔ یہ لوگ دین مند ہیں۔ اور اسکے ساتھ ملکی اثر رکھتے ہیں۔ چنانچہ بڑی حکومت کی طرف سے اب تک اُن ضلعا کا جو حاکم مقرر ہوتا تھا اسی خاندان سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ فواد سے میری تعلقات عریضہ تعلق

کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسکے ایک بھائی سامی بک انہیں دنوں قسطنطنیہ میں آئے اور میں نے جو مکان کرایہ پر لیا تھا اُس کے ایک کمرہ میں فروکش ہوئے وہ کتاب الحقوق میں داخل ہو سکی طیارہ کرتے تھے اور چونکہ امتحان داخلہ میں منطق میں بھی امتحان ہوتا ہے مجھے درخواست کی کہ میں مختصر طور پر انکو منطق کے تمام مسائل پر عبور کرادوں۔ اگرچہ میرا سراج اوقات تنہا تاہم انکی خاطر سے میں نے انکو اور اسکے ساتھ دو تین اور طالب علموں کو ایسا غوجی پڑھائی۔ حسن اتفاق یہ کہ امتحان داخلہ میں وہ لوگ پاس بھی ہو گئے۔ اس طرح دوستی اور محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا شام کو ہمیشہ ہم تین چار آدمی ایک تھوہ خانہ میں جو عین لب دریا ہے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور عجب لطیف و مزے کی صحبت رہتی تھی کبھی کبھی مہر کے بعد کشتی کرایہ کرتے اور سمندر کی سیر کرتے پھرتے۔ قواد کو گانا آتا ہے۔ مزے میں اگر عربی گیت گایا کرتے۔ ایک دن محمد سے فرمائش کی کہ کوئی ہندی چیز سناؤ۔ میں نے بتیرہ لکھا کہ ”بھائی! میں مولوی آدمی ہوں۔ مہنگو گانے سے کیا واسطہ“۔ لیکن وہ کب مانتے تھے آخر مجبور ہو کر میں نے اردو کے دو تین شعراء کو گستاہ کر لیا کہ ”ہر ہے اور کما کہ ہندی میں یون ہی گاتے ہیں۔“

عبد السلام آفندی۔ بیت المقدس میں سادات کا ایک مشہور خاندان ہے۔ یہ اُس کے ایک معزز ممبر ہیں۔ بیت المقدس کے مفتی جی کا ذکر آگے آئے گا اسی خاندان سے ہیں۔ یہ پہلے جنت مجسمہ پڑھتے تھے کسی وجہ سے معزول ہو گئے۔ اور اسی فکرتیں بیان آتے ہیں۔ نہایت لائق فائق۔ تعلیم یافتہ اور تندرہ دل آدمی ہیں۔ ایک مدت تک میں اور یہ ایک ہی مکان میں رہے۔ اور اس وجہ سے زیادہ میل جول ہو گیا۔ اکثر علمی بحثیں کیا کرتے تھے فلسفہ حال

سے واقف اور اُسکے معترف ہیں۔ اُنکا خیال ہے کہ قرآن مجید کا کوئی مسئلہ فلسفہ، حال سے مخالف نہیں۔ اکثر اسی امر کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے۔ مین اُنکی مسافرتِ نازی اور اسلامی ہمدردی کا از بس ممنون ہوں۔ ایک مشکل موقع پر انہوں نے میرے ساتھ جو تعجب انگیز ہمدردی کی اُسکا ذکر مناسب موقع پر آئیگا۔

خواجہ آفندی۔ مغز آدمی ہیں۔ درویش پاشا کی ہینچی ان سے بیاہی ہے اور پاشا سے مہ صوف اُنکو نہایت عزیز رکھتے ہیں۔ اُنہو کے مکان میں یہ رہتے بھی ہیں۔ مین چند بار ان سے ملا۔ فارسی بہ تکلف بول لیتے ہیں۔ نہایت خوش اخلاق اور نیکس المزاج آدمی ہیں۔ ہمیشہ چاہے اپنے ہاتھ سے بنا کر بلا تے تھے۔ ایک بار میری قیاس گاہ پر بھی تشریف لائے۔ اور دینک پیٹھے ہے۔ خونگڑ صوفی کی سیر مجھ کا بھی نے کرائی تھی۔

ملا محمد آفندی۔ موصول کے رہنے والے ہیں۔ عربی بقدر ضرورت پڑتی ہے۔ فارسی اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ انکی معاشش کا کوئی ذریعہ نہیں مجبوراً ایک تکیہ میں رہتے ہیں اور فقر و فاقہ سے بسر کرتے ہیں۔ با اینہم نہایت باحمیت اور غیر متند ہیں۔ مین نے جب ترکی سیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک دوست نے اُنکا نام لیا اسوقت تک مجھ کو ان سے بالکل تعارف نہ تھا۔ اسیلے مین نے عہد ماہوار پر اُنکو مقرر کرنا چاہا۔ یہ رقم اُنکے لیے عطیہ نہیں تھی۔ لیکن جب اُنکو معلوم ہوا کہ مین صرف تحقیقات علمی کے لیے یہاں آیا ہوں تو معاوضہ لینے سے انکار کیا اور مفت پڑھاتے ہے۔ اکثر میری قیاس گاہ پر آکر پڑھایا کرتے تھے۔ ٹوٹی چھوٹی ٹرکی جو مین نے سیکھی انہیں سے سیکھی افسوس ہے کہ اب وہ بھی محفوظ نہیں رہی۔

ان دوستوں کے سوا اور کسی چشم آشنا احباب پیدا ہو گئے تھے جنکا ذکر جبندان ضروری نہیں۔

غازی عثمان پاشا کی ملاقات اور تمغہ مجیدی کا عطا ہونا

یہ وہی نامور جنرل ہے جسے پلوٹا میں چوبیس ہزار روسی مجروح اور آٹھ ہزار تہ تیغ کیے تھے۔ جسکے مقابلہ میں شہنشاہ روس نے اپنی کل فوجی قوت صرف کر دی تھی اور خود سپہ سالار بن کر گیا تھا۔ جسے باوجود فوج کی کمی اور رسد کی قلت کے روس کی مجموعی طاقت کا مدت تک مقابلہ کیا۔ اور میدان جنگ میں درخمی ہو کر گرفتار ہوا تو خود شہنشاہ روس نے اُسکی کمر میں تلوار باندھی۔ اور سینوں تک اپنا مہمان رکھا۔ یہ واقعات اُسی زمانہ میں اخبار اسکے ذریعے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے اور بچہ بچہ اس نامور بہادر کے نام سے واقف ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ میں اگرچہ میں کسی فوجی افسر سے نہیں ملا اور نہ ملنا چاہا۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے نادرہ روزگار کے دیکھنے کا شوق دل میں نہوتا۔

پاشا سے موصوف اگرچہ اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ترکی میں کوئی شخص اُن سے بڑھ کر بلکہ انگلی برا بھی نہیں۔ اور اس لحاظ سے محکموں تک رسائی کی کم امید ہو سکتی تھی۔ تاہم شوق کی بستی نے نہ مانا اور میں ایک دستہ جو کوساتھ لیا اسکے مکان پر گیا گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا۔ چربان نے اندر جانے کی اجازت دی قاعدہ کے موافق ملاقاتیوں کے کمرہ میں جا کر بیٹھا۔ ایک سبز ترک دہان تعریف برکتے تھے۔ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور مزاج پرسی کے بعد وہ سکریٹری جی دیر کے بعد اطلاع ہوئی۔ پاشا سے موصوف دنانے میں تھے کہ لا بھیا کہ

ذرا دیر میں آتا ہوں۔ قریباً دس منٹ کے بعد ایک ملازم آیا اور مجھ کو بالاخانہ پر لگیا ایک خوبصورت
 کمرہ آراستہ تھا۔ ہم وہاں بیٹھے تھوڑی دیر کے بعد پاشاے موصوف تشریف لائے۔
 جن صاحب کو میں نے مترجمی کے لیے ساتھ لے لیا تھا ششتر تعلیم کے ایک افسر تھے۔
 انہوں نے حسب قاعدہ آگے بڑھ کر پاشاے موصوف کے دامن کا کنا چوما اور دوبانہ طور سے
 پیچھے ہٹے۔ میں نے طریقہ سننے کے موافق سلام کیا۔ پاشاے موصوف نے سلام کا جواب
 دیا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مزاج پُرسی کے بعد نام اور مقام پوچھا۔ مترجم نے کہا کہ ہندوستان
 کے حکام میں سے ہیں اور تحقیقات علمی کی غرض سے آئے ہیں۔ یہ سن کر نہایت مہربانی اور توجہ
 ظاہر کی اور دیر تک ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات پوچھتے رہے۔ خصوصیت ہو کر میں اُٹھا تو
 خود بھی اُٹھے اور کہا کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں تو مجھ کو خوشی ہوگی۔

پاشاے موصوف بہت قامت ہیں۔ دھڑلہ بدن ہے۔ رنگ گورا اور چمکتا ہوا ہے چہرہ
 ہیبت اور شجاعت چمکتی ہے۔ عمر ۶۰-۷۰ کے سچ میں ہے لیکن بڑا پلے کا مطلق اثر نہیں
 ہے۔ فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں اور چونکہ ایک مدت تک میں کے گورنر رہ چکے ہیں عربی
 میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ پلو ناکر واقعہ کے بعد سلطان نے ان کو کاملاً غائب
 اور صیغہ جنگ کا وزیر کر دیا تھا لیکن چونکہ اس عہدہ کی وجہ سے وہ سلطان کی خدمت میں ہمیشہ حاضر
 نہیں رہ سکتے تھے سلطان نے اس عہدہ پر نوادہ پاشا کو مقرر کر دیا اور ان کو مابین کی انگریزی دی جسکی
 وجہ سے وہ زیادہ تر سلطان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ سلطان

کسی عزیز و قریب یا نوکر اور عہدہ دار پر اعتماد نہیں ہے اور

نہیں کرتے۔ جمعہ وعید کو جب سلطان مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو انکی ساتھ گاڑی میں عثمان
پاشا کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

دوسری دفعہ میں ملاقات کو گیا تو پہلے سے کہہ میں آ بیٹھے۔ میں اندر داخل ہوا تو کرسی سے
اٹھ کر دو ایک قدم بڑھ رہا تھا اور پہلے دن کی طرح ہاتھ ملایا۔ اسکے بعد میں جب جب ان سے ملا تو
اسی طریقہ سے ملے۔ پاشا سے موصوفہ نمبر نہایت مہربان ہو گئے تھے۔ جب میری دنگی
کا زمانہ قریب آیا اور میں نے ان سے کہا کہ اب میں میان دوچار دن کا معائنہ ہوں تو زمانہ کا ایک
دو دن جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا۔ اسی اثنا میں انہوں نے سلطان سے میرے
لئے منفعہ جمیدی عطا ہونے کی درخواست کی اور منظور ہو گئی۔ لیکن مجھ کو اسکی کچھ اطلاع نہ تھی۔
ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ میرے ایک دوست دوڑے ہوئے
آئے اور جگا کر کہا کہ یا شعیب! واللہ لہذا طلع لك النيشان مجھ کو ایک گونہ تعجب ہوا اور میں نے
کہا کہ کیوں ہی کہتے ہو۔ آخر کونسا معلوم کیونکر ہوا ہے۔ بولے کہ تمام اخبارات میں چھپ گیا ہے۔ میں
اسی وقت اٹھا اور ایک قراٹ خانہ میں جا کر اخبار دیکھے تو واقعی وہ خبر صحیح تھی۔ اسی وقت مجھ کو
خیال سپاہیوں کے میں انگریزی رعیت ہوں اس لحاظ سے انگلش سفیر کو اسکی اطلاع دینی ضروری ہے۔
دوسرے دن میں سفیر کے پاس گیا۔ اتفاق سے وہ مکان پر نہ تھے۔ میں اپنا کارڈ چھوڑ آیا۔
دوسرے دن تمام احباب مبارکباد کو آئے۔ میں نے ایک مختصر جلسہ دعوت ترتیب دیا۔
شیخ علی ظہیان۔ عبدالسلام آفندی۔ خواجہ سامی۔ شریف۔ اور دیگر احباب شریک جلسہ تھے۔
حضرت کی صحبت کو عثمان پاشا کی دعائی ملاقات کو گیا۔ منہ کی خبر ایسی عام ہو گئی تھی کہ پاشا سے موصوفہ

کے مکان پر پہنچا تو سب سے پہلے دربان نے کہا ”تمنعہ مجیدی مبارک“۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ اسکو کیونکر خبر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں اُمراء اور پاشاؤں کے لوگ چاکر عواما پڑے ہوئے ہیں۔ اور فرصت کے اوقات میں اخبارات پڑھا کرتے ہیں۔ پاشاے موصوف نے ملاقات کے ساتھ تمنعہ کی مبارکیا دی۔ تمنعہ سامنے بیٹھ کر کہا ہوا تھا۔ بکس سے نکال کر پہلے انہوں نے انگوٹھ لگایا (سلطان کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی ترک لوگ اس حد تک تعظیم کرتے ہیں ایچہ مجھ کو حوالہ کیا۔ میں سرود کہڑا ہو گیا اور سلطان کو دعادی کچھ دیر کے بعد رخصت کے ارادہ سے اٹھا تو پاشاے موصوف نے فرمایا ڈرا دیر اور تشریف رکھیے۔ یہ مکر دوبارہ قہوہ منگوا یا اور اوہر اُوہر کی باتیں کرتے رہے۔ اخیر میں فرمایا کہ میں آپ کی تشریف آوری کا مشکور ہوں۔ چلتے چلتے کہا

تمنعہ مجیدی

کہ ہندوستان پہنچ کر تمام مسلمانوں
اور بالخصوص علما و فضلا کی خدمت
میں میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ عثمان
آپ لوگوں سے دلی محبت رکھتا ہے
میں نے نہایت خلوص اور جوش کے
ساتھ شکریہ ادا کیا۔ پاشاے موصوف
نے مجھ کو اپنی عکسی تصویر عنایت کی اور اس پر
دست لکھی۔



عثمان پاشا کا فریاد

ہدیہ المشرع محمد اکرام ^{۱۳۱۰} ہجری - یعنی مین نے اپنا یہ فوٹو غرات شبلی نعمانی کو
 ہدیہ دیا۔ یہ تصویر اس وقت میرے پاس موجود ہے اور میں اس کو ایک بڑا تبرک اور نشان فخر سمجھتا ہوں
 جو میرے خاندان اور میری نسل میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ تمنہ کے ساتھ جو فرمان عطا ہوا اس کی نقل
 ذیل میں ہے۔

نقل فرمان بخط فارسی

ہندوستان علی گڑہ نام محلہ کابین دار المعلمین معلّم اولی شبلی نعمانی آفندی بن
 شایان تلطقات سنہ شاہانہ م ولد نینہ بنا و اشرف افزای سنخ و صد و اولان
 امر و فرمان معالی عنوان بادشاہانہ موجب عالیسی اور زہ کند و سنہ مجیدی نشان
 ذیشانک درونچی رتبہ سندن بر قطعہ سی عنایت و احسان قلنٹش اولد یعنی متضمن
 اس جو بات عالی شام تصدیق اولد ہی حرری الیوم الرابع عشر من شہر محرم الحرام سنہ
 عشر و ثلث مائتہ -

ترجمہ

شبلی نعمانی آفندی جو دار المعلمین علی گڑہ واقع ہندوستان کا معلّم اول ہے چونکہ
 شاہ تلطقات کا
 حال کیا گیا اس لیے اس کو تصدیق مجیدی درجہ عطا
 ہوا اور اس کی سند کے لیے یہ فرمان عالی شان صادر ہوا
 محمد اکرام ^{۱۳۱۰} ہجری

یہ عجیب اتفاق کہ مین نے تمغہ کو قسطنطنیہ - بیروت - مصر کسی مقام میں بھی استعمال نہیں کیا۔ ہندوستان میں پہنچ کر خیال ہوا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کر کے استعمال کروں۔ چنانچہ جناب ہر سین صاحب مجسٹریٹ علی گڑھ نے باضابطہ چٹھی کے ذریعہ سے گورنمنٹ میں سفارش کی وہاں سے جواب آیا کہ رزدیوشن مورخہ ۲- مئی ۱۸۸۶ء ملاحظہ طلب ہے اس رزدیوشن کا حاصل یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کی کوئی رعیت کسی دوسری سلطنت کا کوئی نشان یا تمغہ استعمال یا قبول نہیں کر سکتی تاں کہ پہلے جناب ملکہ معظمہ سے اجازت نہ حاصل کی جائے اس حکم کی تعمیل کے موافق مین تمغہ کو استعمال نہیں کرتا۔ ✓

منتہایہ سیکر
یہ تعلق گورنمنٹ
دیوشن۔

قسطنطنیہ سے روانگی - ۲۶ محرم ۱۲۹۵ ہجری

قسطنطنیہ میں مین پورے تین مہینے مقیم رہا۔ اخیراً خیر طبیعت اور چاٹ ہو چلی تھی۔ یہاں تک کہ مین سلطان کے جشن تخت نشینی کا بھی انتظار نہ کر سکا۔ قسطنطنیہ میں ہر سال صفر کی آٹھویں رات جو سلطان کی تخت نشینی کی رات ہے بڑی دھوم دھام سے جشن ہوتا ہے تمام شہر میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ شہر کے تمام باشندے اپنے اپنے مکانوں میں بڑی محکف اور اہتمام سے روشنی کرتے ہیں اور چونکہ یہ طریقہ سلطان کے ساتھ خلوص و محبت کی دلیل ہے امرا اور پاشاؤں کے ہاں حد سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے شیخ علی ظہیان نے جمعہ سے کہا کہ پچھلے سال درویش پاشا کے مکان میں چودہ ہزار بونے گلاس روشن کیے گئے تھے۔ سڑک پر چھ رے مکانات ہیں ان کے دروازوں پر روشنی کے کرنوں میں عمارت لکھی

سلطان کی تخت
نہ جشن۔

ہوتی ہے ”بادشاہم چوق نیشا“ یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے۔ یہ طریقہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ فرنجی جہ سن۔ انگریز۔ اور اولیورپ کی توین جو بیان مسقیم یا خوش باش ہین اُنکے دروازوں پر بھی یہ فقرہ روشنی کے حرفوں میں لکھا ہوتا ہے۔ جھکو نہایت افسوس کہ میں یہ پُر لطف اور پُر جوش تماشائے دیکھ نہ سکا۔ برخاستگی طبیعت کے ساتھ کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ زیادہ ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ کی حکومت میں ہر جگہ جیش ہوتا ہے۔ تم جہان کسین ہو گے یہ سیر دیکھ سکو گے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ دارالسلطنت میں جوشان و شوکت اور اہتمام ہوتا ہے وہ دوسرے مقامات میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ طرہ یہ کہ جھکو بہ قسمتی سے اس جیش کی معمولی سی بھی دیکھتی نصیب نہوئی۔ کیونکہ اس تاریخ کو میں عالم آب میں تھا۔ یعنی جہاز پر سوار تھا اور آبادی سے دور آچکا تھا۔

یاد ہو گا کہ میں جب قسطنطنیہ میں داخل ہوا تھا تو یکہ و تنہا تھا۔ لیکن واپسی کے وقت دوستوں کا ایک گروہ ساتھ ہے۔ تمام احباب بندر گاہ تک ساتھ آئے ہین۔ خست کے وقت بڑی گرجاؤں سے بنگلیہ ہوتے ہین اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ خط و کتابت اور دوستانہ مراسم جاری رکھنے کے وعدے لیتے ہین۔

جہاز پر پہنچاؤ حسن ہندی پہلے سے میرے انتظار میں وہاں موجود تھے۔ ان سے ملکر نہایت خوشی ہوئی۔ دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں۔ شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا شیخ علی ظلیان جو اسی جہاز پر اپنے وطن دمشق کو جا رہے تھے میرے ہم سفر

روانگی کے وقت
احباب کا شہر

اور مونس و غمگسار تھے۔ جہاز۔ ردّوس۔ سمرنا۔ سائپر سس۔ ہوتا ہوا اس وقت پہنچا۔ ایک دن جہاز پر عجیب برہمی اور بے لطفی ہوئی۔ سائپر سس میں دو شہر ہیں۔ لرنکہ اور لمونہ۔ دونوں جگہ جہاز لنگر کرتا ہے۔ لرنکہ میں جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے انہیں سائپر سس کا ایک رئیس تھا اور چونکہ اسکو صرف لمونہ تک جانا تھا تیسرے درجہ کی چہت پر ہمارے دوست شیخ علی ظلیان کے بستر کے قریب آ بیٹھا۔ شیخ نہ موصوف باوجود فضل و کمال کے تنک مزاج آدمی ہیں۔ رئیس مذکور نے انکے بستر پر کوئی چیز رکھ دی۔ اتنی بات پر یہ برہم ہو گئے۔ وہ غریب تو چپ رہا لیکن اسکا نوکر جو صور سے قوی اور توہم مند معلوم ہوتا تھا ضبط نہ کر سکا۔ بات زیادہ بڑھی۔ یہاں تک کہ جہاز کے اور مسافر جو اکثر شامی عرب تھے ادھر ادھر سے اکٹھے ہو گئے۔ عربوں کا سہارا یا کر ہمارے دوست زیادہ تیز ہوئے۔ نوکر نے کہا آپ غصہ کیوں کرتے ہیں؟ ہم آپکی کچھ رعایا نہیں ہیں ہمارا شہر انگریزی حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان الفاظ کا اُسکے کُنھ سے نکلنا تھا کہ تمام عرب برہم ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک عرب نے کمر بٹا کر اسکو اٹھا لیا اور کہا کہ فردو! تجھکو دریا میں پھینک دیتا ہوں! اگرچہ جھوم کی جھ سے نہایت کشمکش تھی اور بعض آدمی اسکو روکتے بھی تھے تاہم وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جہاز کے کنارہ تک پہنچ گیا اور اس زور سے دو تین جھٹکے دیے کہ قریب تھا کہ وہ غریب سمندر میں جا پڑے۔ اسوقت چند آدمیوں نے نوکر کو زور اُسکے قبضہ سے چھڑا کر اشارہ کیا کہ کنجت جہاز کے کسی گوشہ میں چپ جا۔ پھر بھی تمام عرب۔ دیر تک غل کرتے اور انگریزی حکومت کی شان میں نامناسب الفاظ کہتے رہے۔ مجھ کو تعجب ہوتا تھا کہ جہاز کے افسر۔ یہ بڑھکار اپنے

اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور مطلق دخل نہیں دیتے تھے۔

ساتویں دن ہمارا جہاز بیروت پہنچا۔ شیخ علی ظلیان جہاز سے اُترے۔ میں بھی ان کے ساتھ اس ارادہ سے اُترا کہ جہاز کے روانہ ہونے تک واپس آجاؤں گا۔ شہر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شیخ طاہر **عربی** اتفاقاً آج کل ہمیں ہین شیخ موصوف دمشق میں مدرس میں اور ان کے فضل و کمال کی ان اطراف میں بڑی شہرت ہے۔ میں نے قسطنطنیہ میں ان کے اوصاف سنیے تھے۔ شیخ علی ظلیان نے کہا تمکو ان ممالک میں دوبارہ آنا نہیں ہے۔ شیخ طاہر کی ملاقات کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ غرض انکی صلاح سے میں جہاز سے اپنا اسباب اُتروالایا اور ایک ہفتہ تک بیروت میں مقیم رہا۔ چونکہ شہر صوبہ دمشق کا اسٹیشن اور اضلاع شام میں تہذیب و تمدن کا مرکز خیال کیا جاتا ہے۔ اس لیے میں اسکے حالات کی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔

بیروت

یہ نہایت قدیم شہر ہے۔ مورخین اسکے زمانہ تعمیر کی ٹھیک تعیین نہیں کر سکتے لیکن اس قدر یقینی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے پیشتر موجود تھا۔ ۲۲۲ء میں جب اسکت در سفیروس۔ رومنہ الکبریٰ کی مسند حکومت پر بیٹھا تو یہاں قانونی تعلیم کی بہت بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی۔ جو کئی سو برس تک بڑے اوج پر قائم رہی۔ ۱۲۰۰ء ہجری میں اسلام کے قبضہ میں آیا۔ لیکن زمانہ مابعد میں کئی بار مسلمانوں کے ہاتھ سے منکسر عیسائیوں کے قبضہ میں آیا۔ یہاں تک کہ ۱۵۱۷ء میں سلطان سلیم اول نے اسکو فتح کیا اور اسوقت سے آج تک ترکوں

کے زیر حکومت ہے۔

اسکی موجودہ ترقی کی ابتدا ۱۸۷۲ء سے ہے اور اسوقت سے آج تک تجارت اور آبادی کو روز افزون ترقی ہے۔ بیس برس پہلے اسکی مردم شماری چالیس ہزار تھی ۱۸۷۲ء میں تیر ہزار ہو گئی اور اب ایک لاکھ سات ہزار چار سو ہے جس میں ۳۳ مسلمان میں باقی عیسائی اور کچھ یہود اور رُوزی ہیں۔ شہر کا قدیم حصہ نہایت غرابے ہے، بڑے کھن اور گلی کو چے تنگ اور نامہوار اور مکانات پست و کم فضا ہیں۔ لیکن جدید حصہ نہایت پر رونق اور خوشنما ہے۔ ہوٹل۔ سرائیں۔ قہوہ خانے۔ کھڑکیاں ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین حریا میں ہے اور عجیب فضا کی جگہ ہے۔

بہرہ کی
موجودہ ترقی۔

زبان یہاں کی عموماً عربی ہے۔ عیسائی اور یہود وغیرہ سب عربی بولتے ہیں۔ لباس اور وضع۔ عرب کے قریب قریب ہے۔ لیکن پاجامہ کابلون کے انداز کا ہوتا ہے۔ میانی سوئڈ کی طرح نہیں تک لٹکتی ہے اور یہ بڑا حسن سمجھا جاتا ہے۔ ایک پاجامہ دس باروگہ کمین نہیں طیار ہوتا۔ مسلمان۔ عیسائی۔ رُوزی۔ سب یہی لباس پہنتے ہیں۔ البتہ نئی تعلیم یافتہ کوٹ پتلون پہننے لگے ہیں۔ اب وہو کسی قدر مڑوب ہے تاہم مشہور یہ ہے کہ تندرستی کے لیے بہت مفید ہے کہ یہاں تک کہ اور اور مقامات سے لوگ تبدیل ہوا کے لیے یہاں آتے ہیں شاید ایسا ہی ہو لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہے میں جب تک وہاں رہا طبیعت بڑھ رہی۔ دو تین دن بخار بھی آیا اور علاج کی ضرورت پڑی۔ البتہ لبنان جو ایک مشہور بہاوت ہے اور یہاں سے تین چار میل ہے اب وہو کے لحاظ سے مشہور جگہ ہے متنبی نے اسکی

لباس اور وضع

نسبت کہا ہے۔

وعقاب لبنان وكيف بقطعها وھی الشتاء وصيفه شتاء

بیروت

علمی ترقی اور مدارس وغیرہ

بیروت کی علمی ترقی۔

بیروت میں علمی ترقی اگرچہ تھوڑے زمانہ سے شروع ہوئی ہے لیکن جس تیزی سے
یہ شہر ترقی کر رہا ہے اور ترقی کی جس حد تک آج پہنچ چکا ہے اُسکے لحاظ سے تمام ممالک
اسلامیہ میں قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر اس کا ہمسر نہیں ہے۔ اور بعض خصوصیتوں میں تو اسکو
قسطنطنیہ بھی ترجیح ہے۔

عربی زبان کے
ساتھ اعتبار۔

عیسائیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پر نہایت توجہ کی ہے اور وہ ہر طرح ہمارے
شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت کوشش سے دور دور سے عرب کے قدیم
دواوین بہم پہنچائے ہیں اور انکو چھاپ کر شائع کیا ہے۔ خسارہ عنتر بن شداد العبسی -
اسمعیل ابوالعناہیہ - ابن ہانی - ابو فراس وغیرہ کے دیوان انہی لوگوں کی بدولت ہم تک
پہنچے ورنہ ان کا نام و نشان بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ عرب کے عیسائی شاعروں کے کلام
کے ساتھ (اتحاد مذہب کی وجہ سے) اور بھی زیادہ اعتنا کیا ہے اُن تمام شہر کے اشعار کو
مجموع کیے ہیں اور انکا ایک سلسلہ چھاپنا شروع کیا ہے۔ تین چار جلدیں جب تک ہیں اور
باقی طبع ہو رہی ہیں۔ اس میں جاہلیہ اور اسلام دونوں زمانہ کے شاعر داخل ہیں احفل نصرانی

جو ذوق و جریر کا معاصر اور دولت بنی امیہ کا مشہور شاعر تھا اس کا دیوان نہایت کوشش اور اہتمام سے مستقل طور پر چھاپا ہے۔ یہ دیوان نہایت نایاب اور عزیز الوجود تھا یہاں تک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے کتب خانے بھی اس سے خالی تھے صرف شہنشاہ روس کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تھا۔ چنانچہ اس کی نقل و کتابت کا انتظام کیا گیا اور سینٹ پیٹربورگ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے اس کی تصحیح کی۔ یہ قلمی نسخہ جسکو پروفیسر مذکور نے خود اپنے ہاتھ سے صحیح کیا تھا جسکو دکھایا گیا اور میں نے ان عیسائیوں کی بلند ہمتی اور ذوق علمی کا دل سے اعتراف کیا۔ مسلمانوں کو بھی کچھ غیر شافی ہے۔ ۹۔

ان لوگوں نے خود بھی فن ادب کے متعلق مفید تالیفات کی ہیں۔ چنانچہ روضۃ الادب فی طبقات شعرا العرب۔ مجانی الادب۔ شرح مجانی الادب۔ مشہور اور شائع ہو چکی ہیں۔ تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان عالموں نے ادب میں جو مفید کتابیں لکھی ہیں وہ بھی انہی عیسائیوں کی بدولت یعنی عیسائیوں نے انکو اجرت اور صلہ دیکر یہ کتابیں تصنیف کرائیں اور انکو اپنے اہتمام سے چھاپا اور شائع کیا۔ مقامات بیعی اور رسائل بیعی کی شرحیں جو حال میں نہایت خوبی اور اہتمام سے چھپ کر شائع ہوئی ہیں اسی طریقہ سے طیار ہوئی ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ ان لوگوں کو عربی زبان کے ساتھ اس قدر اعتنائیوں ہے؟۔ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ اپنے تئیں عربی النسل کہتے ہیں اور اس انتساب پر ان کو فخر ہے۔

لہذا کچھ کا مذاق اس قدر عام ہے کہ کچھ کچھ کو شعر و شاعری کا چسکا ہے۔ بہت سے لوگ صاحب دیوان ہیں اور دس بائیس قصیدے لکھنے والے تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں۔ ایک مشہور شاعر

سے تہوہ خانہ میں ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ ۴۴ برس سے مشق سخن میں مصروف ہیں۔
البتہ یہ افسوس ہے کہ مذاق صحیح نہیں۔ غزل اور بیہودہ مح سرائے کے سوا۔ اور اضافت سخن
سے نا آشنا ہیں۔ مضامین اور طرز شاعری کے لحاظ سے متاخرین کے سوا کسی کا کلام پسند
نہیں کرتے۔ میں اکثر صحبتوں میں جاہلیہ اور ابتدائی اسلام کے شعراء کے اشتہار پڑھاتا
تو مجھ کو بد مذاق خیال کرتے تھے۔

علوم و فنون جدیدہ

علوم جدیدہ اور نئے مذاق کو بہت کچھ ترقی ہے۔ فلسفہ و صنائع و فنون جدیدہ کی اکثر
کتابیں ترجمہ ہو گئی ہیں۔ بڑے بڑے کالجوں اور اسکولوں میں جو نصاب تعلیم ہے اور جو
ہمارے ہاں کے افسر اور اہل علم و ہنر کے برابر ہے عموماً عربی زبان میں ہے
صرف ڈاکٹری کی تعلیم فرینچ زبان میں ہوتی ہے جسکی وجہ ان لوگوں نے مجھ سے یہ
بیان کی کہ اس فن کے متعلق روز بروز تجربہ کو ایسی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کثرت سے
نئی نئی کتابیں تصنیف ہوتی جاتی ہیں کہ ترجمہ انکا ساتھ نہیں دے سکتا۔ فلسفہ و علوم جدیدہ
کا بڑا ماہر اور مصنف پروفیسر فائڈیک ہے جو امریکا کا رہنے والا ہے اور ایک مدرسے
پر دوت میں رہتا ہے۔ اس نے عربی زبان میں علوم جدیدہ کا ایک مرتب سلسلہ طیار کر دیا ہے۔
جس کا نام نقش فی الحج ہے۔ اسکے سوا اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں
انسائیکلو پیڈیا کا بالکل وجود نہ تھا۔ اس ضرورت کو پروفیسر بطرس نے پورا کیا۔
اس نے ۱۸۷۷ء میں اسکی ابتدا کی اور اول کی چند جلدیں مکمل کیں۔ لیکن چونکہ اسکا انتقال ہو گیا
اسکے بیٹے سلیم آفندی نے تکمیل کا ارادہ کیا اتفاق یہ کہ وہ بھی مر گیا۔ اب پروفیسر مذکور کو پورا

بیٹا نجیب آفندی باقی جلدین طیار کر رہا ہے۔ دس ضخیم جلدین اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔
 تاریخ و تعلقات تاریخ پر نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ لوگ عربی زبان کے
 ساتھ یورپ کی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں انکی تصنیفات میں وہ جامعیت ہوتی ہے
 جو یورپ والوں کی تصنیفات میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آثار اللادبار جس جامعیت اور تحقیق سے
 لکھی گئی ہے اس دعویٰ کی شاہد عادل ہے۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان عیسائیوں کی
 تصنیفات میں مذہبی تعصب کارنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صنایع العرب اور اصول المعارف
 وغیرہ میں اس قسم کی بے اعتدالیان صاف محسوس ہوتی ہیں۔

یہ مصنفین اکثر لبنان کے رہنے والے ہیں جنہیں بے بہت سے لوگ بیروت
 میں آ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کوہستان (لبنان) میں عجیب علمی مذاق پھیلادیا ہے
 اگرچہ یہ لوگ عموماً زمیندار یا کاشتکار ہیں اور ضرورت کے وقت اپنے کاروبار میں مصروف
 رہتے ہیں لیکن جو وقت انکو ان ضرورتوں سے ذرا بھی فرصت مل جاتی ہے علمی اشتغال میں
 مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسکا یہ نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ علم بیان ذریعہ دولت نہیں۔ تاہم اس
 علاقہ میں کثرت سے اہل علم اور مصنفین پیدا ہوئے اور انکے بھی موجود ہیں۔ خاص لبنان کے
 علماء اور شعرا کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے
 کہ یہ تمام علمی ترقی اور تصنیف و تالیف جو کچھ ہے عیسائیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مسلمان
 ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔

مدارس بیان کثرت سے ہیں جنہیں سے مشہور مدارس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔

نام مدرسہ	مذہب	بوڑنگ اور فیس کا خرچہ سالانہ	تعداد طلبہ	نتیجہ امتحان مدرسہ
اسرائیلیہ	اسرائیلیہ	۲۰ پونڈ	۹۷	۱۸۷۵ء
اعدادیہ	اسلام	۲۰ پونڈ	۱۵۰	۱۸۸۲ء
اکلیہ یکبیہ	روم آرتھوڈوکس	مفت		
بطریکیہ	رومن کیتھولک	۲۵ پونڈ	۱۳۷	۱۸۷۶ء
احکمہ	مارونہ		۲۲۵	۱۸۷۶ء
راہبات	لاٹین	مفت	۱۱۵	
الکلیہ السوریۃ العلمیۃ	انجیلیہ	۱۷ پونڈ	اسکا مفصل حال آگے آئیگا	۱۸۷۵ء
یعنی شام کی علمی یونیورسٹی		۲۲ پونڈ		
الکلیہ السوریۃ الطبیۃ	لاٹین	۳۰ پونڈ		
یعنی شام کی طبی یونیورسٹی				
قدیس یوسف				
عورتوں کی تعلیم کے مدارس بھی کئی ہیں جن میں سے مشہور مدارس یہ ہیں۔				
باکوۃ الاحسان	روم آرتھوڈوکس	۱۵ پونڈ	۲۵۰	
راہبات برٹشٹ	انجیلیہ	۳۰ پونڈ		
"	"	مفت	۵۰۰	
عازریات تیمی	لیٹن	"		
عازریات محبہ	"	۲۵ پونڈ		
عازریات ناصرہ	"	۳۰ پونڈ	۱۱۵	
سوریہ امیر کانیہ	انجیلیہ	۱۲ پونڈ		

درے

ننانہ مدارس

مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو اور قوموں کی تعلیمی ترقی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگی۔

تعداد مدرسے	تعداد مدارس	تعداد مدرسین اور تدریس تعداد	زبان معلم کی تعداد	تعداد طلباء ذکور	تعداد طلباء خواتین	قوم
۲۱	۳	۵۰	۲۰	۲۰۰۰	۵۰۰	مسلمان
۲۶	۳۳	۳۳۷	۱۵۰	۶۷۳۰	۵۶۶۵	عیسائی و ہندو وغیرہ

مسلمان طالب علموں کی یہ تعداد کو فی نفسہ کم ہے لیکن یہ امر اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ اس تعداد میں بھی زیادہ تر ادنیٰ درجہ کے تعلیم والے شامل ہیں۔ ورنہ اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے انکی تعداد اس قدر کم ہے کہ گویا کچھ بھی نہیں کہ تعداد افسوس کی بات ہے کہ یہ شہر اسلامی حکومت کا مرکز ہے اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہاں حاکم و محکوم کی نسبت ہے تاہم تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے کچھ نسبت نہیں تعلیم کی جو حال ہے وہ نقشہ بالا سے معلوم ہوئی ہوگی۔ تصنیف و تالیف کا حال اور پڑھ بکھا۔ اخبارات۔ مطابع۔ تجارت وغیرہ میں اس سے بھی زیادہ بتر حالت ہے۔ فاعلم ہر دایا آوی لکھا بصائر۔

الکلیۃ السوریۃ العلمیۃ

بیردت میں اگرچہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بہت سے اسکول و کالج ہیں لیکن یہ کالج یونیورسٹی ہی اور ایسوجہ سے اسکا نام کلیۃ سوریہ ہے۔ کلیۃ کا لفظ یہاں یونیورسٹی کے معنی میں اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور سوریہ ملک شام کو کہتے ہیں۔ یعنی شام کی یونیورسٹی۔ میں نے اس کالج کو تفصیل کے ساتھ دیکھا اور ایسوجہ سے اسکے حالات کی مقدار تفصیل کے ساتھ لکھا ہوں۔

مسلمان کی
ہی حالت۔

یونیورسٹی

یہ کالج ۱۸۷۷ء میں روہن کیتھولک پادریوں نے قائم کیا۔ پروفیسر اور ٹیچر قریباً ساٹھ ہیں۔
جنہیں سے اکثر کالج ہی کے احاطہ میں کمونت رکھتے ہیں۔

میں جب اس کالج میں گیا تو شیخ علی ظلیان اور عبدالباسط آفندی ساتھ تھے۔ کالج کے
دروازہ پر پہنچے تو عبدالباسط آفندی نے ہکودہین ٹھہرا دیا اور خود اندر گئے۔ تھوڑی دیر کے
بعد واپس آئے۔ انکے ساتھ ایک اور مشین شخص تھا۔ اسنے ہمارا استقبال کیا اور ہکودہین

لیکھ چلا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے۔ نیچے کے درجہ میں چھاپہ خانہ ہے اور یہ وہی چھاپہ خانہ ہے
جسے عماد کی طبع کی وجہ سے بیروت کو تمام دنیا میں روشناس کو یا ہے جس شخص نے ہمارا
استقبال کیا اسکا نام الیاس ہے اور چھاپہ خانہ کا تمام اہتمام اسی سے متعلق ہے۔ الیاس
نے پہلے ہکودہین کی سیر کرائی۔ تمام کام کل کے ذریعہ سے ہوئے ہیں رولر
کاغذ کو خود کینچ لیتا ہے۔ حرف پر سیاہی لگاتی ہے۔ کاغذ دو رتھ چپتا ہے اور زمین پر
گرتا جاتا ہے۔ حرف بھی یہیں ڈھالے جاتے ہیں۔ چنانچہ الیاس نے ہمارے سامنے چند
حرف ڈھالے۔ بیان کے کارخانہ کے حرفوں کی ایسی شہرت ہو گئی ہے کہ دور دور سے مانگ
آتی ہے۔ لیکن یہ عجیب ہے کہ جو صفائی اور خوشخطی بیان کی مطبوعہ کتابوں میں ہوتی ہے اور
کمین نہیں ہوتی۔ میں نے الیاس سے اسکی وجہ پوچھی۔ اسنے کہا کہ بیان حروف کی خوبی
کے علاوہ اور کچھ بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فرمہ اُنہار نے کے بعد غمی دیکر ایک آلہ سے اس
ترکیب سے دبایا جاتا ہے کہ حرفوں کا اُبھار بالکل جاتا رہتا ہے۔ اور کاغذ چکن و صاف
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسنے ہکودہین طرح کے فرمے دکھائے۔ اصلاح کیا ہوا فرمہ بعینہ

چھاپہ خانہ

پتھر کا چپا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے صفائی طبع اور جنون کی موزونی کی بہت تعریف کی۔ الیاس نے کہا کہ اصل میں اس تعریف کا مستحق ابوالضیا ایک ترک ہر جس نے یہ حرف ایجاد کیے ہیں۔ البتہ ہم نے اسکو زیادہ جلا دی ہے۔

مطبع ہی میں جلد سازی کا بھی کارخانہ ہے۔ نہایت عمدہ مطلقاً و مذہب جلدین طیار ہوتی ہیں یہاں تک کہ تمام دمصر سے فرمائشیں آتی ہیں۔ میں نے یہاں باقی دانت کے پٹھے دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

جلد سازی

چاہے خانے سے فراغ ہو کر پہنچے کالج کو دیکھنا چاہا چونکہ اس کام کے لیے کالج کے کسی پروفیسر کا رہنا ہونا ضرور تھا الیاس نے پہلے پروفیسر لٹون سے ہماری ملاقات کرائی۔

کالج۔

یہاں ایک نہایت معقول طریقہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے ملک میں اسکی تقلید کی جائے۔ کالج کے ملازم اور پروفیسر وغیرہ جو کالج میں سکونت رکھتے ہیں۔ ان کے کمر دن کے صدر دروازہ پر ایک چھوٹی سی تختی لٹکتی رہتی ہے۔ اس تختی پر جدا جدا سطرون میں صبح سے شام تک کے کاموں کی تفصیل لکھی ہوتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب خانہ کس وقت کمان ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ مثلاً پہلی سطر میں لکھا ہے لکچر روم دوسری میں کمانے کا کمرہ۔ تیسری میں سیر و تفریح۔ و علی ہذا۔ تختی کی پیشانی پر ایک سوئی لٹکتی رہتی ہے۔ صاحب خانہ جبوقت جس کام میں مصروف ہوتا ہے سوئی کو اس سطر کے سامنے تختی پر اٹکا دیتا ہے جس میں کام اور کام کے موقع کا ذکر ہے۔ جو شخص ملاقات کو آتا ہے اولاً اسکی نگاہ تختی پر پڑتی ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب خانہ اسوقت کمان ہے

اور کس کام میں ہے؟ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ طریقہ کالجوں کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر طبقہ میں رائج ہے۔ بہر حال یہ عمدہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اسکی تقلید کی جائے۔

پروفیسر انطون

غرض ایسا نئے ہیکو پروفیسر انطون سے ملایا۔ پروفیسر مذکور نہایت قابل اور لائق شخص ہے۔ فریج زبان خوب جانتا ہے۔ عربی علم ادب کا اُستاد ہے۔ دیوان اخیل جو حال میں چپا ہے اسکی تصحیح اور اہتمام سے چپا ہے۔ دیوان مذکور پر اُس نے جو حاشیہ چڑھائے ہیں وہ مستقل شرح کی برابر ہے۔ اور اس سے اُسکی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کالج کا

مہفتہ وار اخبار جو عربی زبان میں نکلتا ہے اور جب کا نام البشیر ہی اسی کی اڈٹیری میں نکلتا ہے۔ ہم نے اسکی وجہ سے کالج کی ایک ایک عبارت اور آلات وغیرہ کی سیر کی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کالج یہاں کے عیسائیوں کے لیے باعث فخر اور تمام مسلمانوں کے لیے موجب رشاک ہے۔ مہر و شام کا تو کیا ذکر ہے قسطنطنیہ کا بھی کوئی کالج اسکی ہمسری کا دعویٰ

عبارت کی خوبی

نہیں کر سکتا۔ عبارت اس قدر شاندار، موزون، اور خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اور ہر کی منزل کا فرش بالکل سنگ مرمر کا ہے۔ اور سنگ سیاہ کی بچے کاری ہے مگر بے

درسین کی تعداد

نہایت کثرت سے ہیں۔ پروفیسر اوچپ پر جو ۴۰ سے زیادہ ہیں اور شب و روز کالج ہی میں رہتے ہیں سب کے لیے الگ الگ کمرے ہیں۔ ایک عالی شان کمرہ جو نہایت عمدہ فرنیچر

اور ساز و سامان سے آراستہ ہے اور جسکے چاروں طرف مینبتیل میز اور گردہبت سی خوبصورت کرسیاں سجی ہیں پروفیسر دن اور اُستادوں کے لیے مخصوص ہے۔ فرصت کے اوقات

میں وہ لوگ یہاں آ بیٹھتے ہیں اور دوستانہ صحبت کرتے ہیں۔ اس میں ایک چھوٹا سا

کتب خانہ بھی ہے جسکا اسی چاہتا ہے کوئی کتاب اٹھا لیتا ہے اور اس سے دل بہلاتا ہے۔ محکمہ اسوقت خیال آیا کہ ہمارے کالج میں یہ بڑی کمی ہے کہ اس قسم کی کوئی عمارت نہیں جہاں تمام اساتذہ کٹری دو گٹری مل بیٹھا کریں۔ حالانکہ اس قسم کی صحبت۔ دل بہلانے کے سوا قومی مذاق کے لیے نہایت مفید ہے۔

کالج میں سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے اور اس غرض سے نہایت بیش قیمت آلات اور نایاب چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ بہت سی الاریاں جن میں عجیب عجیب مختلف رنگ اور صورت کے پتھر اور جڑے مٹی کے ٹکڑے ہیں یہ نادر چیزیں طبقات الارض کی تعلیم کے لیے درود در مقام سے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات کا الگ کرہ ہے اور بہت وسیع ہے۔ پروفیسر انطون نے مجھ سے کہا کہ ان نباتات کی حفظ و پرداخت میں نہایت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پروفیسر مذکور نے ایک قسم کی گھانس دکھائی اور کہا کہ یہ ہندوستان کے سوا اور کہیں نہیں پیدا ہوتی اور زمین سے منگوائی گئی ہے۔

کالج کے ساتھ بورڈنگ بھی ہے اور اسی وضع کا ہے جیسے قسطنطنیہ کے بڑے بڑے کالجوں کے بورڈنگ ہیں۔ کالج کی لائبریری اگرچہ بہت بڑی نہیں ہے لیکن کتابیں نادر اور کیاب جمع کی گئی ہیں۔

جو کتابیں چھپی نہیں اور ان کے قدیم نسخے نہیں مل سکے۔ یورپ اور ایشیا کے مشہور کتب خانوں سے انکی نقل استنساخ کا انتظام کیا ہے۔ ابن رشید قیروانی کی کتاب العہدہ جو اپنے باب میں بیش از نادر کتاب ہے میں نے اسی کتب خانہ میں دیکھی۔ اس کالج میں عربی زبان اور

کالج کتب خانہ

فرسج کی تعلیم لازمی ہے۔ باقی زبانیں اختیاری ہیں چنانچہ ترکی کی ایک جرمن کی ایک انگریزی کی پانچ لاطین دیونانی کی سات کلاسیں ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بائبل اور عموماً عیسائی ہیں اور عیسائی بھی رومن کیتھولک جنہیں بہ نسبت اور فرقوں کے تعصب زیادہ ہوتا ہے تاہم ادب کے نصاب میں قرآن مجید کا انتخاب بھی شامل ہے۔ جس سے نہایت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت میں پیش ہونا انکو بھی مسلم ہے۔ علوم جو پڑھ جاتے ہیں انہیں فلسفہ، حال و علوم طبیعیہ کے علاوہ موسیقی و تصویر کشی کا فن بھی داخل ہے طلباء کی تعداد ۵۰۰-۶۰۰ کے بیچ ہیں یہ جنہیں مسلمان صنفہ ۱۰ ہیں۔

طالب العلموں کی تعداد۔

کالج کی عمارت باوجود اسکے کہ بیروت میں تمام چیزیں نہایت ارزان ہیں دس لاکھ فرانک میں طیارہ ہوئی ہے اور یہ کل رقم یاد ریون کی ایک جماعت نے ادا اور مہیا کی ہے۔

اس کالج کے ساتھ میڈیکل (طبی) کالج بھی ہے۔ لیکن اسکی عمارت کی مقدار نا صلیہ ہے۔ پروفیسر الفنون نے ہیکو اسکی بھی سیر کرائی۔ عمارت نہایت وسیع اور بلند اور آلات نہایت بیش قیمت اور کثرت سے ہیں۔ تشریح کے سکرے میں جو بہت لہنا اور وسیع ہے۔ انسان کے ایک ایک عضو کی تصویر موم کی بنی ہوئی ہے اور یہ خوبی و صفائی سے بنائی ہے کہ نقل ہونے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک ایک عضو کے متعلق حسب قدر امراض ہیں اسی تعداد کے موافق ہر عضو کے متعدد نمونے ہیں۔ چنانچہ ایک خانہ میں کم بیش ۲۰۰ آنکھیں ہیں کسی نین چھٹی ہے۔ کسی میں ناخن ہے کسی کی پلکین جڑ گئی ہیں۔ میں نے ہندوستان کا کوئی میڈیکل کالج نہیں دیکھا ہے۔ لیکن مجھکو کافی یقین ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک کالج بھی

طبی کالج

اس سے بڑھ کر بلکہ اسکی برابر بھی نہوگا۔

پروفیسر الفنون نے ہماری لیے جو تکلیف اٹھائی اور جس توجہ اور اخلاق سے وہ تمام کمروں اور چیزوں کے ہیکو سیر کرائی رہا۔ یہ نہایت ناشکری ہے کہ میں اس موقع پر اسکا دلی شکریہ نہ ادا کروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر مذکور مجھ سے بل کر خوش ہوا۔ چنانچہ اس ہفتہ میں البشیر کا جو بچہ نکلا اسمین ایک اڈیٹوریل نوٹس میرے متعلق تھا جسکی عبارت یہ ہے۔
اجتمعنا فی هذه الايام على حضرة العالم الشيخ شبل النعماني المعلم الاول للعلوم العربية في بلدة علمك دة من بلاد الهند فرأينا فيه حلا كثيرا المعارف وهو جاز النشأن المجیدی من الرتبة الرابعة۔ اقام فی الاستانة العلیة مدة ۱۳ اشهر حضراتی بیروت وتوجه هذا النہار لانی زیارة بیت المقدس ثم منها الی مصر ثم الی بلاد الهند۔

جمعیات اور اخبارات

ہماری زبان میں انجمن کا لفظ جس معنی میں بولا جاتا ہے اُسکے مقابل بیان جمعیت کا لفظ ہے۔ مصر وغیرہ میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے۔ انجمنیں بیان کثرت سے ہیں اور اُنکے مقاصد نہایت مفید ہیں۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی نہیں۔ بعض مشہور انجمنوں کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔ جس سے اُنکے مقاصد بھی معلوم ہوں گے۔

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
مجلس ملی	روم آرتھوڈوکس	رفاہ عام	مظہران غفریل

نہیں اور اخبارات
سارے۔

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
تعلیم سیحی	روم آرتھوڈوکس	مذہبی	منظران غفر نیل
قدسین بوسن و غیر رسول	ایضاً	ایضاً	ایضاً
خیریه	ایضاً	اعانت فقراء	خواجہ سلیم
مرضی	ایضاً	غریبون کا علاج	خواجہ نجیب
دفن الموتی	ایضاً	لاوارثہ و غریبہ اشخاص کے تحفہ و تدفین	خوری یعقوب
زہرۃ الاحسان	ایضاً	فن ادب	سیدہ طریقہ
خیریه	مارونیه	اعانت فقراء	خواجہ خانانہ
دائرہ علمیہ	ایضاً	ترقی علوم	منظران یوسف
انجمن مارمارون	ایضاً	فن ادب	سلیم آفندی
یوحنا مارون	مارونیه	رفاہ عام	خواجہ خلیل
خیریه	رومن کیتھولک	اعانت فقراء	یشارہ خوری
دیر القمہ	ایضاً	ایضاً	خواجہ قتلہ
شمس البر	سیحی	ادب	سلیم آفندی کباب
باکورة السوریہ (یعنی شام کی صبح)	✠	ادب	سیدہ عتیق
انجیلیہ	انجیلیہ	رفاہ عام	خلیل آفندی کرس

اس فہرست کے ظاہر ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جتنی شاخیں ہیں سب کی الگ الگ انجمنیں ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے اس فضول کام کو سرے سے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔
 اخبارات و رسالے جو یہاں سے نکلتے ہیں ان میں البشیر بیروت، تقدم
 نشرات الفنون، الصبح المنیر، الصفا، لسان الحال، المصباح،
 المدیۃ، النشرة الاسبوعیۃ، حلیۃ الاخبار، زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں بیروت اور
 غرات الفنون کے سواے اور تمام اخباروں کے مالک اور اڈیٹر عیسائی ہیں۔ چونکہ مطبع
 کو یہاں آزادی نہیں ایسے ان اخبارات میں معمولی خبروں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ البتہ
 علی رسالے بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں اور خصوصاً الصفا اور المقطف تو اس
 شان کے پرچے تھے کہ یورپ کے میگزینوں کی برابری کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ
 الصفا بند ہو گیا اور المقطف نے اپنا مقام بدل دیا۔ یعنی اب قاہرہ سے نکلتا ہے۔

صد خانہ

یہاں ایک مختصر سا صد خانہ بھی ہے جسکو پروفیسر فان ڈیک امریکانی نے ۱۸۷۷ء
 میں قائم کیا تھا۔ اس میں صد کے متعلق اکثر ضروری آلات موجود ہیں۔ ہر روز جو امور رجبہ سے
 معلوم ہوتے ہیں۔ اسکی اطلاع بذریعہ تار کی قسط طینہ بھیجی جاتی ہے اور وہاں سے
 یورپ وغیرہ میں شائع ہوتی ہے۔ اسکا اہتمام اب سٹر بارٹ کے ہاتھ میں ہے جو دوسرے
 امیر کانینہ میں۔ ریاضیات۔ کاپروفیسر ہے۔



عام حالات اور بیروت کے احباب

میں اور لکھ آیا ہوں کہ بیروت میں قیام کرنے کا اصلی سبب شیخ طاہر مغربی سے ملنا تھا۔
 چنانچہ عبدالباسط الانسی کے ذریعہ سے ان سے ملاقات ہوئی اور دیر تک علمی صحبت رہی۔
 دو تین دفعہ اور ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک بار فرود گاہ پر بھی تشریف لائے۔ شیخ موصوف ابھی جوان
 ہیں۔ لیکن علم و فضل کی وجہ سے لوگ انکی بہت عزت کرتے ہیں۔ میں نے انکے کمال کا
 جس چیز کو جوہر سمجھا اور جس کا مجھ کو خود تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ شیخ موصوف اور علما کی طرح محدود
 خیال کے آدمی نہیں ہیں۔ نئے خیالات سے آشنا ہیں۔ کس قدر فریخ بھی جانتے ہیں۔
 فرانس کی سیر کی ہے۔ قومی جہودی کا مادہ ہے اور مسلمانوں کے منزل سے بخیر نہیں ہیں۔
 اگر یہ مذاق ان ممالک کے عام علما میں پیدا ہو جائے تو ترقی کی واقعی امید ہو سکتی ہے۔
 شیخ موصوف و مشفق کے مدرسہ میں مدرس ہیں۔ وہ صاحب تصنیفات بھی ہیں۔
 اور ریاضی کے فن میں انکی بعض تصنیفات چمکے شائع بھی ہو چکی ہیں۔

بیروت کے اور علما اور اہل کمال سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ میں معمولاً عبدالباسط
 الانسی کی دوکان پر بیٹھا کرتا تھا۔ وہ ان اکثر اہل علم اور آریاب مناصب آنکھتے تھے اور
 ان سے ملاقات و لغات ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہر میں زیادہ چرچا ہوا تو بعض بعض حضرات
 میری قیام گاہ پر بھی تشریف لائے۔ ان میں سے شیخ عمر جبلی اور ایک اور صاحب جن کا نام
 اب یاد نہیں رہا میرے حال پر نہایت عنایت فرماتے تھے۔ شیخ عمر جبلی مشہور رسالہ

الصفا کے مالک اور متمم ہین اور نہایت فیاض اور خوش اخلاق ہین دوسرے صاحب جو طالب علم ہین منطق کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے۔ مین نے تنگی وقت کا عذر کیا۔ تاہم وہ اکثر تشریف لاتے تھے اور فن ادب کے تذکرے رہتے تھے۔ ایک دن مجھ سے پوچھا کہ مثبتی کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ مین نے کہا کہ لہ حسنات و سیات“ بولے کہ لہ الحسنات یدہبن الہعیات“۔ مجھ کو ان کا پُر لطف جواب نہایت پسند آیا۔

ایک دن عبدالباسط الانسی نے میری دعوت کی اور بیروت کے اکثر مشہور علما کو مدعو کیا۔ شیخ عبدالقادر جزیری جو الجزائر کا بادشاہ تھا اور ایک مدت تک فرانس کے ساتھ معرکہ آرا ہوا اسکو بھیجے شیخ عبدالرحمن الجزیری مدرسہ سیمان رہتے ہین اور سلطان کے ہان سے وظیفہ پاتے ہین وہ بھی تشریف رکھتے تھے نہایت مُعز اور صاحب علم ہین۔ عبدالباسط الانسی کے مکان میں چھوٹا سا خوبصورت باغ ہے۔ سب لوگ وہاں بیٹھے بیچ اور کرسیوں کی نشست تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ کمانے کے کمرہ مین گئے کمانا انگریزی طریقہ پر تھا یعنی میز اور کرسیاں چھین۔ اور ایک کمانا ہو چکنا تھا تو دوسرا لایا جاتا تھا۔ ایک ڈش کے بعد دوسری ڈش آتی تھی۔ مین نے شیخ طاہر مغربی سے کہا کہ ہندوستان مین ایسا اتفاق ہوتا تو منشا بکہ بقوم کا فتویٰ لگایا جاتا۔ بولے کہ اُن حاکم مین ہی مناسب ہے کیونکہ وہاں اسلامی حکومت نہیں رہی۔ اسیلے رسم و رواج اور مذہبی تقصبات کا (گودہ صحیح نمون)

قائم رکھنا ضرور ہے۔ تاکہ مذہب کا عام اثر کم نہ ہونے پائے۔ لیکن اسلامی ممالک میں ان فضول باتوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہ صحبت دیر تک رہی اور بڑے لطف سے گزری۔ کہانے بھی نہایت لذیذ اور خوشگوار تھے۔

چونکہ میان کی آب و ہوا مطلوب ہے میری طبیعت برابر مدھر رہی۔ ایک دن بخار بھی آگیا۔ طبیعت کی تاسازی۔ عبدالواسطہ آفندی کے چچے کو بھیجی تھی عبدالرحمن الانسی میان کے مشہور ڈاکٹر دن میں بہن اور مرض کے ٹڈیکل کالج میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی ہے۔ علاج کی غرض سے میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے نہایت مہربانی کی اور کہا کہ ”آپ جب قیام گاہ پر تشریف لے جائیں گے تو دوا دہن ہو بیچ جائیگی۔“ چنانچہ دو گھنٹہ کے بعد ایک آدمی دوا کی شیشی لے کر آیا اور کہا کہ اگر اس سے آرام نہ ہو تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجیے گا۔ دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ خوش مزہ بھی تھی۔ بخار اُسی دن جاتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یورپ کے طریقہ پر تعلیم پائی ہے لیکن ایشیائی بلکہ اسلامی مہمان پرستی کا اثر اس قدر باقی ہے کہ نفیس درکنار دوا کی بھی قیمت لینی گوارا نہ کی۔

اس بخار نے بڑا ہی یکساں طریقہ کی سیرفت میں جاتی رہی۔ اندرون طرابلس کے بعض علما اتفاق سے وہاں آگئے تھے۔ ایک صحبت میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان لوگوں نے نہایت اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ طرابلس چلو۔ طرابلس مشہور اسلامی شہر ہے اور بعض اسلامی خصوصیتوں کے لحاظ سے بڑا یادگار مقام خیال کیا جاتا ہے۔ بیروت سے صرف دو دن کی راہ ہے۔ کافی وقت تھا کہ میں وہاں جا کر جہاز کی روانگی تک واپس

آہٹا۔ مین نے ہر طرح طیاری بھی کر لی تھی۔ لیکن عین وقت پر بخارا گیا اور یہ حسرت دل کی
دل ہی مین رہ گئی۔

اس سے زیادہ قسمتی یہ کہ اجاب نے بھی ساتھ چھوڑا۔ شیخ علی طلبیان جو کئی مہینے
تک اینس وہم رہے تھے صرف میری وجہ سے بیروت میں مقیم تھے و مشق
سے اُنکے والد ماجد کا خط آیا اور انکو مجبوراً اجانا پڑا رات کے آٹھ بجے روانگی کا وقت تھا۔
رخصت کے وقت گلے سے ملکر میرے شانوں کو بوسہ دیتے تھے (ہیان یہ عام دستور ہی)
اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

تمتع من شمیم عراق رنجید	فما بعد العشیۃ من عراق
-------------------------	------------------------

یعنی اب نجد کے عراق (ایک بھول کا نام ہے) کی خوشبو سے لطف اٹھانا ہو تو اٹھا لو
ورنہ آج کی رات کے بعد پھر عراق نصیب نہیں ہو سکا۔

بیروت میں مین نے جس چیز کو نہایت ناپسند کیا وہ ایک مکان ہے جسکو معنی کہتے
ہیں۔ یہ نہایت نامزدب۔ اور مخرب اخلاق چیز ہے اور معلوم نہیں کہ ایک اسلامی حکومت نے
اسکو کیونکر جایز رکھا ہے۔ عین ہٹک پر ایک عالیشان دو منزلہ مکان ہے۔ اوپر کی منزل
مین ایک وسیع کمرہ ہے جس میں ترتیب کے ساتھ بہت سی کرسیاں بھی ہیں۔ صدر کی جانب
ایک بلند مستطیل چوڑہ ہے۔ بہت سی یورپین لیڈیان اسپرینٹنگ گاتی بجاتی ہیں۔ ایک
درد ختم ہو جاتا ہے تو لیڈیان چوڑہ سے اُتر کر مین ٹھلتی ہیں۔ اور معشوقانہ انداز کے ساتھ
تماشا یون کے پاس سے گزرتی ہیں۔ جسکو منظور ہوتا ہے اشارہ سے انکو بلاتا ہے

یعنی کاہر ہو وہ
یہ

اور وہ بڑے ناز انداز سے اسکے پہلو میں آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ نہایت بھیلی اور بی شرمی کے ساتھ اختلاط شروع ہوتا ہے۔ شراب کا دور چلتا ہے۔ ایک دوسرے کے گلے میں باہین ڈالکر ٹھمتی ہیں۔ معانقہ بوس و کنار غرض بھیلی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے خود بالکے منش و روانفسنا و منسیات اعمالنا۔

بیروت سے روانگی

بیروت میں میری طبیعت یوں ہی بد مزہ تھی۔ شیخ علی غلیان اور شیخ طاہر مغربی چلے جانے کے بعد اور یہی وحشت ہوئی۔ لیکن جہاز کے انتظار میں چار و ناچار دو تین روز اور ٹھہرنا پڑا۔ ۸ صفر ۱۳۱۰ ہجری شام کے وقت بیروت سے روانہ ہوا۔ شیخ عبدالباسط اور شیخ عمر جلی بندر گاہ تک ساتھ آئے اور انہی کے ذریعہ سے اسباب وغیرہ کے انتظام میں نہایت آسانی ہوئی۔ دوسرے دن جہاز یا قہم پہنچا۔ جہاز کے لنگر کینے ساتھ ملاحوں اور قلیوں کا حملہ ہوا اور اس قدر شور و غل اور اتہری پیدا ہو گئی کہ میرے حواس جاتے رہے۔ میرا اسباب ہر چند نہایت مختصر تھا تاہم اُسکے بھی حصے بچ کر لیے گئے۔ اور جس ملاح کو جب قدر ہاتھ لگا لیکر چلتا ہوا اور اپنی کشتی میں جا کر کہہ آیا میں حیران تھا کہ خود کمان جاؤں۔ آخر تن بقدر ایک کشتی میں بیٹھ گیا۔ کنارے پر پہنچ کر دیر تک اُس کشتی کا انتظار کرنا پڑا جس میں بقیہ اسباب تھا۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو آگے پر روانہ زرا باری اور معائنہ اسباب کی مصیبت کا سامنا تھا۔ بارے ہزار غرابی دو ہرنگ ان جھگڑوں سے نجات ملی۔ اور ناز نظر کے قریب شہر میں پہنچا۔

یافہ جسکو انگریزی میں جافا کہتے ہیں نہایت قدیم شہر ہے تو ریت میں اسکا ذکر ہے اور مورخ بلینی کا بیان ہے کہ طوفان نوحؑ نے پہلے موجود تھا۔ سلسلہ ہجری میں کہ حضرت عیسیٰؑ کی خلافت کا عہد تھا اسلام کے قبضہ میں آیا۔ چونکہ یہ شہر بیت المقدس کا اسٹیشن ہے یعنی یہیں سے بیت المقدس جاتے ہیں اسلئے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت رہتی ہے۔ شہر کا وہ حصہ جسکو یورپین آبادی کما جاسکتا ہے خوبصورت اور پُر فضا ہے۔

مبوءہ جات یہاں کثرت سے ہوتے ہیں۔ انار نہایت عمدہ ہوتا ہے اور بہت سستا آتا ہے۔ ایک بڑی خصوصیت اس شہر کی یہ ہے کہ شہر کے باہر باغون کا ایک سلسلہ ہے اور متصل دو تین میل تک چلا گیا ہے۔ بیت المقدس یہاں سے ۴۰ میل ہے۔ اب تو ریل جاری ہوگئی ہے لیکن اسوقت شکر مچاتی تھی۔ میں مغرب کے قریب سوار ہوا۔ راہ میں بعض مشہور مقامات (ارملہ وغیرہ) آئے۔ لیکن رات کی وجہ سے میں کچھ دیکھ نہ سکا۔

صبح ہوتے ہوتے پہاڑوں کا سلسلہ نظر آیا جو لبر بند ہوتا چلا گیا ہے۔ شکر اگرچہ بڑے کچ دیچ سے چکر لگاتی ہوئی گئی ہے لیکن نہایت صاف اور بھوار ہے۔ پہاڑ کا دامن بالکل سبز اور شاداب ہے۔ اور عجیب لطف و فضا کا مقام ہے۔ جا بجا عرب بدوؤں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ مکانات اگرچہ تنگ و مختصر ہیں۔ لیکن بالکل سفید تہہ کے ہیں۔ سبزہ زار میں یہ سپیدی نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ دس بارہ میل چکر ختم ہوا۔

اور بیت المقدس کی آبادی نظر پڑی۔

بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے میں ایک ہفتہ بیان رہا اور مسجد اقصیٰ اور قمامہ وغیرہ کی سیر کی۔ گاڑی سے اتر کر میں سیدہ عبدالرزاق آفندی کے مکان پر گیا۔ انہوں نے بے ہمتائی کی (یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں تفصیل کے ساتھ آئیگا) تو ہوٹل میں جانے کا قصد کیا۔ راہ میں ہندیوں کا زادیہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ بیان کے لوگوں سے منا سفید ہوگا۔ چنانچہ زادیہ میں داخل ہوا تو پہلے شیخ زادیہ کا سامنا ہوا۔ یہ شیخ۔ رام پور کے رہنے والے ہیں اور ایک مدرسے میں رہتے ہیں۔ بیچارے کچھ پڑھے لکھے نہیں۔ لیکن نہایت معقول اور منظم آدمی ہیں۔ زادیہ کو نہایت خوش سلیقگی سے درست کیا ہے۔ ایک کمرہ جو ملاقاتیوں کیلئے مخصوص ہے معقول طور پر آراستہ ہے۔ صحن میں بہو کوئی کیا ریاں ہیں۔ سلام علیک اور مزاج برسی کے بعد باتوں باتوں میں جب اُنکو معلوم ہوا کہ میں ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ تم کو بیان منہجی صاحب اور دیگر اہل علم سے ملنا ہے وہ ہوٹل میں ٹھہرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ میں زادیہ ہی میں ٹھہرا۔ لیکن زادیہ کا کھانا اس خیال سے نہیں کھاتا تھا کہ وہ فقرا اور محتاجوں کے لیے مخصوص ہے۔

بیت مقدس۔ مسجد اقصیٰ۔ قمامہ

بیت المقدس کسی خاص عمارت کا نام نہیں بلکہ شہر کا نام ہے۔ لیکن بیان زیادہ بیت المقدس مقدس کہتے ہیں یہ مبرک شہر اگرچہ حضرت داؤد و سلیمان کی انتساب سے شہر ہے مگر کہتا ہے اور گویا اسکے وجود کی تاریخ انہی انبیاء کے عہد سے شروع ہوتی ہے لیکن حقیقت

بیت المقدس
اور زادیہ انہوں۔

بیت المقدس
کی انتسابی تاریخ۔

وہ اس عہد سے بہت پہلے موجود تھا۔ حضرت عیسیٰ سے ۱۰۴۸ برس پہلے حضرت داؤدؑ نے اسکو مدیون سے چھینا اور اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اس عہد سے آج تک وہ بڑے بڑے تاریخی واقعات کا مرکز رہا ہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبیلہ تھا اور عیسائیوں کا آج بھی ہے۔

موجودہ شہر کی آبادی پچاس۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔ مکانات اور عمارتیں معمولی درجہ کی ہیں۔ سڑکیں بھی چند ان وسیع نہیں ہیں اور چونکہ اکثر جگہ مسقف بازار ہیں اسلیے زیادہ تنگی بلور تاریکی ہے۔ شہر کے گرد بہر کی شہر بنا ہوا ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۲۳ء میں طیار کرائی تھی۔ یہ حالت قدیم شہر کی ہے۔ لیکن جدید آبادی نہایت پرفضا اور پُر رونق ہے۔ سڑک نہایت وسیع اور دونوں طرف عالی شان عمارتیں ہیں۔ بنگلے اور کوٹھیاں اکثر تھیں اور احاطے عموماً وسیع اور سبزہ وچمن بندی سے آراستہ ہیں۔ تمام شہر کی زبان اور وضع و لباس عربی ہے۔ قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی ہر سب سے زاویے اور ٹکیے ہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک کے لیے الگ الگ زواہر ہے اور مسافروں کو کھانا اور قہوہ مضمت ملتا ہے۔

آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ نین گسٹ کے آغاز میں پہنچا تھا۔ تاہم دن کو گلابی جاڑا ہوتا تھا اور رات کو تو چھٹی خاصی سردی پڑتی تھی۔ میونسٹری کے اور نہایت خیرین ولدین ہوتے ہیں اسوقت انکو کرا آغاز تھا۔ جب طرح ہمارے ہاں صبح کے وقت بھٹے گلابین وغیرہ ٹوکروں میں بہر بہر کر بازار میں لاتے ہیں اور روز تک ڈھیر لگ جاتا ہے بعینہ ہی حالت

ہیاب انگورون کی ہے۔ میرا تمام دن یہ مشغلہ رہتا تھا کہ انگور کے دانے ٹھونک کر ناسخا۔

مسجد اقصیٰ

یہ وہ مبارک مسجد ہے جسکی بنا حضرت داودؑ نے ڈالی اور حضرت سلیمانؑ نے انجام کو پہنچایا۔ مسجد کا احاطہ جبکہ حرم کہتے ہیں نہایت وسیع ہے لیکن زیادہ تر ناہموار اور غیر مسطح ہے اور اکثر جگہ خود رو گھاس اور جھاڑیاں ہیں۔ مین نے لوگوں سے اسکا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ سلطان نے کوئی دفعہ اسکی مرمت اور درستی کے لیے رقم کثیر بھیجی۔ لیکن کارپردازوں اور مجاوروں نے اسکا بہت کم حصہ صرف کر لیا۔ طرہ یہ کہ مین نے خود مجاوروں سے پوچھا تو ایک صاحب نے فرمایا کہ ”ہاں کچھ رقم مجاوروں کے تصرف میں بھی آتی ہے اور کیون نہ آئے۔ باورچی کھانا پکاتا ہے تو نمک خواہ خواہ کچھ لیتا ہے۔“

مسجد کی عمارت جسکا طول (۱۰۰۰) گز اور عرض (۷۰۰) گز ہے نہایت خوبصورت پیر تکلف اور شاندار ہے۔ چیت ستونوں پر ہے اور (۷۰۰) صحن رنگ رخام کے ستون ہیں۔ جابجا سچے کاری اور طلائی کام ہے۔ یہ عمارت جسقدر ہے عبداللہ بن مروان کی بنوائی ہے۔ البتہ بنیادوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت داودؑ کے عہد کی ہیں۔ بائیں جانب عمارت کے کئی قدر فاصلہ پر ایک وسیع خانہ ہے۔ دس بارہ سیر ہیاب اتر کر سطح زمین ملتی ہے۔ ہیاب نہایت عالیشان محرابوں کی سات قطاریں ہیں۔ محرابوں کے ستون نہایت وسیع اور بلند ہیں۔ مجاورین ان محرابوں

کو حضرت سلیمان کے عہد کی تعمیر بتاتے ہیں اور اس قدر تو یقینی ہے کہ اسلام کے قبل کی ہیں۔

حرم مسجد میں اور بہت سے متبرک مقامات ہیں۔ مثلاً قبۃ السلسلۃ۔ قبۃ المعراج۔ قبۃ النبی صلعم لیکن سب میں زیادہ پریشان قبۃ الصخرہ ہے۔ یہاں وہ پہرہ رکھا ہوا ہے جسکی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ آسمان زمین کے بیچ میں معلق ہے اور قیامت کے دن عرش مجید اسی پر رکھا جائیگا۔ اہل عرب اسکو صخرہ اور ہمارے ملک کے عوام تخت رب العالمین کہتے ہیں

فسرۃ اس میں شبہ نہیں کہ یہ پہرہ نہایت قدیم زمانہ کا ہے اور ہر زمانہ میں اسکی نہایت عظمت لگتی رہی ہے۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پر قدم رکھا تھا۔ چنانچہ

سلطان صلاح الدین کے عہد سے پہلے جب اس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو انہوں نے اپنے خیال کے موافق اس نشان پر سونے کا قبۃ بنایا تھا۔ مسلمان بھی اسکی نہایت عزت کرتے ہیں لیکن جبکہ معلوم نہیں کہ کسی صحیح حدیث میں بھی اسکی کوئی فضیلت مذکور ہے۔ بہر حال قبۃ کی صورت یہ ہے کہ ایک بلند چوڑے پرشمن برج ہے جسکی بندی کموشیں (۱۰۰) فٹ ہے۔ چہت اور دیواروں پر نہایت عمدہ لاجوردی اور طلائی کام ہے اور بڑے بڑے

مدنوں کا بنا ہے تاہم اس قدر روشنی اور چمک ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی۔ مختصر یہ کہ زیب و زینت کے لحاظ سے علامہ بشاری کا یہ دعویٰ چند ان بیجا نہیں کہ ”تمام ممالک اسلامیہ میں میں نے ایسی خوبصورت اور پر شکافت کوئی عمارت نہیں دیکھی“ چند بیڑیوں سے آکر کرفارمیں داخل ہوتے ہیں جہاں وہ مقدس پہرہ رکھا ہوا ہے۔ غار اس قدر وسیع ہے کہ آٹھ

ستر آدمیوں کی بخوبی گنجائش ہے۔ صخرہ زمین سے دو قدم بلند ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ بالکل ہوا میں معلق تھا۔ ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں ایسا ہی ہو۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک دُور دیوار ہے اور صخرہ اس پر اس طرح رکھا ہوا ہے کہ دیوار کی حیثیت بن گیا ہے۔ مجاورین کا بیان ہے کہ صخرہ کو ہوا میں معلق دیکھا کر لوگ اس کے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک عورت کو اسقاطِ حمل ہو گیا۔ یہ واقعہ شیخ محی الدین اکبر کے عہد میں ہوا تھا۔ شیخ موصوف نے اس کے گرد دیوار کنجوا دی کہ بظاہر معلق نہ معلوم ہو۔ مجاورین یہ بھی کہتے ہیں کہ دیوار اس قدر بو دی اور اندر سے کھوکھلی ہے کہ کسی طرح صخرہ کا بائیں میں اٹھا سکتی۔ چنانچہ ایک مجاور نے میرے سامنے۔ دیوار کو اٹھکی سے کھٹ کھٹایا اور کھن کھن آواز نکلی۔

یہ واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر سین شہر نہین کہ یہ مقام مدت تک انبیاء کی کرام کا سکن اور وحی و الہام کا مضرب رہا ہے۔ ایسے آیات اور تخلیقات الہی کے جس قدر آثار بیان ہو جو ہوں محل تعجب نہین۔ بیت المقدس اور اُس کے قرب و جوار میں اور بھی بہت سی زیارت گاہیں ہیں۔ مثلاً بیت اللحم۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے تھے مقام خلیل۔ جہاں حضرت ابراہیم۔ و حضرت یعقوب۔ و حضرت اسمٰعیل کی قبریں ہیں۔ وادی جنم۔ جہاں حضرت مریم مدفون ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض اتفاقات کی وجہ سے سین ان مقامات کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا۔ مقام خلیل کے لیے جو بیت المقدس سے پندرہ۔ بیس میل ہے میں نے دو تین روز برابر کوشش کی لیکن اُن دنوں یہودیوں

کا کوئی تھوڑا تھا۔ اس لیے سواریان بالکل ناپید تھیں اور جی تھیں تو چوہ گئے گرائے پر ملتی تھیں

تھامہ

یہ وہی قیامت کا مقام ہے جس کے لیے ایک زمانہ میں تمام یورپ اُٹھ اُٹھا اور دین تک یہ طوفان برپا رہا تھا۔ یہ ایک نہایت وسیع گرجا ہے اور عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مقام میں مصلوب و مدفون ہوئے اور زمین سے اُٹھان پر گئے۔ اس مکان کا اہتمام و انتظام گرجہ عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے لیکن چونکہ ترکی حکومت میں واقع ہے اور چھ لاکھ اہل یورپ کے مقابلہ میں صلاح الدین کی معرکہ آرائیوں کی یادگار ہے اس لیے اس کا ثواب یعنی کلید بردار مسلمان ہے چنانچہ زمین جب اس گرجا میں گیا تو اُسی کی رہبری سے تمام مقامات کی سرکری۔

مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے گریبان اور تیس نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہیں۔ ثواب سے پہلے محکمہ اس مقام پر لے گیا جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق) آسمان پر گئے یہ ایک مختصر سا حجرہ ہے۔ صدر کی جانب چہرہ پر حضرت عیسیٰ کی صورت ہے۔ تمام بدن بچہ ستر عورت کے برہنہ ہے۔ صورت کے کسی قسم کے تقدس اور شان بڑھوت کا اظہار نہیں ہوتا۔ میں جب اس حجرہ میں گیا تو شمع روشن تھی اور ایک بڑا میٹھن پاوری تصویر کی طرف منکلی باندھے مراقبہ میں مصروف تھا۔ مراقبہ سے فلان ہر چکا تو مجاہد نے اس کے سر پر چھوڑا پانی چھڑکا جس کو اُس نے بڑے ادب اور خشوع سے اپنے چہرہ اور ڈاڑھی پر مل لیا۔

ن کا بڑا

میں

ن

صلیب دے جائیگی جبکہ بڑی شان و شوکت کی ہے لیکن اسکو دیکھ کر عیسائیوں کی سادہ ولی پر سخت افسوس آتا ہے۔

ایک بلند مستطیل چوڑہ پر جو سرتاپا سنگ مرمر کا ہے صلیب کھڑی ہے حضرت عیسیٰ کی بتیلیوں میں آہنی کیلیں جھکی ہیں۔ بانوں کو اوپر تلے لکڑی پر چھ کر اسطرح میخ ٹھوک دی ہے کہ بانوں کو توڑ کر لکڑی میں نکل گئی ہے۔ اسی کے قریب ایک طرف حضرت مریم نہایت نگین کھڑی ہیں۔ حضرت مریم کا مجسمہ یعنی اسٹیچو نہایت شاندار ہونے کی صورت ہو اور لباس کے ساتھ بنائی گئی ہے لباس اپنواز کے مشابہ ہے۔ اس مقام پر بڑے بڑے رہبان اور قیسوں کا مجمع تھا۔ (راہبہ عورتیں) بڑے خضوع و خشوع سے صلیب کی طرف ٹٹنگی باندھے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ مذہبی خیالات بھی کیا کیا عجیب چیز ہیں۔ !!!

علماء اور فضلاء کی ملاقات اور بعض دیگر حالات

بیت المقدس کے مشہور اور نامور عالم سید طاہر بن جوہری شہرین اور مفتی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں۔ میں نے انکی تعریف سنی تھی اسلئے بیت المقدس پہنچ کر سب سے پہلے انہی کی ملاقات کا قصد کیا۔ جون ہی میں کمرہ میں داخل ہوا مفتی صاحب اور تمام حاضرین تعظیم کو اٹھے۔ (یہ طریقہ بیان عام ہو اور ہر شخص کے لیے برتا جاتا ہو) مزاج پر سی اور مختصر حالات پوچھنے کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ”لعل حضرت تکھون العلماء“ یعنی غالباً آپ علمائین سے ہیں۔ میں نے کہا کہ ”گاؤ لکن منط لابل العلم“

بیت المقدس کے
مفتی صاحب۔

یعنی ”عالم تومین البتہ طالب علم ہوں۔“ وہ پہلے سے ایک علمی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اور میرے پہنچنے کی وجہ سے انکی صحبت برہم ہو گئی تھی۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں تو ایک صاحب نے نہایت تمذیب اور معقولیت سے کہا کہ ”ہم لوگ ابھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ مسئلہ آپ کے سامنے بھی پیش کیا جائے۔“ انکے خاص الفاظ یہ تھے۔ یا حضرۃ الشیخ قدس سرہ قبل ذلک فی لجت فلو اجبتہم عرضنا علیکم عرض انہوں نے وہ مسئلہ بیان کیا اور وہ یہ تھا کہ ”قرآن مجید کی اس آیت میں کہ الم ترکیف فعل ہربا باسرم ذات العماذ خدا نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا۔ حالانکہ یہ واقعہ آنحضرت کی ولادت سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا تھا۔ میں نے کہا۔ رُودیت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ الم ترکیف فعل ہربا باسرم ذات العماذ عرب جاہلیہ کے اشعار میں بھی یہ اطلاق جاہجا موجود ہے ایک صاحب نے میری تقریر پر اعتراض کرنا چاہا۔ لیکن مفتی صاحب نے کہا یہ جواب بالکل صحیح ہے اور اس میں جاگے گفتگو نہیں۔ میں جب تک بیت المقدس رہا تقریباً ہر روز اس پر لطیف صحبت میں شریک ہوتا رہا۔

مفتی صاحب تقدس اور شریفانہ اخلاق کی مجسم تصویر ہیں اور اسی کا اثر ہے کہ تمام شہر انکی نہایت عزت کرتا ہے۔ انکی تنخواہ کل تین سو قروش ہیں یعنی تین سو پینتیس روپے لیکن شہر میں انکا جو اثر ہے وہ حاکم شہر کا بھی نہیں۔ بڑی خوبی

یہ ہے کہ اگر چہ پُرانے زمانہ کے آدمی مین اور نہایت مُقدس مین تاہم آزاد خیال مین اور مذاق حال سے آشنا مین۔

لطیف ان ممالک مین عَملاً کو عمامہ یا ٹوپی پر ایک سفید و جیجی حب کو لٹھہ کہتے مین لپیٹنا ضروری امر ہے۔ مین جنبدن قمامہ کی سیہ کو گیا میرے سر پر صرف ٹوپی تھی عمامہ نہ تھا۔ راہ مین جارہا تھا کہ ایک صاحب نے جو روشناس ہو گئے تھے دیکھ لیا۔ اور مفتی صاحب کے جلسہ مین اس کا تذکرہ کیا۔ چونکہ وہاں کی رسم کے موافق یہ بالکل نئی بات تھی۔ لوگوں مین اسکے چرچہ ہوئے۔ یہاں تک کہ دوسرے دن جب مین مفتی صاحب کے دربار مین گیا تو ایک صاحب نے بڑے تعجب اور حیرت سے پچھا کہ سمعنا ان حضرات الشیخ مخرج من عنبر کفہ یعنی ”ہم نے سنا کہ جناب والا عمامہ و لٹھہ کے بغیر بازار مین نکلتے“ مین نے کہا ”ہاں مین عیسائیوں کے گرجے مین گیا تھا اور ایسے مقامات کے لیے عالمانہ لباس موزون نہیں ہے“ سب بول اُٹھے کہ واللہ قد اصتبہم یعنی آپ نے بالکل بجا کیا۔

ایک دن مین بخارا اور لون کے زاویہ مین گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی دن بخارا کے چند رئیس اور اورغز لوگ حج سے ہرگز بیت المقدس کی زیارت کو آئے تھے۔ شیخ زاویہ نے مجھ کو ان لوگوں سے ملایا۔ صورت اور وضع سے دو تہمند اور محترم اور موقر معلوم ہوتے تھے۔

بعض صاحب علم اور خفیہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ روس کی حکومت مین رہتے مین مین ان سے روسی گورنمنٹ کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ بہت نکایت کرتے تھے

اور زیادہ تر اس بات کے شاک کی تھے کہ مسلمان بکھر فوج میں داخل کیے جاتے ہیں اور کسی اسلامی حکومت سے جنگ پیش آتی ہے تو مسلمانوں کو اپنے ہی ہم نہ ہوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

بیت المقدس سے روانگی

بیت المقدس سے روانہ ہو کر مین یا فہ مین آیا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر تیسرے دن اسکندریہ پہنچا۔ جہاز کا لنگر کنا تھا کہ قلیون اور ملاحون کی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یہ آفت یون تو ہر جگہ ہے لیکن اسکندریہ کو اس خصوصیت میں تمام مقامات پر ترجیح ہے۔ سب از خرابی کنارہ پر پہنچا۔ وہاں قلیون کا ہجوم تھا اور ایک ایک مسافر چار چار گرے پڑتے تھے۔ ایک قلی نے زبردستی میرا اسباب اٹھا لیا۔ مجبوراً مین اُس کے ساتھ ہو لیا۔ اسکندریہ نہایت قدیم زمانہ کی یادگار ہے اور اس لحاظ سے اس کی سیر ضروری تھی لیکن مجھ کو قاہرہ جانے کی جلدی تھی۔ اس لیے مین نے اسی وقت گاڑی کرایہ کی اور اسٹیشن پہنچا۔ لطف یہ کہ قلی صاحب بھی گاڑی پر بیٹھ لیے اور میرے پہلو میں بیٹھے۔ میری کیا مجال تھی کہ انکی اس جہارت پر معترض ہوتا۔

دریا کے کنارے سے اسٹیشن تک فخر کا جو حصہ نظر سے گزرا نہایت آباد اور پر رونق تھا۔ سڑکیں وسیع اور دونوں طرف نہایت بلند مکانات اور دوکانیں تھیں اسٹیشن پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابھی دو تین گھنٹے کی دیر ہے۔ مین نے کہا لاؤ تب تک ادھر آؤ ہر پہر آؤں۔ پاس ہی ایک جامع مسجد ہے۔ وہاں گیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے۔ وضو کرنے کا

حوض وسیع اور خوشنما ہے۔ گرد۔ استنجاخانے اور پاخانے میں۔ لیکن صفائی کا اس قدر اہتمام ہے کہ بواور رائحہ کا نام تک نہیں۔

دس سچے ٹرین روانہ ہوتی۔ یہاں کی گاڑیوں میں بجائے بچوں کے آہنی کرسیاں ہوتی ہیں اور دو واسطے ساتھ چڑی ہوتی ہیں کہ دونوں کی پشت ملی ہوتی ہے۔ ہر درجہ میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہوتی ہے۔ چار ایک طرف چار ایک طرف۔ سونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ رفع حاجت کا بھی کوئی بندوبست نہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یورپ میں بھی اسی قسم کی گاڑیاں ہیں۔ البتہ ایک بات نئی ہے اور آرام سے خالی نہیں۔ وہ یہ کہ گاڑی ہی میں خوشچنے والے چوبکٹ۔ ڈبل روٹی۔ پنیر۔ اور میوے بھیجتے ہیں ہر وقت موجود رہتے ہیں اور چونکہ تمام گاڑیوں میں اس سرے سے اُس سرے تک آمد و رفت ہو سکتی ہے۔ خواجہ والا ہر وقت چتر تارتا ہے اور تمام گاڑیوں میں جکر لگاتا ہے۔ سید صاحب نے اپنے سفر نامہ میں یہاں کی ریل کے کارخانے۔ ٹرک۔ اسٹیشن۔ لائٹوں۔ غرض ہر ایک چیز کی نسبت۔ بے سلیقگی اور میلے پن کی سخت ہجو کی ہے۔ اسوقت شاید یہی حالت ہوگی۔ لیکن اب یہ شکایت نہیں ہو سکتی۔ میں نے اسکندریہ سے قاہرہ اوقافہ سے اسماعیلیہ تک ریل میں سفر کیا۔ میرے نزدیک کوئی چیز قابل اعتراض نہ تھی۔

اس سفر میں جس قدر حصہ۔ مصر کا میری نظر سے گزرنا عجیب سے بزرگ شاداب تھا۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی نہایت بزرگ کھیتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکندریہ سے۔ قاہرہ

تک جس قسم کی عمدہ پیداوار نظر آئی مین نے ہندوستان میں بچاس ایکڑ زمین بھی ایسی
نہیں دیکھی۔ ریل شام کے قریب قاہرہ پہنچی اور مین نے جامع ازہر کے قریب
ایک لوکانڈہ (ہوٹل) میں قیام کیا۔

بیروت میں۔ عبدالباسط آفندی نے مجھ کو ایک خط دیا تھا کہ قاہرہ پہنچ کر شیخ عبدالحلیم
کے پاس ہجوارینا شیخ عبدالحلیم۔ عبدالباسط آفندی کے چچرے بہائی ہیں اور جامع
ازہر میں پڑھتے ہیں۔ مین نے وہ خط اُنکے پاس ہجواریا۔ وہ دو سکر دن ہوٹل میں ٹھہر
لائے اور کہا کہ اگر آپ کو یہاں کے علمی حالات دریافت کرنے میں اور علما اور شیوخ سے
ملاقات ہے تو ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہاں علما اسکو بہت معیوب سمجھتے ہیں۔
چنانچہ انکی ہدایت کے موافق مین جامع ازہر میں گیا اور انہوں نے رواق الشائین میں
ایک پرفضا حجرہ میرے لیے خالی کرا دیا۔ ایک مہینے سے زیادہ مین یہاں مقیم رہا۔
شیخ عبدالحلیم۔ قریباً ہر وقت میرے پاس رہتے تھے اور میری تمام ضرورتوں کو انجام دیتے
تھے۔ وہ میرے رہنما۔ انیس۔ معروف۔ اور اگر گستاخی نہ تو لو کر اور خادم بھی تھے اور
لو کر بھی بے تنخواہ۔ بے غرض۔

قاہرہ کا اجمالی حال

یہ شہر مصر کا دارالسلطنت ہے۔ بلکہ حال کے محاورہ میں مصر کا لفظ جب اہتمام
کیا جاتا ہے تو یہی شہر مراد ہوتا ہے۔ جوہر۔ سپہ سالار فاطمین نے ۳۵۰ھ میں
اسکو آباد کر لیا تھا اور اُس عہد سے آج تک اسکو روز افزون ترقی ہے۔ موجودہ مردم شماری

۸۳۸ء ۳۷۷ء ہے۔ ستر کین وسیع اور کثافات عموماً بلند اور خوش فضا ہیں مین جب اسکے وسیع اور برفروغ بازاروں مین سیر کرتا پھر تا تھا تو بکھنسی کا دھوکا ہوتا تھا۔ قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں اور بڑی تفریح اور آرام کی چیز ہیں۔ لباس اور وضع بیان کی نہایت بھونڈی اور ناموزون ہے۔ عوام نیلگون لمبا کرتہ پہنتے ہیں۔ جرجا چاک کھلا رہتا ہے۔ پاجامہ تھمد وغیرہ بالکل نہیں پہنتے۔ خواص قفطان اور عبا پہنتے ہیں۔ لیکن چونکہ عبا۔ مین کل نہیں ہوتا گردن کھلی رہتی ہے اور بدن معلوم ہوتی ہے۔ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پہن کا استعمال کرتے ہیں اور یہ طریقہ روز بروز زیادہ مقبول ہوتا جاتا ہے۔ عورتوں کی وضع اور لباس استقدر میوہ اور بدنہا ہو کہ اس سے زیادہ قیاس مین نہیں آسکتا۔ عام عورتیں تو وہی نیلگون لمبا کرتہ پہنتی ہیں لیکن دولت مند اور نئی فیشن کی بگیا ت جیسا کہ لباس بالکل پور ہیں ہوتا ہے وہ بھی ایک بدنہا نیلگون بُرقع اوڑھ کر بیچا۔ یا ہوا بخانی ہین۔ بُرقع مین ناک کی جڑ سے سینہ تک ایک سیاہ دھجی سونڈ کی طرح لٹکتی رہتی ہے۔ اس دھجی کے اٹکانے کے لیے سونے یا پیتل کی ایک گلی ہوتی ہے جو پیشانی پر لٹکتی رہتی ہے اور بیچاے زیور کے استعمال کی جاتی ہے۔

عام آدمیوں کے اخلاق مین دنارت زیادہ پائی جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی چیز عام آدمیوں کی قیمت چمکانے میں جھست۔ امام حسین علیہ السلام یا حضرت عبدالقادر جیلانی کا واسطہ دلایا جاتا ہے مرد اور عورت بکثرت بھیک مانگتے ہیں اور بلا کی طرح لپٹ جاتے ہیں۔ موسم کے لحاظ سے یہ ملک ہمارے ہندوستان کے مشابہ بلکہ اس سے بدتر ہے۔

عام آدمیوں
کا اخلاق

کچھ عجیب طرح کی گرمی پڑتی ہے۔ طبیعت ہر وقت مضحل اور ستبتی ہے اور کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مجھ کو خیال تھا کہ میں یہاں بہت کام کر سکوں گا اور اسی وجہ سے بیروت و بیت المقدس میں کم قیام کیا تھا کہ یہاں زیادہ دنوں تک سکون لیکن گرمی نے وہ تمام منصوبے غلط کر دیے۔ صبح کے وقت گھنٹہ دو گھنٹہ کام کرتا تھا باقی تمام دن حجرہ میں بیٹھا رہتا تھا۔

مص

تعلیم کی حالت

ممالک اسلامیہ میں جو مقامات آج کل تعلیم کے مرکز خیال کیے جاتے ہیں قسطنطنیہ اور قاہرہ ہیں۔ اسی لحاظ سے میں نے ان دونوں مقاموں کی تعلیمی حالت دریافت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی۔ قسطنطنیہ کی طرح یہاں بھی ششہرہ تعلیم کے عہدہ داروں سے ملا۔ سالانہ رپورٹیں پڑھیں۔ متعدد کالجوں کے پردگرام دیکھے۔ بڑے بڑے کالجوں میں خود جا کر اساتذہ کا طریق درس دیکھا۔ ان تحقیقات سے جو باتیں معلوم ہوئیں انکو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس موقع پر یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ اگرچہ قسطنطنیہ میں تعلیم کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہے مصر اور قاہرہ کو اُس سے کچھ نسبت نہیں۔ تاہم مصر کو اس بات میں ترجیح حاصل ہے کہ یہاں ششہرہ تعلیم کے کاغذات جو عام طور پر پشائع ہوتے ہیں زیادہ مرتب اور مفصل ہیں۔ اور اسلئے میں قسطنطنیہ کی نسبت یہاں کی تعلیمی حالت

زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ لکھ سکون گا۔

قسطنہ کی طرح بیان ہی تعلیم کے دو طریقے ہیں۔ قدیم و جدید یہ دونوں طریقے بالکل مختلف ہیں۔ اور اس اختلاف نے دونوں کو نہایت سخت نقصان پہنچایا ہے

قدیم تعلیم جو ہزار برس پیشتر کی طرز تعلیم کا بڑا ہوا خاکہ ہے۔ ملک کی آب و ہوا میں سرایت

کر گئی ہے۔ اور چونکہ بظاہر ہندو ہر کے پیراہ میں ہے سلطنت کا اثر بھی اُسکا مقت بلکہ

نہیں کر سکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مصر میں اگرچہ ایک مدت سے جدید تعلیم کی بنیاد پڑ چکی ہو

اور خود گورنمنٹ نے اُسکو خاص اپنے سایہ عاطفت میں لیا ہے۔ مگر اس سے اسکو

کو وظیفہ دیا جاتا ہے اور فیصدی ۴ سے کچھ فیس نہیں لیا جاتی۔ تمام بڑے بڑے

عہدے صرف نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو ملتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے تاہم وسعت تعلیم

کا یہ حال ہے کہ شہر و اطراف کے تمام چھوٹے بڑے اسکولوں اور کالجوں کو ملا کر طبعاً

کی تعداد دس ہزار بھی نہیں ہے۔ حالانکہ قدیم طریقہ پر تعلیم پانچواں صرف جامع از ہر

میں دس ہزار سے زیادہ ہیں۔ اسقدر ضرور ہے کہ جدید تعلیم کا ہر قدم ابگے ہے اور

قدیم طریقہ کا زور روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ سرکاری مدرسوں میں ہر قسم کے طلباء کی تعداد

جو ہر سال بڑھتی جاتی ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۸۷ء میں بورڈورنگی

تعداد فیصدی ۴۴ تھی اور ۱۸۸۷ء میں ۵۶ ہو گئی۔ اسی طرح غیر بورڈورنگی ۱۸۸۷ء میں ۱۸ فیصدی

تھے اور ۱۸۸۷ء میں ۲۹ ہو گئے۔

ہم اس موقع پر ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں جو ۱۸۸۷ء کی رپورٹ سے مرتب کیا گیا ہے

کالجوں اور اسکولوں کا
اور ان کے مصداق

اور جس سے تمام اسکولوں اور کالجوں کی تفصیل۔ اُن کے سالانہ مصارف۔ طالب علموں کی تعداد اور دیگر حالات معلوم ہونگے۔

نام مدرسہ	مصارف سالانہ	تعداد طلبہ درجہ اول	تعداد طلبہ درجہ دوم	تعداد طلبہ درجہ تیس	تعداد طلبہ درجہ چہارم	تعداد طلبہ درجہ پنجم	کیفیت
مدرسۃ الطب	۱۲۸۴	۱۸۲	۷۹	سالانہ ۹ پوٹ	۷۴	۲۲	پوٹ کم از کم ۵۵ رجیٹر کیا ہوتا ہے
مدرسۃ البیلاوق	۸۱۶	۱۱	۶	۶	۱۱	۶	
مهندس خانہ	۴۱۴۰	۳۳	۷	۵۵ پوٹ	۱۲	۱۸	
مدرسۃ الحقوق	۴۱۴۲	۶۲	۲۷	۱۵	۱۵	۱۱	
یعنی قانون کا مدرسہ							
دارالعلوم	۱۵۲۶	۳۱	۶	۶	۱	۳۷	مین نے جلیس کالج کو دیکھا تو ۵۴ طالب العلم تھے
مدرسۃ الترجمہ	۱۴۳۵	۳۰	۳	۴	۲۳	۲	
مدرسۃ الصنائع	۷۸۱۹	۲۷۰	۱۲	۴	۲۴۰	۶	
التوفیق	۶۴۱۸	۲۸۸	۲۵	۲۵	۳۷	۱۵	داخلیہ سے بورڈ خارجیت غیر بورڈ مراد ہیں۔
التجیز	۷۷۵۴	۳۳۰	۵۲	۵۲	۱۶	۱۸۵	
مستیدان	۶۳۸۳	۲۵۸	۶۹	۶۹	۱۴	۱۱۸	
اسکندریہ	۱۳۶۸	۲۱۴	۱۰۹	۱	۷	۷۹	
المنصورہ	۱۲۹۴	۱۴۳	۸۰	۱	۷۱	۷۱	

ان سرکاری مدرسوں کے سوا ۲۰ پریوٹ اسکول ہیں جن کا طریقہ تعلیم اور کورس بالکل سرکاری مدرسوں کے مطابق ہے اور امتحانات وغیرہ بھی مشترکہ تعلیم کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں ان اسکولوں کا خرچ سالانہ ۳۳۸۲ پونڈ تھا جو کم و بیش ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کے برابر ہے۔ طالب علموں کی تعداد ۱۸۸۹ء میں ۲۳۶۳ تھی۔

مدرس اور طالب علموں کی تعداد ہر سال ترقی کرتی جاتی ہے چنانچہ ۱۸۹۱ء میں پریوٹ اسکولوں کی تعداد ۲۰ سے ۲۰ ہو گئی۔ چھ مہینوں میں ہزار تیرہ سوطا لکھ تعلیم پاتے ہیں۔ سپریم اس سہ ماہی سرکاری مدرس کے طالب علموں کی تعداد ۲۰۷۷ اور فیس کی آمدنی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہو گئی۔

۱۸۷۱ء کو تعلیم کی ترقی کا نہایت خیال ہے۔ چنانچہ سہ ماہی ۱۸۹۱ء کے اس اجلاس میں سلطنت کا بجٹ پیش ہوا تھا۔ خدیو موصوف نے خاص تعلیمات کے صیغہ کے متعلق گفتگو کی۔ اُس کے بعض فقرے یہ تھے۔

”مشترکہ تعلیم کی وسعت اور ترقی کی نہایت ضرورت ہے، چنانچہ میں نے اس سال رقم سابق پر بارہ ہزار پونڈ (قریباً دو لاکھ روپے) کا اضافہ منظور کیا۔ تعلیم کی طرف لوگوں کا میلان روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اس سال نسبت اور سالوں کے پندرہ سو لاکھ کے۔ کالجوں اور اسکولوں میں زیادہ داخل ہوئے۔

”صنعت کے جو مدرسے بند ہو گئے تھے میں نے دوبارہ ان کے جاری ہونے کا حکم دیا۔“

علی پاشا کی وہ یادداشت جس میں انہوں نے پانچ سو ابتدائی مکتبوں کا دیہات و قصبات میں مٹھو لانا تجویز کیا تھا۔ میں نے ان کی طرف توجہ مبذول کی ہے اور میں اس تجویز کو بالکل پورا کرنا چاہتا ہوں۔“

”بہر حال آپ لوگ تعلیم کی طرف سے مطمئن رہیے۔ میں اس صیغہ کو بہت قوت و وزن کا۔“

۱۔ مصر کی اصطلاح میں تعلیم کے تین درجے قرار دیے گئے ہیں۔
ابتدائی جبین چار صنفین ہیں اور اس کی کل خواندگی ہمارے ہاں کے ٹل کلاس کی
برابر ہے۔

تجئیزی ابتدائی کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس میں پانچ کلاسیں ہیں اور اس کی خواندگی
ہمارے ہاں کے انٹرنس کی برابر ہے۔

خصوصی۔ یعنی لاکلاس اور دارالعلوم وغیرہ۔
مدارس تجئیزی میں فرنچ یا انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ۱۸۸۷ء سے یہ قاعدہ قرا
ویا گیا کہ ان مدرسوں میں۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ علوم طبیعیہ۔ لازمی طور پر فرنچ یا انگریزی زبان میں
پڑھائے جائیں۔ ان زبانوں کی ترقی کے لیے شہرہ تعلیم نے یہ حکم جاری کیا کہ انکی
تعلیم صرف عربیہ میں پروفیسروں کے ذریعہ سے دلائی جائے۔ اس سے پہلے چونکہ
فرنچ کا اثر زیادہ تھا اس لیے فرنچ پڑھنے والے طلباء کی تعداد زیادہ تھی چنانچہ ۱۸۸۹ء میں انکی
تعداد ۲۵۰۰ تھی اور انگریزی خوان صنف ۸۰۰ تھے۔ لیکن اب انگریزی خوانوں کی تعداد
دو ہزار سے زیادہ ہے اور فرنچ پڑھنے والوں کی تعداد قریباً وہی ہے جو ۱۸۸۹ء میں تھی۔
اب ہم بڑے بڑے کالجوں اور بعض اسکولوں کا ذکر کی قدر تفصیل کے ساتھ
کرتے ہیں۔

دارالعلوم

مصر اور نہ صرف بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں جو کالج مجاہدوں سے زیادہ پسند آیا

اور جسکو میں نے مسلمانوں کے درد کے لیے کافی سمجھا وہ بھی کالج ہے۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے اور میں نہایت مضبوطی سے اُس پر قائم ہوں کہ مسلمان مغربی علوم میں گوترتی کے کسی رتبہ تک پہنچ جائیں لیکن جب تک اُن میں مشرقی تعلیم کا عنصر نہ اُٹکی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جاسکتی۔ بے شبہ یہ مشرقی تعلیم جو موجودہ اسکیم ہے وہ نہایت ابترا و غیر ضروری ہے لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح میں اور جس تعلیم میں اس روحانیت کا مطلق اثر نہ وہ مسلمانوں کے مذہب۔ قومیت۔ تاریخ۔ کسی چیز کو بھی زندہ نہیں کر سکتی۔

جس مصیبت کا ہندوستان میں روزا ہے وہی قسطنطنیہ۔ بیروت۔ اور مصر میں بھی موجود ہے۔ یعنی نئی تعلیم میں قومیت اور مذہبی پابندی کا اثر کم ہے۔ اور پرانی تعلیم اس قابل نہیں کہ دنیا کی موجودہ ضرورتوں کا ساتھ دیکے۔ صرف ایک یہ دارالعلوم ہے جو دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہتا ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ ابھی پورا کامیاب نہیں ہوا۔ اس کالج کا اوّل جب کو خیال آیا وہ علی بابا مبارک مصر کا ایک مشہور روشنفکر ہے۔ اس نے خود مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں حاصل کی ہے اور یورپ کی متعدد زبانیں جانتا ہے۔ وہ کئی دفعہ مصر کی شہرۃ تعلیم کا افسر رہ چکا ہے۔ اُسکی تاریخ تصنیفات تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور درحقیقت نہایت مفید ہیں۔ اُس نے جامع ازہر کی طرز تعلیم کی بھی اصلاح کرنی چاہی تھی لیکن ازہر کے شیوخ راضی نہ ہوئے۔ غالباً اُس کے بعد اُس نے اس کالج کی بنیاد ڈالی۔

اول اول اس کالج کا ناظر ہی مقصد یہ قرار دیا گیا کہ اسکے تعلیم یافتہ - مدارس سرکاری کی مدرسے کے لیے انتخاب کیے جائیں لیکن ۱۸۸۵ء میں گورنمنٹ کی اجازت کے مطابق شیخزادہ تعلیم نے یہ قاعدہ منظور کیا کہ اسکے سند یافتہ حج اور قاضی و مفتی - مقرر ہو سکیں۔ اسکے ساتھ کورس میں اور متعدد علوم اضافہ کیے گئے اور ایک کمیٹی نے جبرکاپرٹیشنٹ جامع ازہر کاشیخ الشیخ تہا اسکے کورس کے لیے کتابیں منتخب کیں۔ اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرط یہ ہے کہ طالب علم مشرقی علوم میں سے نحو - صرفہ - فقہ - اصول فقہ - تفسیر - حدیث میں مناسب استعداد رکھتا ہو۔ تعلیم کی کل مدت چار برس ہے اور جو علوم پڑھائے جاتے ہیں اور جو طرح پر ہفتہ میں ان کے درس مقرر کیے گئے ہیں انکی تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی۔

علوم جو پڑھائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال
فقہ	ہفتہ میں ہفتی	ہفتہ میں ہفتی	ہفتہ میں ہفتی	ہفتہ میں ہفتی
تفسیر	+	+	۲	۲
تاریخ طبعی	۲	۲۰	+	+
علوم بلاغت	۲	۲	+	+
اصول فقہ	+	+	۲	۲
حکمت علیہ	۱	+	+	+
جبر و مقابلہ و حساب	۲	۲	۲	۲

علوم جو پڑھائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال
جغرافیہ	ہفتہ میں سبق	ہفتہ میں سبق	ہفتہ میں سبق	ہفتہ میں سبق
تاریخ عمومی	۱	۱	۱	۱
فن انشاء عربی	۳	۳	۴	۴
مختلف خطوط	۴	۴	۴	۴
تصویر کشی	۱	۱	۱	۱
ادبیات لغت عربیہ	۴	۴	۳	۳
قسموغرائف	۴	۴	۱	۱
طبیعیات و کیمیا	۴	۴	۲	۲
حدیث - کلام - منطق ..	۴	۲	۱	۱
نحو صرف - رسم خط عروض - قوافی	۳	۲	۴	۴

چونکہ اس کالج میں وہی طلبہ داخل ہو سکتے ہیں جو علوم عربیہ اور فقہ و حدیث سے وقت ہوں اور اس قسم کے طلبہ وہی ہو سکتے ہیں جنہوں نے قدیم طریقہ پر تعلیم پائی ہے ایسے کالج میں طالب علم کو کئی تعداد بہت کم ہے۔ اگرچہ شہر تو تعلیم نے اسی لحاظ سے اس کالج میں کچھ فیس نہیں مقرر کی بلکہ بجائے اسکے ہر طالب علم کو پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ ایک وقت کا کھانا بھی کالج ہی سے ملتا ہے۔ طالب علموں کے لیے جو لباس مقرر کیا گیا ہے وہ بھی وہی قدیم مولویانہ لباس ہے جو لوگ بیان سے تعلیم پا کر نکلتے ہیں اچھے

اچھے عہدوں پر ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن جن لوگوں کو پُرانی تعلیم نے ایک دفعہ بھی چھو لیا تاہم عمر کے لیے انکو علوم جدیدہ سے وحشت ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ علوم عربی ہی زبان میں تعلیم دیے جاتی ہیں۔ میں نے جب اس کالج کو دیکھا تو اس میں ۴۴ طالب علم تھے جن میں سے اکثر جامع انہر کے تعلیم یافتہ تھے۔

درس کا طریقہ بھی یہاں خاص ہے استاد یا شاگرد کسی کے ہاتھ میں کتاب نہیں ہوتی۔ استاد زبانی لکچر دیتا ہے اور اس وسعت اور فصاحت سے تقریر کرتا ہے کہ خود دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے مصر کے نہایت نامور علما اسکی پروفیسری کیلئے انتخاب کیے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ حمزہ فتح اللہ پروفیسر ادب۔ شیخ حسن الطویل معلم السحر میث ڈاکٹر عثمان بک پروفیسر تاریخ طبعی۔ یہ سب مصر کے مشہور علما ہیں اور انکی تصنیفیں نہایت قدر کے قابل خیال کی جاتی ہیں۔ مصر میں آج جو لوگ عربی کے نامور دانشور و ازہرین اکثر اسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ادب کا جو کورس مقرر کیا گیا ہے وہ کوئی خاص کتاب یا چند کتابوں کا انتخاب نہیں ہے۔ بلکہ عربی لٹریچر کے وہ تمام نادر حصے ہیں جنکو فن ادب کی جان کنا چاہیے۔ اس طرح تفسیر میں مصر اُن آیتوں کا درس دیتا ہے جو بلحاظ بلاغت یا اخلاق یا مسائل کلام۔ زیادہ مہتمم باشان ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۷ء میں جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا اُس میں ان تمام مقامات کی تفصیل کو دیکھی ہے۔ اور وہ سرکاری مطبع میں چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔

ادب اور فقہ کے درس میں میں خود بھی شریک ہوا تھا۔ دونوں پروفیسروں نے

جس فصاحت اور خوبی سے تقریر کی اب تک میرے دل میں نقش ہے کاش ہمارے
ہاں کے علما بھی اس طریقہ کی تقلید کرتے۔ طالب علموں کی استعداد کا حال اس سے ظاہر
ہو گا کہ جبروت ہم کالج کی سیر کر رہے تھے احمد بک نفیس نے جو کالج کے سکریٹری ہیں ایک
طالب العلم کو جو کانام احمد قوسی تھا بلایا اور اس سے کہا کہ قلم و دات لیکر بیٹھ جاؤ اور اس وقت
انکی شان میں (میری طرف اشارہ کر کے) کچھ اشعار لکھو وہ سامنے ایک بیچ پر بیٹھ گیا اور یہ
اشعار لکھ کر سنائے۔

ایک طالب العلم
کی برہہ گوئی۔

محمد انت شبلی المعالی	لقد فقت الوری و علوت قدرا
وقد اولتینا شرفا و فضلا	بتشریف الزیارة ارض مہرا
فلا نزلنا ترابا کل انس	تزدید تفصلا و نزدید شکرا *

اگرچہ شبلی المعالی کی ترکیب بے جوڑ ہے اور دو سے شعر میں اقواء ہے تاہم خوبی
زبان و جریستگی ادا کے لحاظ سے میں نے بہت داد دی۔

مدرسہ الحقوق

داخلہ کے شرائط۔

اس کالج میں قانون کی تعلیم ہوتی ہے اور میان کے سن یا نئے مول عمودوں پر
مأمور ہوتے ہیں۔ اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرطیں یہ ہیں کہ طالب علم کی عمر ۱۶
برس سے زیادہ ہو۔ تجویزی تعلیم (انٹرنس کلاس) کی سند رکھتا ہو۔ چال چلن اچھا ہو
چچن میں جیپک کا ٹیگا لگوا چکا ہو۔ تندرستی اچھی ہو۔ داخلہ کے وقت ایک
خاص امتحان تحریری و تقریری لیا جاتا ہے۔ تحریر میں فریج اور عربی کی زبان دانی کے متعلق

سوالات ہوتے ہیں اور تقریباً مین انکے علاوہ تاریخ و جغرافیہ بھی داخل ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد اسکو اپنے باپ یا کسی عربی کا ایک خط پیش کرنا ہوتا ہے جسکے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ کالج کے خارج اوقات میں مین اس لڑکے کے چال چلن کا مدعا یہ ہونے لگا کہ ان تمام باتوں کے بعد ہا پونڈ یعنی کم و بیش دو سو روپے بطور فیس کے داخل کرنے ہوتے ہیں اور اسوقت طالب علم کالج میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ تعلیم کی مدت چار برس ہے اور مضامین چوتھیں میں داخل ہیں حسب ذیل ہیں۔

سال اول۔ عربی۔ فرسج۔ ترجمہ۔ مسک۔ دفاتر (یعنی املا و تحریر) شریعت اسلامیہ۔ قانون قضا و عدالت۔ عام قانون اور پالیٹیکس کے اصول عام۔

مضامین چکی تعلیم ہوتی ہے۔

سال دوم۔ علاوہ مضامین بالا کے رومن لا۔ قانون فوجداری۔ سال سوم۔ ایضاً = پالیٹیکل اکونمی۔ تعزیرات۔ عرفیات۔ مدینہ و تجارت۔

سال چہارم۔ شریعت اسلامیہ۔ پالیٹیکل اکونمی۔ عرفیات۔ قانون تجارت۔ قانون عدالت۔ خاص سلطنت کا قانون۔

ہر سال مختلف مضامین میں امتحان لیا جاتا ہے مین اور یہ تمام امتحان اور اخیر امتحان فرسج زبان میں ہوتا ہے۔ صرف شریعت اسلامی کا امتحان عربی زبان میں ہوتا ہے۔ طالب علم کو جب کسی قدر قانونی استعداد حاصل ہو جاتی ہے تو ہائی کورٹ اور دوسری عدالتوں میں کارروائی سے واقف ہونے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ اور حکم ہوتا ہے کہ مقدمات کا خلاصہ

لکھیں۔ خود کالج میں بھی عدالت کی مسلیں منگوائی جاتی ہیں اور طالب علموں سے اُسکے
 متعلق تحریر و عوی۔ بیانات تحریری۔ ادا سے شہادت۔ سوالات جرح۔ اور فیصلہ مقدمہ کی
 مشق کرائی جاتی ہے۔ میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کا سکرٹری ایک
 فرینچ ہے وہ تو عربی سے بالکل ناواقف ہے لیکن اُس کا نائب ایک نوجوان مسلمان ہے
 جو نہایت لائق شخص ہے اور متعدد زبانیں جانتا ہے۔ وہ کالج کا پروفیسر بھی ہے اور فرینچ
 زبان میں نہایت جرئت سے لکچر دیکتا ہے۔ جس کو اپنی کلاس میں لے گیا اور کہا کہ آج
 فرینچ میں لکچر دینے کا دن تھا۔ لیکن میں تمہاری خاطر سے عربی میں لکچر دوں گا۔ چنانچہ
 تعزیرات کے اصول پر کھڑے ہو کر لکچر دیا اور نہایت فصاحت اور وسعت سے تقریر کی۔
 تمام کلاسوں میں جس قدر لڑکے تھے پاکیزہ صورت اور پاکیزہ لباس تھے۔ اور اُسکے چہرہ
 سے منان اور وقار ٹپکتا تھا۔

مدیر العزیمۃ

مصر میں چونکہ فرینچ اور انگریزوں کا بہت اثر ہے اور تمام ٹیپے بڑے ملکی عہدے زمین
 دونوں قوموں کے ہاتھ میں ہیں۔ مصریوں کو اُسکے ساتھ تعلق رکھتے اور انکی ماتحتی میں کام
 کرنے کے لیے فرینچ اور انگریزی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ اس کالج کے قایم کر کے اصلی غرض
 اس قدر تھی اور اس وجہ سے ابتدائیں وہ زبان دانی کی تعلیم پر محدود تھا اور ایک معمولی سکول
 کہا جاسکتا تھا۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں اُسکی ایک مہتمم وسیع کردہ گئی اور چار پروفیسر اور بڑے گئے
 جن میں ایک فرینچ ہے۔ عربی۔ ترکی۔ فرینچ۔ انگریزی۔ زبانوں کے علاوہ مضامین ذیل کی

تعلیم بھی ضروری قرار دی گئی جسبہ افسیہ۔ تاریخ۔ حساب۔ ہندسہ۔ جبر۔ علوم طبعیہ۔ کیمیا۔
 فقہ۔ توحید۔ یہ تمام مضامین بجز فقہ و توحید کے فریج میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بعض
 مضامین انگریزی زبان میں بھی۔ اس کالج نے جس طرح مصر کو ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے
 فائدہ پہنچایا ہے علمی ترقی کے لیے بھی وہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ مصر کی علمی زبان
 اب تک عربی ہے۔ اور غالباً ہمیشہ رہے گی۔ کالجوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً فریج
 ترجمہ کی گئی ہیں۔ ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ فرانس میں ڈاکٹری
 وغیرہ کی جو نئی عمدہ تصنیفات شائع ہو فوراً ترجمہ کر لیجائے۔ اور کالجوں کے کورس میں داخل
 کیجائے۔ چنانچہ اس وقت تک سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں ان تمام
 ضرورتوں کو اسی کالج نے پورا کیا ہے۔

مدیر الطب

یہ بہت بڑا کالج ہے اور اس کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ کالج کی عمارت
 نہایت وسیع ہے اور مختلف مضامین کی تعلیم کے لیے کئی سے جدا گانے بڑے بڑے
 کمرے مخصوص ہیں۔ تشریح کے لیے جو کمرہ ہے وہ نہایت وسیع ہے اور اس میں ہر وقت
 بہت سی لاشیں موجود رہتی ہیں جن پر تشریح کے تجربے عمل میں آتے ہیں۔ سائنس
 میکروجرانی کی تعلیم کے لیے اس کے متعلق ایک جدا گانہ کارخانہ کھولا گیا۔ علم الحیوانات کی تعلیم
 ایک وسیع مکان میں ہوتی ہے جس میں مختلف قسم کے جانور نہایت کثرت سے موجود ہیں
 کالج کے احاطہ میں ایک باغ ہے جو علم نباتات کی غرض سے طیار کیا گیا ہے اور اس میں

علم الحیوانات و
 نباتات

سیکھوں مختلف اقسام کے نباتات میں جسکی پرودخت نہایت اہتمام و دگرانی سے
کیجاتی ہے۔ علم الکیمیا بھی اسکی تعلیم کا ضروری جزو ہے۔ سائنسہ اعظمک اسکی تعلیم کا نظری
طریقہ پر ہوتی تھی۔ سائنسہ عین عملی تجربوں کے لیے کالج کی عمارت میں متعدد بڑے بڑے
کمرے اور اضافہ کیے گئے۔ اور سائنسہ عین گیس وغیرہ اور جو چیزیں عملی تجربہ کے لیے
ضرورت ہیں اُسین ہتیا کی گئیں۔ ہر سال اس کالج سے ایک گروہ کثیر تعلیم پا کر نکلتا ہے
جنین سے بعض تکمیل تعلیم کے لیے یورپ بھیجے جاتے ہیں۔

تمام کتابیں جو اس کالج کی نصاب تعلیم میں داخل ہیں عربی زبان میں ہیں اور فرنگ وغیرہ
سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ چونکہ یورپ میں ہمیشہ اور علوم و فنون کی طرح علم طب بھی روز افزون
ترتی کرتا جاتا ہے اور ہر سال اُسکے مسائل میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ ہو جاتا ہے
اسلئے ایک کمیٹی خاص اس غرض سے مقرر ہے کہ اس قسم کی جو کتاب فرنگ وغیرہ میں
شائع ہو اُسوقت عربی زبان میں ترجمہ کر لیا جائے۔ اور اس کالج کے کورس میں داخل کیجائے
اس طریقہ سے علم طب کے متعلق ترجمہ شدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ طیار ہو گیا ہے جسکی
تعداد و کتب خانہ خدیو کی فہرست سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ہر صر کے علمائے بہت ہی کتابیں
اس فن میں خود بھی تصنیف کی ہیں۔ اور یونانی و موجودہ طبابت میں محاکمہ بھی کیا ہے
کاش ہمارے ملک کے اہلجاو انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے یورپ کی تحقیقات سے
محروم ہیں۔ ان جدید تصنیفات کو ہم پہنچاتے اور ان سے مستفید ہوتے لیکن ہماری
قوم میں یہ بہت کم ان!۔ حالانکہ سچ پوچھیے تو یہ کچھ ہمت کی بات بھی نہیں۔

یورپ کی طب
کا ترجمہ

رِس کالج میں کل ۵۰ پروفیسر ہیں جنہیں سے تین یورپین۔ اور باقی مصری ہیں۔

بقیہ کالج اور اسکول

ان کالجوں کے سوا اور متعدد کالج انجینری۔ صناعی۔ وغیرہ کے ہیں اور ترقی کی حالت میں ہیں۔ انجینئرنگ کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں اور اسکے داخلہ و امتحان کے متعلق جو قواعد ہیں ایک جداگانہ رسالہ میں چھاپے گئے ہیں۔ جسکے صفحوں کی تعداد ۱۵ ہے اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی اسکیم نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ میں جب اس کالج میں گیا تو پرنسپل نے مجھ سے شکایت کی کہ موجودہ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اس کالج کو نہایت نقصان پہنچایا ہے اسکے قبل بیان کا کورس وہی تھا جو فرانس کے انجینئرنگ کالج کا ہے اور اسی غرض سے تمام مضامین فریج زبان میں پڑھائے جاتے تھے۔ لیکن حال کے ڈائرکٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی میں پڑھائے جائیں اور ہندوستان کے رٹر کی کالج کی تقلید کی جائے۔ پرنسپل صاحب کہتے تھے کہ رٹر کی کی مستعد کتابیں یہاں منگوائی گئیں اور میں نے اُن کو دیکھا۔ وہ یہاں کے موجودہ کورس سے نہایت کم رتبہ کی کتابیں ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بھلاؤسکی تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے۔“

مدرسۃ الصنائع۔ صہیون صنعت اور حرفت کی تعلیم ہوتی ہے اور جب کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ نہایت ترقی کی حالت میں ہے۔ بخاری۔ حدادی۔ وغیرہ صنعتیں جو

انجینئرنگ کالج

ت کا دورہ

سکھائی جاتی ہیں علمی طریقہ سے سکھائی جاتی ہیں۔ اور اس بنا پر کوئی طالب علم جب تک تعلیم ابتدائی (جو ٹیڈل کی برابر ہے) حاصل نہ کر چکا ہو اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ عربی و فرس و انگریزی زبانوں کے علاوہ۔ علوم ریاضیہ۔ مشین۔ کیمیا۔ طبیعیات۔ کے ابتدائی حصے بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ ہر روز تین گھنٹے ان فطری علوم کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور سات گھنٹے مختلف صنعتوں کی عملی مشق کرنی جاتی ہے۔ شہرہ تعلیم نے رپورٹ کی ہے کہ اس مدرسہ کو نہایت ترقی ہے۔ اور جو چیزیں وہاں طیار کیا جاتی ہیں تعجب انگیز ہیں۔

عام اسکول بھی کثرت سے ہیں۔ مدارس تجزیہ دو ہیں۔ توفیقیہ۔ تجزیہ۔ توفیقیہ۔ کاسالانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد ہے اور قریباً چار سو طلباء اس میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس میں ابتدائی صفیں بھی شامل ہیں۔ اس مدرسہ کا مکان نہایت خوبصورت اور خوش فضا ہے۔ خدیو مصر نے شاہی عمارتوں میں سے ایک وسیع مکان جس کا نام قصر النہر ہے مدرسہ کو عنایت کیا اور چونکہ اسکی وضع تعلیمی اغراض کے مناسب نہ تھی اس پر اس غرض کے لیے اور عنایت کیے کہ حسب ضرورت اس میں ترمیم و اصلاح کی جائے۔ چنانچہ سکاڑی مدرسہ کی ہدایت کے مطابق اسکی عمارت میں ترمیم اور اضافہ کیا گیا۔ چونکہ مدرسہ میں تعلیم کے تین درجے تھے۔ قسم خاص۔ ابتدائی تجزیہ۔ ان تینوں کے لیے جدا گانہ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور ۳۵۰ طالب علموں کے لیے بورڈنگ کے کمرے بنائے گئے۔ مدرسہ کے متعلق دو بڑے بڑے کمرے تصویر کشی اور کیمسٹری کی مشق کے لیے ہیں اور بہت خوشنما ہیں۔

تجزیہ نریہ۔ اس کا سالانہ خرچ کم بیش دو لاکھ ہے اور چار سو لاکھ اس میں تعلیم پاتے ہیں۔ بورڈروں سے ۲۵ پونڈ یعنی ساڑھے چار سو روپے سالانہ فیس لیا جاتی ہے۔ بورڈنگ اگرچہ وسیع نہیں اور نہ طالب علموں کے لیے الگ الگ کمرے ہیں لیکن تمام لڑکے نہایت سلیقہ اور صفائی کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں جس وقت اس مدرسہ میں گیا کہانے کا وقت تھا۔ سکرٹری مدرسہ نے جبر کا نام احمد بک انظیم ہے مجھے کہا کہ پہلے کہانے کے کمرہ کی سیر کیجیے کمرہ نہایت وسیع اور خوشنما تھا۔ اور دو تین میزین اور کرسیاں کرسیاں کچھ بھٹی تھیں۔ کہانے کا طریقہ۔ اگرچہ طنطنینہ اور شام کے موافق تھا۔ یعنی چار شخصوں کے آگے ایک ایک پلیٹ تھی۔ چھری کاٹنے بالکل نہ تھے تاہم مجھ کو تعجب بلکہ حیرت ہوئی کہ لڑکے اس خوبی اور صفائی سے کھاتے تھے۔ کہ ان کے ہاتھ سالن میں مطلق نہیں بہرتے تھے۔ نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ تھا۔ آپس میں بات چیت کرتے تھے لیکن شور و غل کا کیا ذکر ہے۔ گونج تک نہ تھی دریافت سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے افسروں میں سے دو ایک ہمیشہ طالب علموں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور ہر ہفتہ میں کھانا کھانے کی تہذیب و شائستگی پر لکچر دیا جاتا ہے۔

یورپ میں تعلیم پانیاوالے

مصر میں مدت سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر سال سلطنت کی طرف سے چند طالب علم تکمیل تعلیم کے لیے یورپ بھیجے جاتے تھے یہ تعداد اس مناسبت سے ہوتی تھی کہ ہمیشہ ۳۰ طالب علم یورپ میں موجود رہتے تھے سفر اور وہاں کے قیام کا تمام خرچہ گورنمنٹ مصر کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے یہ مصارف برداشت کیے لیکن

برہمنی سے گورنمنٹ اور ملک کو ایک مدت تک کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ جو لوگ تعلیم پا کر آئے انہیں
 (ہمارے ہندوستان کی طرح) بہت کم ایسے نکلے جو کسی فن میں کامل ہوں یا انگریزی
 ملک کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکے آخر برٹش سرکار تعلیم کے افسر نے اسپر تو جیک اور غورہ تحقیق کے
 بعد اس نقصان کے اسباب دریافت کیے جنہیں سے ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لڑکوں کے
 انتخاب میں غلطی ہوتی تھی۔ اکثر بڑی عمر کے لڑکے بھیجے جاتے تھے۔ اور چونکہ انکی ابتدائی
 تعلیم و تربیت عمدہ نہیں ہوتی تھی۔ یورپ کی تعلیم و تربیت کا اثر ان پر بہت کم پڑتا تھا۔ اُسوقت
 سے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ آئندہ سے جو لڑکے بھیجے جائیں انکی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہو
 اس میں ایک یہ مشکل تھی کہ مذہب اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ
 اسکے لیے یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ چند علماء طالب علموں کے ساتھ جائیں جو عربی زبان اور مذہب
 کی تعلیم دیتے رہیں۔ یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوا اور چونکہ ملک نے ان طالب علموں کی
 عمدہ مثالیں دیکھیں لوگ اپنی اولاد کو اپنے صنف سے بھیجنے لگے۔ یہاں تک کہ
 ۱۸۸۸ء میں جب قدر لڑکے یورپ میں تعلیم پاتے تھے ان میں ۲۵ گورنمنٹ کی طرف سے اور
 ۵۲ خود اپنے صنف سے تعلیم پاتے تھے۔ ۱۸۸۸ء میں جب قدر طالب علم یورپ میں موجود
 تھے اور جن علوم میں انکی تعلیم ہوتی تھی انکی تفصیل یہ ہے۔

حکومت کے صنف سے اپنے خاص صنف سے جن صنوں میں تعلیم پاتے تھے

بیرسٹری
 ڈاکٹری

۱۷

۱۲

۵

۴

حکومت کے صرفے اپنے خاص صرفے جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے

امور مالیہ

✱

۱

معلمی یا پروفیسری

✱

۳

زراعت

۲

✱

بیہوشی کے لیے طبیاری

✱

۱

ٹیکنیکل کالج کے لیے طبیاری

۱

✱

انہیں سے ۳ طالب علموں نے جو سلطنت کی طرف سے وظیفہ پاتے تھے نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایک انہیں رنڈی پٹنہ زادہ تھا جسکو بیہوشی میں ڈاکٹری کی سند ملی۔ ایک اور کا جب کا نام اسماعیل آفندی تھا اور فرانس کے کالج میں پروفیسری کی تعلیم پاتا تھا طبیعات کے امتحان میں تمام کالج میں اس کا دوسواں نمبر ہوا۔ حالانکہ کل امیدوار جو امتحان میں شریک تھے ۳۵۰ تھے اور سب فرانس کے رہنے والے تھے۔ ایک اور کا جب کا نام عبداللہ تھا اس نے پولیٹیکل اکاڈمی میں سب سے اول درجہ کا انعام حاصل کیا۔ ان طالب علموں کے سوا چند اور طالب علم۔ انگلستان۔ اٹلی۔ جرمن میں تعلیم پاتے ہیں۔ انہیں سے بعض کلون کے بنائے کام سیکھتے ہیں اور ان سب کا صرف گورنمنٹ مسر ادا کرتی ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے کے متعلق ۱۸۸۸ء کی رپورٹ میں ڈاکٹر تعلیم نے ایک نہایت مفید اور مدلل تقریر لکھی ہے میں اہل ملک سے خطاب کیا ہے کہ اگر وہ لوگ چند خاص باتوں کا لحاظ نہ رکھیں گے تو یورپ کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ مدت

دراڑ کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یا تو نہایت کم عمر کے لڑکے سمجھنے
چاہئیں جو ابتدا سے لیکر انتہا تک یورپ ہی میں تعلیم پائیں۔ یا اگر بڑی عمر کے ہوں تو ضرور
ہے کہ یورپ جانے سے پہلے ایف اے کی سند حاصل کر چکے ہوں۔ ہمارے ہندوستان
میں بھی یہ عام شکایات ہیں کہ یورپ کی تعلیم میں جو مصارفِ غیر برداشت کیے جاتے ہیں
ان کا کافی ضلہ نہیں ملتا۔ یہ شکایت بالکل سچ ہے اور غالباً اسکی وہی وجہ ہے جو مصر
کے ٹو ایرکٹر تعلیم نے بیان کی۔

قدیم تعلیم جامع ازہر

یہاں کی قدیم تعلیم دو سے لفظوں میں جامع ازہر کی تعلیم ہے۔ ایسے قدیم تعلیم کی
کیفیت بیان کرنے کے لیے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں۔ یہ وہی جامع
ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ کل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی نہیں ہے یہ ایک
جامع مسجد ہے اور قاہرہ میں سب سے پہلے مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے۔ فاطمہ مصر
میں سے خلیفہ المعز لدین اللہ کے ایک غلام نے جو سبلی کار سنہ والاتھا اور اپنی
قابلیت خدا داد سے دولت فاطمیہ کا دست دبا زوین گیا تھا ۳۵۹ھ ہجری میں اس
مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ھ ہجری میں انجام کو پہنچی۔ ۳۶۵ھ ہجری میں خلیفہ عزیز باللہ نے
مسجد سے متصل طالب علموں کے لیے کچھ کانات بنوائے اور ۳ طالب علموں کے

جامع ازہر کی
ابتدائی تاریخ۔

یہ وظیفہ مقرر کیا۔ حاکم بامر اللہ نے سن ۱۰۸۵ ہجری میں مسجد کی عمارت میں تجدید کی اور اسکے مصارف کے لیے ۱۶۷ دینار منافع سالانہ کی جاہد وقت کی۔ ۱۰۸۵ ہجری میں امیر طوشی نے یتیموں کے لیے ایک خاص مکتب قائم کیا اور اسکے ساتھ عام طلباء مسجد کیلئے بہت سی جاہدین وقت کین۔ رفتہ رفتہ بہت بڑا دارالعلم بن گیا یہاں تک کہ سن ۱۱۸۵ ہجری میں اسکے طالب علموں کی تعداد ۷۰۰ سے متجاوز تھی جس میں ہر ملک اور ہر قوم کے اشخاص تھے اور آج تو یہ حالت ہے کہ کثرت طلباء کے لحاظ سے تمام دنیا کی کوئی یونیورسٹی اسکی ہمسری نہیں کر سکتی۔ کم بیش چار پانچ ہزار طالب علم خود مسجد میں سکونت رکھتے ہیں۔ بہت سی پاس پاس کی مسجدوں میں رہتے ہیں لیکن کمانا یہاں سے ملتا ہے۔ غرض ہر قسم کے طلباء کی تعداد جبکہ جامع ازہر سے تعلق ہے بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ ہر ملک کے طالب علموں کے لیے الگ الگ بالا خانے ہیں جبکہ میان رواق کہتے ہیں۔ ہر ایک سے طالب العلم ملکہ کثرت سے ایسے ہیں جنکے لیے مکان یا حجرہ کچھ بھی نہیں۔ مسجد کے صحن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں چوٹی چوٹی الماریاں اور پتلے چنی ہیں۔ یہی انکے توشہ خانے ہیں جن میں وہ اپنے کپڑے اور ضروری اسباب رکھتے ہیں۔ سونے بیٹھنے کے لیے مسجد کا تمام صحن بڑا سہا ہے۔ اول اول جب میں اس مسجد کی زیارت کے لیے گیا تو دور سے گونج کی آواز آئی۔ اندر داخل ہوا تو ہر طرف طالب علم ہی طالب علم نظر آتے تھے۔ جابجا مدرسین درس دے رہے تھے۔ اور ایک ایک کپڑے گروتیں تیس چالیس چالیس کا مجمع تھا۔ یہ حلقے تیس چالیس سے کم نہ تھے اور چونکہ پاس پاس تھے

طالب العلموں کی
تعداد۔

طالب العلموں کے
رہنے کا طریقہ۔

اسی لیے استاد شہر و غل تھا کہ کان پڑھی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مجھ کو خیال ہوا کہ آج کوئی خاص دن ہے اور اس وجہ سے کثرت سے طلباء جمع ہو گئے ہوں۔ لیکن دو چار روز کے بعد معلوم ہوا کہ معیجولی حالت سے مجھ کو خیال ہوا کہ اس ہنگامہ میں جمعیت خاطر ایک طرف مدرسین کی آواز بھی طالب العلم کو کان تک پہنچتی ہے یا نہیں۔

جن جن ملکوں مثلاً شام - مغرب - جزیرہ - عراق - بخارا - خراسان - افغانستان -

ہندوستان وغیرہ کے طالب العلموں کے لیے رواق بنے ہیں وہاں کے لوگ ہمیشہ سودا گروں کے ذریعہ سے سالانہ کچھ رقم بھیجتے ہیں جو ان طلباء کو جیب خرچ کے طور پر دی جاتی ہے۔ معمولی کمانا خود از ہر سے ملتا ہے۔ لیکن چونکہ صرف روٹیاں ملتی

ہیں اس لیے سال کا اہتمام انکو خود کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے طلباء جنکو چار چار بانج پانچ

روٹیاں ملتی ہیں۔ تانبائی کو دو تین روٹیاں دیکر اسکے بدلے سال لے لیتے ہیں اور اس طرح اسکے جیب خرچ پر چند ان بار نہیں پڑتا۔ روٹیوں کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ وقت معین پر

طلباء کا ایک گروہ بازار میں (جو مسجد کے سامنے ہے) دو رویہ صفت بانڈہ کرکڑا ہوتا

ہے اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے

اور یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک قائم رہتا ہے۔ طالب علموں کے ہاتھوں میں کوئی تولیہ یا دال

نہیں ہوتا جس طرح بھیکے گنگے جو کچھ ملتا ہے ہاتھ پھیلا کر لے لیتے ہیں ان طالب علموں کا

نبی ہی حال ہے۔

مدرسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ مدرسہ اول جو شیخ ازہر کہلاتا ہے

تعداد مدرسین

اور جسکی تنخواہ چھ سات سو ماہوار سے کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خود حکومت اُسکا پاس کرتی ہے۔ اس مدرسہ کا مجموعی خرچ دو تین لاکھ روپے سالانہ سے کم نہیں ۸۹۴ء میں علاوہ اس رقم کے شہرتہ تعلیم سے دو لاکھ سالانہ کی رقم اور منظور ہوئی۔

مجھ کو اپنے تمام رفیقین جب قدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بے پناہ یقین ہو کسی چیز سے نہیں ہوا۔ ایک ایسا دارالعلوم حین دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان جمع ہوں۔ جس کا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہ ہو۔ جس کے طالب علموں کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو۔ اسکی تعلیم و تربیت سے کیا کچھ امیدیں ہو سکتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بچے فائدہ پہنچانے کے لاکھوں مسلمانوں کو برباد کر چکا ہے اور لڑتا جاتا ہے۔ تربیت و معاشرت کا جو طریقہ ہے اور بکالین ابھی ذکر کر چکا ہوں اُس سے جو صلہ مندی۔ بلند نظری۔ جوش و تہمت۔ غرض تمام شرفانہ اوصاف کا استیصال ہو جاتا ہے۔ میں نے یہاں ایسے طلباء دیکھے ہیں جسکے عزیز اور نہایت قریب عزیز (چچا ماموں وغیرہ) خود اسی شہر میں بڑی بڑی معزز محدثین پر ہیں اور انکی تمام ضروریات کے تکفل بھی ہیں تاہم چونکہ یہ طلباء ازہر میں تربیت میں اس لیے انکو عام بازار میں ہاتھ بھیلانے کا روٹیاں لینے میں ذرا شرم نہیں آتی۔ طالب علموں کی ذمہ داری اور تربیت جو صلی کا یہ حال ہے کہ بازار میں بیسہ کی ترکاری خریدتے ہیں تو گنچڑے کو قسم دلاتے جاتے ہیں کہ براں سیدنا الحسینؑ یعنی مجھ کو امام حسینؑ کے سر کی قسم۔ داجی قیمت بتانا! کیا اس قسم کے تربیت یافتہ لوگوں سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کی عظمت و شان بڑھائیں گے؟ ہمارے ملک میں اس قسم کے جو مدرسے ہیں ازہر ان سے بھی گیارہ گز اسے۔

کے غفلت

تعلیم کی ابتری

اس سے زیادہ تر افسوس تعلیم کی ابتری کا ہے۔ یہاں مستقل اور اصلی طور پر صرف فقہ و نحو کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور دونوں کے لیے آٹھ آٹھ برس مقرر ہیں۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی اور دیگر علوم عقلیہ تو گویا درس میں داخل ہی نہیں۔ اصول فقہ تفسیر۔ حدیث۔ ادب۔ معانی۔ بیان۔ کی تعلیم ہے لیکن اس قدر کم ہے کہ تین بڑے دارالعلم کے کسی طرح شایان نہیں۔ نحو اور فقہ جسبر ایک عمر صرف کر سکتا ہے انکی تعلیم بھی محققانہ اور مجتہدانہ نہیں ہوتی۔ کانیہ وغیرہ کی شرحیں شرحوں کے حواشی۔ اور حواشی کے حواشی پڑھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ شیخ متنبان حال میں ایک بزرگ گزرے ہیں انکی ایک شرح ہے۔ اس شرح کو اس قدر مہتمم باشندان سمجھا گیا ہے کہ اسکی شرحیں اور شرحوں کے حواشی درس میں داخل ہیں۔ اور اس تمام سلسلہ کا ضبط و حفظ کرنا بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے چونکہ میں نے خود اذہر میں قیام کیا تھا۔ اکثر طلباء سے صحبت کرتی تھی میں انکو نہایت معمولی ناقابل التفات جزئی بحثوں میں مصروف دیکھتا تھا اور افسوس کرتا تھا۔ اسی لغو طریقہ تعلیم کا اثر ہے کہ ایک مدت سے ازہر نے کوئی قابل قدر عالم اور مصنف نہیں پیدا کیا۔ میں نے طلباء سے دریافت کیا کہ شیخ ازہر جو استاد اہل خیال کیے جاتے ہیں انکی کوئی تصنیف بھی ہے انہوں نے بڑے فخر سے کہا کہ ہاں متنبان پڑھے مگر کے کے حواشی لکھے ہیں۔

زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم کسی اصول پر نہیں ہے نہ تصف بندی ہے نہ کوئی خاص قصابی ہے۔ نہ امتحان ہوتا ہے نہ ترقی پانے کے لیے کوئی قاعدہ مقرر ہے۔ افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان ابتروں کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں۔ علی پاشا مبارک نے جو ایک مانہ میں

شستر تعلیم کا افسر تھا کچھ اصلاح کرنی چاہی تھی اسپر ازہر کے تمام علماء اسکے دشمن بن گئے اور چونکہ شیخ ازہر کا اثر طلباء پر منحصر نہیں بلکہ تمام ملک اسکو مذہبی پیشوا تسلیم کرتا ہے اس لیے پاشا سے موصوت کو اغماض کرنا پڑا۔ ازہر حقیقت میں ایک ملکی طاقت ہے اور خود سلطنت اسکی مخالفت پر بآسانی جرات نہیں کر سکتی۔

کتب خانہ خدیویہ

یہ نہایت عالی شان کتب خانہ ہے۔ اور ترتیب و خوش اسلوبی۔ زیب و زینت۔ حسن انتظام۔ خوبی عمارت۔ میں قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے۔ عمارت نہایت شاندار و وسیع ہے اور مختلف حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ سیر و مطالعہ کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں تین بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ایک کمرہ میں بہت بڑی لمبی میز ہے چیمبر جیٹر اور فہرست کی جلدیں چینی ہیں۔ ایک کمرہ مطالعہ۔ اور ایک نقل و کتابت کے لیے خاص ہے جو شخص کوئی کتاب لینی چاہے افسر کتب خانہ اسکو ایک چسپا ہو کاڑھ دیتا ہے۔ کارڈ میں مفصلہ ذیل عنوان ہوتے ہیں۔ کتاب لینے والے کا نام مع تصریح سکونت و پیشہ۔ ضامن کا نام (اجنبی شخص کو بغیر ضمانت کے کتاب نہیں مل سکتی) کتاب کا نام اور فن اور یہ تصریح کہ کتاب مطالعہ کے لیے لیتا ہے یا نقل کے لیے۔ تعلق و ایام۔ یہ کارڈ خانہ پوری کر کے ملازم کتب خانہ کو حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب مطالعہ۔ یا نقل کرنے کے کمرے میں آجاتی ہے۔ یہ طریقہ اگرچہ حسن انتظام کی دلیل ہے لیکن وقت سے خالی نہیں۔

کتابیں جہاں رکھی ہیں۔ وہ بالکل جداگانہ قطعہ ہے جس میں متعدد کمرے ہیں۔ ایک کمرہ

کے
رت لیے کا
رہے۔

جو نہایت وسیع ہے اس میں نہایت پر تکلف ترکی قائلین بچھا ہے۔ چاروں طرف دیوار ملی ہوئی
آئینہ دار الماریاں ہیں۔ سچ میں آئینہ دار میزیں ہیں جنکے اندر قلمی اور نایاب کتابیں کھلی ہوئی کھڑی
ہیں۔ ان میں ایک قرآن ہے جو ہرن کے چوڑے پر لکھا ہوا ہر اور جسکی نسبت کہا جاتا ہے
کہ امام جعفر صادقؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسکے سوا قرآن مجید کے اور نادر نسخے ہیں
جو سلاطین مصر نے اٹھوین اور نوین صدی میں وقف کیے تھے۔

یہ کتب خانہ ۱۲۸۶ھ میں قائم ہوا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ قاہرہ و اسکندریہ وغیرہ میں
اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے وقفی کتب خانے تھے اور چونکہ انکی حفاظت کا
کافی انتظام نہ تھا۔ کتابیں اتر اور ضائع ہوتی جاتی تھیں۔ اس لحاظ سے علی پاشا ڈارکر
شہر تو تعلیم کی بوڑھے کتب خانہ قائم کیا گیا۔ اور تمام قدیم کتب خانوں کی کتابیں اس میں داخل
کرنی لگیں۔ خدیو کے حکم سے علما کی ایک مجلس قائم ہوئی جسکایہ کام تھا کہ عمدہ اور نادر کتابوں
کاپیہ لگائیے تاکہ انکی نقلیں لکھو اگر کتب خانے میں داخل کی جائیں۔ جب کتابوں کا ایک
مستندہ ذخیرہ جمع ہو گیا تو خدیو نے فہرست کی طیاری کا حکم دیا چنانچہ ۱۳۰۳ھ میں یہ فہرست شروع
ہو کر ۱۳۰۹ھ میں انجام کو پہنچی۔ یہ فہرست آٹھ جلدوں میں ہے اور صرف عربی کتابوں کی ہے۔
ترکی اور فرنج و انگریزی کتابوں کی جدا فہرستیں ہیں۔

نقشہ ذیل سے عربی کتابوں کے متعلق ایک اجمالی اطلاع حاصل ہوگی

نام فن	تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب
مصاحف مجید	۱۶۱	حدیث	۱۵۰۳

تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب	نام فن
٥٦٣	توحید	٨٥	علم قرات
٤٠٥	تصوف	٦٣٤	تفسیر
٦٣٣	الفوائد الاوعية	٣٤٤	مواظ
١٠٨	آداب البحث	٢٢٥	اصول فقه
٢٣٤	فقه مالکی	١٣٥١	فقه حنفی
٢٦	فقه حنبلی	٥٢٠	فقه شافعی
٢٣٨	علم صرف	١٣٨	علم الفرائض
٢٨٥	بلاغه	١٠٢٩	نحو
١٤٠	علم اللغة	١٨	علم الوضع
١٢٣٩	علم ادب	٤٨	عروض القوافی
١٨٨	ریاضی	١١٨٣	تاریخ
٥٥٣	علم الميقات	١٩	علم الحیة
٩٨	اکیسار و البطحیة	١٨٥	علم الحرف والاسماء
٢٥٤	منطق	٣٤٣	طب
١٠٩٤	فنون متنوعة	١٢٣	حکمت و فلسفه
١٣٤٠٥	میزان کل

مین اس موقع پر بعض نادور دنیا یاب کتابوں کے نام درج کرتا ہوں جو اس کتب خانہ میں موجود ہیں
تفسیر احکام القرآن لابن کبر المجتہد المتوفی ۵۳۵ھ۔ احکام القرآن لابن العربی۔ احکام القرآن
لکلیا المر سے المتوفی ۵۴۵ھ۔ اعراب القرآن للنحاس النحوی المتوفی ۵۳۵ھ۔ اعجاز القرآن للباقلائی البحر المحیط
لابن جہان الاندلسی۔ البرهان للشیخ ابی الحسن الاودھی۔ المتوفی ۵۳۵ھ فی عشر مجلدات۔ البسيط للواحد
تتبع القرآن للقاضی عبد الجبار المعتزلی۔ جامع البیان فی تائیل القرآن لمحمد بن جریر الطبری۔ ۲۱ مجلدات۔ تفسیر
ابن جریر ۴ مجلدات۔ تفسیر حافظ عبد الرزاق بن حمام المتوفی ۲۱۱ھ۔ غریب القرآن للسجستانی المتوفی
۳۳۵ھ۔ غریب القرآن لاصم بن محمد الهروی المتوفی ۴۱۵ھ۔ غریب القرآن لابن اشدق۔ قانون التائیل
للقاضی ابی بکر ابن المغربی الاندلسی المتوفی ۵۴۳ھ۔ الکفیل بمعنی التفسیر للعماد الکندی قاضی اسکندریہ
المتوفی ۵۴۵ھ۔

حدیث۔ الاحکام الکبریٰ لعبد الحق الاشعری۔ اختلاف الحدیث للامام الشافعی۔ آداب للامام الحافظ
الہیثمی۔ جامع المسانید والاعقاب لابن الجوزی۔ البحر النقی۔ اجماعی فی بیان آثار الصحابی۔ سنن کبریٰ
بیہقی۔ شرح معانی الآثار للعلینی۔ مسند امام حنبل۔ مسند امام راہویہ۔ مسند حافظ ابی عوانہ۔ مسند
حافظ ابو عبد اللہ المرزوقی۔ مسند حافظ ابو نعیم۔

تاریخ۔ احاط فی اخبار غرناطہ۔ اخبار ابی نواس عدو اور اقمہ ۱۲۰۔ اخبار سویہ النحوی اور اقمہ ۳۰۔
الامامۃ والسیاست لابن قتیبہ۔ اوراق صولی ناقص۔ تاریخ دمشق لابن عساکر ناقص۔ تاریخ بغداد خطیب
ناقص۔ تاریخ الحكماء جمال الدین القفطی۔ طبقات الامم لمساعد الاندلسی۔ سلم الوصول الی طبقات الفحول لمصنف
کشف الظنون۔ اسم المصیب فی الرد علی الخطیب۔ طبقات الحفاظ للذہبی۔ طبقات کبریٰ مشکبکی۔

طبقات الشافعية طبقات الشافعية لابن قتيبة - طبقات الفقهاء امام ابو حنيفة شيرازي - طبقات ابن سعد -
 تاريخ عيني - طبقات حلة المذهب لابن الملقن - فضائل ابي بكر الصديق لابن العناري من اصحاب القسطن
 الخامس - فضائل ابي حنيفة النعمان لابن العوام - فضائل مصر لابن يوسف الكندي المتوفى ٢٥٢ هـ -
 منقول من نسخة الاصل المكتبة لكاثر الاخشيدي - اللباب في الانساب لابن الاثير مناقب الشافعي -
 مختصر المنظم لابن الجوزي واختصاره ايضا - مسالك الاسماء لابن فضل الله -
 مناقب الامام الشافعي للارابي مناقب امام احمد بن حنبل لابن الجوزي سيرة الفادق لابن الجوزي - المنظم لابن
 الجوزي - نهاية الارب للنويزي ناقص -

اوب - الاشباه والنظائر - البيان والتبيين للجماخطة جمهرة اشعار العرب لابن يربود جماسة البعثن - ديوان حافظ
 ابن حجر - ديوان ابن الرومي - ديوان ابن المعتز ديوان ابني نواس - ديوان الانشاسي - ذو الرمة - ديوان قطامي - ديوان
 قيس بن الخطيم - ديوان البعيد - ديوان التمس - روضة البلاغة - النزاهة للزجاجي - شرح ابن جني على المتنبي -
 شرح ديوان ابني تمام للصولي المتوفى ٢٣٥ هـ - شرح ديوان جبران لعمود الامام السكري المتوفى ٢٤٥ هـ - شرح ديوان
 حطية - شرح مردوق على الحماسة - شرح الحماسة لابني العللاء المعري - شرح ديوان حماسة لابن جني - شرح ديوان
 خريق وربي شاعرة جابلية - شرح ديوان زهير بن ابني سلمى اللامام ثعلب - شرح ديوان زهير بن ابني سلمى الشنفرى -
 شرح ديوان عبيد الله بن قيس درقيات للسكري - شرح ديوان المثقب العبدى دهب جابلية - شرح المعلقات
 لابن النحاس - شرح المفضلات لابن الانباري - ديوان سارقة بن مرداس - ديوان شامخ - ديوان عمر بن
 ابي ربيعة - شرح ديوان روية - شرح ديوان العجاج - ديوان داد الله مشقى -

قدیم یادگارین اور قابل سیر مقامات

آثار قدیمہ کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ سچ یہ ہے کہ میان کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے۔ سوا شہر کے دیرالون میں اس وقت تک سیکڑوں غروف ریزے ملتے ہیں جن پر کئی کئی ہزار سال قبل کے حروف و نقوش کندہ ہیں۔ جھکواتنا وقت بلکہ سچ یہ ہے کہ اتنی بہت کمان تھی کہ تمام قدیم یادگاروں کی سیر کرتا۔ البتہ چند مشہور مقامات دیکھے اور انہی کے حال پر اکتفا کرتا ہوں۔

اھرام۔ یہ وہ قدیم مینار ہیں جنکی نسبت عام روایت ہے کہ طوفانِ نوح سے پہلے موجود تھے۔ اور اس قدر تو قطعی طور سے ثابت ہے کہ یونان کی علمی ترقی سے انکی عمر زیادہ ہے۔ کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف میں اسکا ذکر کیا ہے۔ یہ مینار نہایت کثرت سے تھے یعنی دودن کی مسافت میں پھیلے ہوئے تھے۔ صلاح الدین کے زمانہ میں اکثر ڈبا دیے گئے۔ ان میں سے جو باقی رہ گئے ہیں اور جن پر خاص طور سے اھرام کا اطلاق ہوتا ہے صرف تین ہیں جو سب سے بڑا ہے اسکی لمبائی ۴۸۰ فٹ یعنی قطب صاحب کی لاٹ سے دوگنی ہے۔ نیچے کے چہرہ کا ہر ضلع ۶۴ فٹ ہے۔ مینار کا مکعب ۸۶ کروڑ نوے لاکھ فٹ ہے اور وزن ۶۸ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن۔ اسکی تعمیر میں ایک لاکھ آدمی بیس برس تک کام کرتے رہے۔ بڑے میں ۳۰۔ ۳۰ فٹ لمبے اور ۵۔ ۵ فٹ چوڑے پتھر کی چٹانیں ہیں۔ اور چوٹی پر جو چوٹی سی چوٹی ہیں ۸ فٹ کی ہیں۔ اسکی شکل یہ ہے کہ۔

ایک نہایت وسیع مریع چبوترہ ہے۔ اسپر ہر طرف سے کی مقدار سطح چوڑ کر دو سر چبوترہ ہے۔ اسپر سطح چوٹی تک اوپر تلے چبوترے ہیں اور ان چبوتروں کے تبدیل چبوترے ہوتے جانی سے زمینوں کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ تہردن کو اس طرح وصل کیا ہے کہ چوڑ یا درز کا معلوم ہونا تو ایک طرف چونکہ مصالح کا بھی اثر نہیں معلوم ہوتا۔ اسپر استحکام کا یہ حال ہے کہ کئی ہزار برس ہو چکے اور چوڑوں میں ہال برابر فضل نہیں پیدا ہوا ہے۔ ان میناروں کو دیکھ کر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بحر ثقیل کا فن قدیم زمانہ میں موجود تھا۔ کیونکہ اس قدر بڑے بڑے تہراتنی بلندی پر بحر ثقیل کے بغیر چڑھائے نہیں جاسکتے اور اگر اس ایجاد کو زمانہ حال کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو بحر ثقیل سے بھی بڑھ کر کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

ان میناروں میں سے ایک جو سب سے چوڑا ہے کی مقدار خراب ہو گیا ہے جسکی کیفیت یہ ہے کہ ۹۳۵ھ میں ملک العزیز (اسپر سلطان صلاح الدین) نے بعض حمقوں کی ترغیب سے اسکو ڈبانا چاہا۔ چنانچہ دربار کے چند معزز افسر اور بہت سے نقب زن اور سنگتراش اور مزدور اس کام پر مامور ہوئے۔ آٹھ مہینے تک برابر کام جاری رہا اور نہایت سخت کوششیں عمل میں آئیں ہزاروں لاکھوں روپے برباد کر دیے گئے۔ لیکن بھروسے کے کہ اس کی استرکاری خراب ہوئی یا کہیں کہیں سے ایک آدھ تہرا گھر گرا اور کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ مجبور ہو کر ملک العزیز نے یہ ارادہ چھوڑ دیا۔

اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی نے مصر کی تاریخ میں۔ افسوس کے ساتھ درج کیا ہے ۱۲۰

ابوالمول

احرام کے قریب ایک بہت بڑا ہے جسکو بیان کے لوگ ابوالمول کہتے ہیں اسکا سالاد پٹر زمین کے اندر ہے۔ گردن اور سر اور دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ چہرہ کرسی قسم کا سرخ روغن ملا ہے جسکی آب اسوقت تک قائم ہے۔ ان اعضا کی مناسبت سے انداز کیا جاتا ہے کہ پورا قد ساٹھ ستر گز سے کم نہوگا۔ باوجود اس غیر معمولی درازی کے تمام اعضا۔ ناگ کان وغیرہ اس ترتیب اور مناسبت سے بنائے ہیں کہ اعضا کے باہمی تناسب میں بال برابر کافرق نہیں۔ علیالطیف بغدادی کے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ آپ نے دنیا میں سب سے عجیب تر کیا چیز دیکھی، اس نے کہا کہ ابوالمول کے اعضا کا تناسب، کیونکہ عالم قدرت میں جس چیز کا نمونہ موجود نہیں اس میں ایسا تناسب قائم رکھنا آدمی کا کام نہیں۔

قلعہ۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین کے عہد کا ہے۔ قلعہ کی اصل عمارت میں نہیں دیکھ سکا۔ البتہ محمد علی پاشا کی مسجد دیکھی۔ بڑی شان و شوکت کی ہے۔ چیت اور دیواروں پر طلائی نقش و نگار ہیں۔ تمام مسجد میں نہایت عمدہ ٹرکی قالین کافرش ہے۔ مسجد کے قریب وہ عجیب و غریب کنواں ہے جسکو عوام نے چاہ یوسف اور زندان یوسف مشہور کر رکھا ہے۔ اور لوگ اسکی زیارت کو جاتے ہیں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین کا اصل نام یوسف تھا اس لیے مجاوروں کو عوام کے بہکانے کا اچھا ذریعہ ہوتا گیا ہے لطیف یہ ہے کہ اس میں ایک قبر بنا رکھی ہے اور اسکو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں۔ مجاور صاحب نے مجھکو بھی دیکھو کہ دینا چاہا اور جب میں نے کہا کہ حضرت یوسف یہاں کہا تو جربہ فرمایا کہ مجھکو سوہو ہوا یہ اس قیدی کی قبر ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ

چاہ یوسف

مین داخل ہوا تھا اور ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی۔“

یہ کنوان و حقیقت عجیب و غریب ہے۔ اسکے غمق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ (۳۰۰) سیڑھیان اتر کر اسکی جگت ملتی ہے سیڑھیان بڑے کچ و پیچ سے بنائی ہیں اور راستہ اسقدر تاریک ہے کہ بغیر شمع کے کچھ نظر نہیں آسکتا۔ چنانچہ جو لوگ اسکی سیر کو جاتے ہیں مجاور شمع لیکر انکے ساتھ ہوتا ہے۔ جگت پر پہنچ کر مین نے کنکری پھینکی تو دور کے بعد اسکی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ بانی بہت فاصلہ پر ہے۔

انیتک خانہ۔ یعنی عجائب خانہ۔ یہ عجائب خانہ محمد علی پاشا خدیو مصر نے ۱۸۳۵ء

میں قائم کیا۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سرکاری باغ ہے جو کئی میل لمبا چوڑا ہے

عجائب خانہ اسی میں واقع ہے۔ اس میں بیشمار کمرے ہیں اور نہایت خوبصورتی سے مرتب

ہیں۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے کی یادگاریں موجود ہیں۔ شتریان۔ پیالے

مرتبان اور اس قسم کے سیکڑوں برتن ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں۔ سب سے عجیب و

غریب وہ لاشیں ہیں جن پر ہزاروں برس گزر چکے اور اب تک اصلی ہیئت کے ساتھ قائم ہیں۔

انکو عربی میں مومیای اور انگریزی میں ممی کہتے ہیں۔ قدیم مصریوں کا دستور تھا کہ لکڑی یا

پتھر کو شنی کی وضع پر تراش کر ان میں مردوں کی لاشیں رکھتے تھے۔ اور خالی جگہ کو چوہ وغیرہ

سے بھر کر ادھر کی سطح پر مردہ کی تصویر بنادیتے تھے۔ لاشوں میں ایک خاص قسم کا مصالح

لگا دیا جاتا تھا جسکی وجہ سے بدن مٹرنے گلنے سے محفوظ رہتا تھا۔ اس قسم کے برتن

سابقہ یہاں موجود ہیں اور انہی کو مومیای یا ممی کہتے ہیں۔ ان میں سے دو یا تین تباہ و

کھل گئے ہیں۔ یعنی اوپر کا چوڑا اور مصالحہ بھٹ گیا ہے اور اسوجہ سے تمام جسم صاف نظر آتا ہے۔ مین نے بہت غور سے ان لاشوں کو دیکھا۔ باوجود ہزاروں برس گزرنے کے جسم پر بوسیدگی کا ذرا بھی اثر نہیں۔ سر کے بال اور ناخن بدستور قائم ہیں۔ انکو دیکھ کر دل عجیب تاخیر ہوتی ہے اور حقیقت ان سے بڑھ کر عبرت کا مرقع اور کیا ہو گا۔

سبحن یوسف۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ۔ یہ وہی قید خانہ ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے اور جو حضرت یوسفؑ کے جمال مبارک کی وجہ سے رشک ارم تھا۔

درجین بود ز لہجہ و سحرست می گفت | یاد زندان کہ درون آنجمن آراے هست

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ ”صحیح روایات اور قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف جس قید خانے میں قید ہوئے تھے وہ یہی مقام ہے“۔ مجھ کو سخت افسوس ہے کہ میں اس عبرت انگیز اور بہتر مقام کی سیر نہ کر سکا۔ میں نے سکاڑہ صرف اوجھ سے کر دیا ہے کہ ہمارے ہر وطنوں میں سے خدا کسی کو یہاں پہنچائے تو میری طرح اسکی زیارت سے محروم نہ رہے۔

اسلامی قیدی یا دوکارین بھی یہاں کثرت سے ہیں۔ مسجدوں کی تو کچھ انتہا نہیں۔ سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں۔ ان میں سب سے قدیم جامع عمرو بن العاص ہے جو حضرت فاروقؓ کے عہد خلافت کی یادگار ہے۔ مشہد حسینؑ ایک مسجد ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا مہر مبارک اس میں مدفون ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ روایت کمان تک صحیح ہے۔

زندانیوں

مسجد

لیکن بیان کے عام لوگ اسی بنا پر اس مسجد کا نہایت احترام کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے بھی اسکے لیے بڑا اہتمام ہے۔ شاندار وسیع اور خوبصورت مسجد ہے۔ اس پر تکلف اور ساز و سامان نے اور بھی اس کی رونق بڑا دی ہے۔ تمام مسجد میں ترکی قالین بچھا ہوا ہے اور غالباً بہت جلد بدلے جاتا ہے۔ کیونکہ مین نے جب دیکھا تو کمنگی اور فرسودگی کا مطلق اثر نہ تھا۔

سب سے زیادہ عجیب و غریب مسجد سلطان حسن کی مسجد ہے جو قلعہ کے قریب ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں متصل تین برس تک بیس لاکھ درہم (پانچ ہزار روپے) روزانہ صرفت ہوئے۔ ششہ صرین اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ششہ صرین انجام کو پہنچی۔ اسکو مدرستہ سلطان حسن بھی کہتے ہیں کیونکہ اسکے چار طرف چار بڑے بڑے ایوان ہیں جنہیں امیہ اربعہ کے فقہاء فقہ وحدیث کا درس دیتے تھے۔ مورخ مہقریزی نے لکھا ہے کہ ”تمام ممالک اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اسکے مثل تعمیر نہیں ہوئی“ اگرچہ مین اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ لیکن امین شہ نہ نہیں کہ دنیا کی کوئی مسجد اسقدر بلند اور مرتفع نہیں ہے۔ افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ایسی عجیب و غریب یادگار بالکل ویران ہو رہی ہے۔ رات کو امین چراغ تک نہیں جلتا۔ اور دروازہ ہر وقت بند رہتا ہے۔ مین دروازہ کھلوا کر اندر گیا تو ہر طرف وحشت برستی تھی۔ اسلامی سلطنت میں ایسی عظیم الشان مسجد کی یہ بے قدری نہایت قابل تعجب ہے۔

مزارات اور شاہد بھی کثرت سے ہیں اور ان کے مصارف کے لیے ہر وقت اوقاف

ہیں۔ حضرت زینبؓ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثومؓ۔ امام شافعیؒ۔ امام
 لیثؒ کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں۔ میں نے امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت
 کی۔ اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا لیکن وہاں پہنچ کر جو حالت دیکھی اُس سے طبیعت
 کو وحشت ہوئی اور متاسف ہو کر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن
 قرار دے رکھے ہیں جنہیں ان کے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؓ و امام شافعیؒ وغیرہ
 کی روحیں عالم بالا سے اپنے مزارات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ان خاص دنوں کو حضرۃ
 کہتے ہیں اور جبکہ حضرۃ کا جود ہوتا ہے اُس دن اُن کے مزار پر بڑی ہیڑ ہوتی ہے۔
 کفر سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں اور ارادیں مانگتے ہیں۔
 اُس وقت لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے اُس میں اور شرک و بت پرستی میں اگر کچھ فرق ہے
 تو ایسا دقیق ہے کہ مجھ جیسے ظاہر بین کو نظر نہیں آسکتا تھا۔ مجھ کو ہندوستان ہی کی قبر پرستی
 کا روزنامہ تھا لیکن مصر پہنچ کر تمام اسلامی دنیا کی نسبت یہ شعر یاد آیا

زباںے تابش ہر گجا کہ مے نگر م | کرشمہ دامن دل ہی کشد کہ جا این جاست

قدیم زمانہ کے مدرسے جن کا اجمالی ذکر میں نے گزشتہ تعلیم میں کیا ہے
 اب بھی موجود ہیں لیکن ویران ہوتے جاتے ہیں۔ راہ چلتے چلتے انہوں سے ایک مدرسہ
 میں میرا گزر ہوا۔ اگرچہ وہ محض ایک معمولی مدرسہ تھا لیکن عمارت خوش نما اور بہت اونچی
 تھی۔ چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے کمرے بیچ میں وسیع صحن۔ صحن میں
 دو ایک کیلیریان۔ اور کچھ درخت ہیں۔ غرض اُسکی حالت سے اندازہ ہوتا تھا

کہ چوٹے سے مدرسہ کا ویران ہونے پر یہ حال ہے تو بڑے بڑے مدرستے زیادہ پریشان
موزون اور خوبصورت رہے ہونگے۔

مطالع و اخبارات

چونکہ مصر کی مطبوعہ کتابیں تمام ہندوستان میں پہلی ہوئی ہیں اور عربی کتابوں کے
چھاپنے اور پھیلانے میں مصر نے عام ناموری حاصل کی ہے اس لیے ان مطبعوں اور یہاں کے
کتب فروشوں کا مختصر تذکرہ بھی ضرور ہے۔

مطالع یہاں نہایت کثرت سے ہیں اور بعض بعض قابل تعریف ہیں یا مخصوص ملاحظات
کا سرکاری مطبع عظیم الشان مطبع ہزار صحت و صفائی خوبی کا غنہ و مددگی طبع کے لحاظ
سے اپنا آپ نظیر ہے۔ یہ مطبع ۱۸۲۲ء میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم ہوا اور مفت
اُس میں چار سو آدمی کام کرتے تھے۔ اب بھی نہایت رونق پر ہے۔ لیکن افسوس اور سخت
افسوس ہے کہ ملک کے مذاق کے خراب ہونے کی وجہ سے عمدہ اور ناظر المضمون کتابیں
کم چھپتی ہیں۔ کتب خانہ خدیویہ میں جو نایاب قلمی کتابیں موجود ہیں ان میں سے اگر سو
دو سو کتابیں بھی چھاپ دی جائیں تو دنیا معلومات مفیدہ سے مالا مال ہو جائے۔ میں نے
بعض روشنائی مطبع والوں سے اس باب میں گفتگو کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس
قسم کی کتابیں عام پسند نہیں۔ عام پسند کتابیں البتہ بار بار چھپتی ہیں اور یک جاتی ہیں۔
مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ کتاب الخراج قاضی ابویوسف جو آٹھ دس برس پہلے
چھپی تھی اس کی جلدیں آج تک نہیں لکھیں۔ افسوس اور شرم کی بات یہ ہے کہ کتب خانہ

خدیوہ کی نادر کتابیں یورپ جاکر چھپتی ہیں اور وہاں سے شائع ہوتی ہیں۔ سید عبدالواحد طوبی ایک مشہور تاجر ہیں۔ یورپ والوں نے اُن سے معاملہ کر رکھا ہے وہ انکے حسب فرمائش کتابوں کی نقاش لکھوا کر یورپ کو بھیجتے ہیں چنانچہ سید عبدالواحد نے مجھ کو تین چار کتابوں کے قلمی اجزاء دکھلائے جو انہوں نے یورپ بھیجنے کیلئے نقل کرائے تھے۔

البتہ مصر کا یہ احسان ہے کہ کتابیں نہایت ارزان ہیں جسکی وجہ سے انکا نفع بہت عام ہے میں نے بہت سی کتابیں خریدیں جو نو لکھواری مطبوعات سے بھی کم قیمت تھیں۔ جن لوگوں کو مصر کی کتابیں مطلوب ہیں انکو چاہیئے کہ براہ راست مصر سے منگوائیں۔ یہی ہے نہ منگوائیں جہاں کے تاجر جو گئے نفع پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ مصر کی کتابوں کے لیے سید عبدالواحد طوبی سے خط و کتابت کرنی چاہیئے۔ انکا پتہ یہ ہے۔ مصر۔ قاہرہ۔ قریب الجامع لاسڑھر۔ رُپے مئی آرڈر کے ذریعے سے بے تکلف بھیجے جاسکتے ہیں۔

اخبارات

اخبارات جو عربی زبان میں نکلتے ہیں تیس سے اوپر ہیں۔ ان میں الموبید۔ المقطم۔ المقدم۔ اہرام۔ زیادہ نام آور ہیں۔ انکے علاوہ ۲۵۔ ۳۰ اخبارات اور رسالے فرینچ اور انگریزی زبان میں نکلتے ہیں۔

انگریزی گورنمنٹ کی بدولت یہاں کے اخباروں کو آزادی حاصل ہے۔ اسلئے یہ اخبارات ہر قسم کے ملکی معاملات پر نہایت آزادی سے لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں چونکہ عربی زبان میں پالیٹکس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہمارے ہندوستان کے علما اس قسم کے مضامین پر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے اسلئے بعض بزرگوں کا خیال تھا کہ

پالیٹکس کے خیالات اس زبان میں پوری طرح اداسی نہیں ہو سکتے لیکن مصر کے اخبار اس نے اس خیال کو قطعاً باطل کر دیا ہے۔

ماہوار رسالے بھی متعدد ہیں اور بعض بعض بڑی بڑی قابلیت سے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں سے مقتطف اور الملال زیادہ کامیاب ہیں۔ الملال ہمارے لجنۃ الادب میں آتا ہے۔ آٹھ روپیہ سالانہ قیمت ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اور ارباب ذوق بھی اسکی خریداری فرمائیں اور فائدہ اٹھائیں۔

تھیٹریٹ

تھیٹریٹ بیان دو تین میں۔ ایک سرکاری ہے جو خدیو اسماعیل پاشا کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ بڑے محکف اور شان و شوکت کا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں بند تھا اسلئے میں انکی سیر نہ کر سکا۔ ایک اور تھیٹریٹ ہے جو کسی عیسائی کمپنی کا ہے۔ میں نے ایک دفعہ اسکی سیر کی۔ چار دس اور ساڑھے ساٹھ سالہ بچے ہیں۔ تماشہ یہ تھا کہ نیویا (یا) یونان (مقام خوب یاد نہیں) کی ملکہ اور قیصر روم میں حدود مملکت کے متعلق جھگڑا ہے۔ قیصر نے ملکہ سے بعض نئے ممالک طلب کیے۔ ملکہ نے انکار کیا۔ اس پر دو تین بار رد بدل ہوئی یہاں تک کہ جنگ

۱۵۔ یہ ایک انجمن ہے جو ہمارے مدرسۃ العلوم میں ڈیڑھ سال سے قائم ہے۔ ہر مہینہ میں اسکے تین اجلاس ہوتے ہیں۔ بحث طلب مضامین پر ہوتے ہیں۔ اور جتنے تقریریں اور اسپیچیں کی جاتی ہیں۔ عربی زبان میں کی جاتی ہیں۔ بلکہ اسکی تمام کارروائی عربی ہی زبان میں ہوتی ہے۔ شاید تمام ہندوستان میں اس قسم کی یہ پہلی مجلس ہے۔ ہمارے قدیم مدرس عربیہ کو اس انجمن کی تقلید کرنی چاہیے۔ ۱۶

چہ گئی اور بڑا مسرکہ ہوا۔ عورت جو ملکہ بنی تھی اُس کا لباس بالکل یورپین تھا۔ کمر میں نگلی تلوار تھی اور نہایت زیب و تہی تھی۔ ایک ٹ بھی اُس نے خوب ادا کیا تھا۔ قاصد سے قیصر کا پیغام سنکر۔ اُس کا تڑپ کر اٹھنا۔ تلوار کو جنبش دینی۔ اور پُر غیظ لہجہ میں یہ الفاظ کہنے کیف فرضی یہذا الذل والھوان۔ ساتھ ہی عرب جاہلہ کے چند فخر آمیز اشعار کا پڑھنا۔ واقعی عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ اشعار اُس نے نگائے نہیں تھے بلکہ غیظ اور ادعا کے لہجہ میں ادا کیے تھے۔ لڑائی کے وقت دونوں فوجیں ہاتھ نہیں تلواریں لیکر دست بستہ لڑیں۔ تلواروں کے وار۔ صاف نظر آتے تھے اور جو لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اُن کی لڑاکھا ہٹ۔ اور بے اختیار زمین پر گرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی زخمی ہو کر گرتے ہیں سب سے زیادہ مجھ کو جو چیز پسند آئی وہ یہ تھی کہ اخیر میں سب نے خدیو کی سلامتی کا گیت گایا پورا گیت یا وہ نہیں مگر یہ الفاظ ضرور تھے۔ اَلْعِشْ تَم۔ وَالنَّفْعُ عَم۔ مَن الْخَدِیوُ الْمُحْتَرَم۔ اسطرح اور متعدد ہم قافیہ الفاظ تھے۔ ہر ہر فقرہ پر آواز کا بڑا ہوا آواز۔ عربی لہجہ کے ساتھ نغمہ طرازی۔ اصول موسیقی کا لحاظ اور سب سے بڑھ کر یہ خیال کہ اس جوش سے خدیو کی سلامتی کا راگ گانے والے سب عیسائی بہن میر سے دل پر عجیب اثر کرتا تھا۔

تھینڈر۔ ہندوستان کا ہو۔ خواہ عرب اور مصر کا۔ میر سے نزدیک اس کی شرکت وقار و شائستگی کے خلاف ہے۔ لیکن اسلامی سلطنت کی ہر چیز عزیز معلوم ہوتی تھی۔ شمع

میں کو چہ رقیب میں بھی کمر بل گیا

اُس نقش پا کے سجدہ نہ کیا کیا ذلیل

کلب اور انجمنین

انجمنین یہاں کثرت سے ہیں اور انکے مختلف مقاصد ہیں۔ و خیراتی ہیں جبکہ مقصد غریبوں کی امداد و اعانتہ ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ انجمن ایک بھی مسلمانوں کی نہیں۔ علمی انجمن بھی متعدد ہیں۔ جن میں جمعیتہ العلماء المصریہ جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوئی اور الجمعہ العلمیہ الجغرافیہ جسکو خود یو اسمعیل پاشا نے ۱۸۷۷ء میں قائم کیا زیادہ نامور اور فائدہ رساں ہیں۔ ڈیٹنگ کلب یعنی مناظرہ کی مجالس نہایت کثرت سے ہیں اور انکی وجہ سے مصریوں نے لکچر و سپیچ کے فن میں بہت ترقی کی ہے۔ ایک مجلس میں میں خود شریک ہوا۔ صدر کی جانب ایک بلند چوڑا تختہ تھا جس پر صدر انجمن اور سرکاری کی کرسیاں سجھتی تھیں۔ عام حاضرین بچوں پر تشریف فرما تھے۔ میرے سامنے چار بائچ شخصوں نے گفتگو کی۔ انکی تقریریں ایسی برجستہ و پر زور اور فصیح تھیں کہ مجھے ایک حیرت سی طاری تھی۔ تعجب یہ ہے کہ مصریوں کی عام بول چال نحو کے لحاظ سے محض غلط بلکہ بے معنی ہوتی ہے۔ لیکن اس قسم کے موقعوں پر نہایت شستہ عربی بولتے ہیں اور تکلف و آواز کا نام نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مجلسوں اور اجالات کی آزادی کی وجہ سے مصریوں میں جو عام زندہ دلی۔ آزادی خیالات۔ جرأت اور جوصلہ مندی پیدا ہو گئی ہے۔ ترکی ممالک بلکہ کل ممالک اسلامی

۱۵۔ اس انجمن نے جغرافیہ کے متعلق نہایت ناوہ تحقیقات اور معلومات فراہم کیں جو مستقل رسالہ کی صورت میں چھپکر شائع ہوئی ہیں۔ اس انجمن کا ایک خاص مکان اور کتب خانہ اور دیگر لوازمات ہیں۔

حکومتوں میں اسکا پر تو اتنا تک نہیں۔

مولد نبوی

مولد نبوی

مصر والوں کو حقیقت میں اس بات پر ناز کرنا چاہیئے کہ مولد کے اصل معنی اگر سمجھے تو انہی نے سمجھے۔ یہاں مولد کا طریقہ یہ ہے کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطہ زمین ہے جسکو ایک معزز خاتون نے اسی کام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس میدان میں تین طرف۔ نہایت ترتیب اور سلیقہ سے خیمے اور شامیاں نصب ہوتے ہیں اور سچ کی زمین بطور صحن کے چھوڑ دی جاتی ہے۔ صحن بالکل دائرہ کی ہئیت میں ہوتا ہے اور اس کے ہر چاروں طرف مسرخ ہنڈیاں لکڑی کی جاتی ہیں۔ خیمے اور شامیاں نے چونکہ عموماً پاشاؤں اور امرا کے ہوتے ہیں نہایت تکلف اور نفاس سے آراستہ کیے جاتے ہیں۔ ہر پاشا اور امیر اپنا خیمہ جدا گانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے۔ ہمارے وفانوس کی روشنی ہوتی ہے اور کتر سے ہوتی ہے۔ ہر خیمہ میں شربت یا چائے یا اور کوئی اس قسم کی چیز ہر وقت مہیا رہتی ہے۔ جسوقت کوئی شخص اگرچہ وہ عام تماشائی ہو خیمہ میں داخل ہوتا ہے فوراً چائے یا شربت سے اسکی تواضع کی جاتی ہے۔

خدیو کا خیمہ حسین انکی طرف سے اٹکانایب شریک ہوتا ہے مسرخ ہوتا ہے اور نہایت پریشان و پُر رونق ہوتا ہے۔ ہر خیمہ میں خاص خاص گروہ کے فقرا اور صوفیہ جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کے موافق ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کا طریقہ ہندوستان کے فقرا سے بالکل جدا ہے۔ سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر کے خاص الفاظ

ایک ساتھ بلند آواز سے کہتے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ رکوع کے قریب جبکہ کمر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو اسکو ورزش کا دھوکا ہو۔ درویشان رقص کا طریقہ اور بھی عجیب ہے اور سچ یہ ہے کہ فقر و تصوف کی تفسیمیک تو ہیں ہے۔ ان لوگوں کا لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے۔ پوری ہیئت تو خیال میں نہیں۔ لیکن اسقدر یاد ہے کہ نیچا جامہ اور کمر میں سبز پچکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صفت باندہ کی بیٹھتے ہیں اور انہیں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسط محفل میں جا کر ناچنا شروع کرتا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ناچ کے تمام اصول ادا کیے جاتے ہیں۔

لیکن میں نے جو دیکھا اسقدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہو کر پھر کی طرح چکر لگاتا تھا قریباً ایک گھنٹہ تک اسی طرح ناچتا رہا۔ لیکن ہاتھ یا کسی عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی۔ ایک اور گرو تھا جس کا طریقہ کسقدر اس سے مختلف تھا۔ ان لوگوں کے جامے اونچے اور زیادہ گھیرے دار تھے قریباً چھ گماڑہ والی پلٹیں۔ ناچنے کے وقت یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔

مجھ کو سخت افسوس ہوا کہ اس یہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بس مجھ کو ان کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ غوث۔ قطب۔ ابدال اقاؤ کے رتبہ تک ترقی کرنے ہیں عر وللا سرفیما یعشوقون مذاہب۔

درویشان رقص کا ذکر ضمناً آگیا تھا۔ اب میں اصل واقعہ یعنی مولد کی کیفیت کی طرف رجوع کرتا ہوں پہلی تاریخ سے یہ اجماع شروع ہوتا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بارہویں کی شب کو اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ کشمکش سے جگہ نہیں ملتی۔ صبح کو سب لوگ

خصوصاً نایب الحکومتہ۔ قاضی مفتی شیخ الازہر۔ مشہد حسین میں جمع ہوئے تھیں اور ایک عالم۔ آنحضرتؐ کی ولادت کے حالات پڑھتا ہے۔ ولادت کے ذکر کے وقت معمول کے موافق قیام ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ مولد کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

مولد کا یہ طریقہ اس لحاظ سے مجبوت پسند آیا کہ آنحضرتؐ کی ولادت پر جس جوش اور سرور کا اظہار ہونا چاہیئے وہ اسی طریقہ سے ہونا چاہیئے۔ چوٹی چوٹی مجلسوں میں یہ اجتماع۔ شان و شوکت۔ سر و سامان۔ کمان ۹۔ لیکن دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں۔ اول یہ کہ گیارہویں اور بارہویں کو آتش بازی ہوتی ہے اور یہ امر ایسی مقدس رسم کے شایان نہیں دوسرے یہ کہ لوگوں کا اجتماع دیکر اسی مجمع کے قریب سڑکوں پر ٹیبلٹ وغیرہ قائم ہو جاتے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ انکو قطعاً روک دے۔

اہل کمال اور مفید تصنیفات

قسطینہ کی طرح بیان بھی علماء اور مصنفین کے ذکر وہ ہیں اور دونوں کا مذاق بالکل الگ الگ ہے۔ از ہر کے شیوخ اور تلامذہ میں سے بعض بعض اپنے فن میں نچو و نقد میں کامل خیال کیے جاتے ہیں لیکن انکے کمال کا تمام تر مدار صرف جزئیات کے حفظ پر ہے حسین تحقیق و اجتہاد کا شایہ نہیں خود شیخ از ہر جگہ امام الفن کہا جاتا ہے کسی فن میں انکی کوئی محققانہ تصنیف نہیں۔ نئی تعلیم نے بھی اگرچہ انکے کوئی بڑا صاحب کمال نہیں پیدا کیا

لیکن اُس میں تحقیق و اجتہاد کی جب تک پائی جاتی ہے اور تصنیفات میں یورپ کا انداز ہے
میں ان دونوں گروہوں میں سے بعض مشاہیر کا حال لکنا ہوں۔

علی پاشا مبارک

مصر کی شہرۂ تعلیم میں جو کچھ اصلاح و ترقی ہوئی ہے۔ انہی کی بدولت ہوئی ہے۔

علی پاشا
مبارک۔

سولہ برس کی عمر تھی کہ یہ ۱۲۵۵ھ ہجری میں مدرسہ جندس خانہ میں داخل ہوئے ۱۲۶۲ھ
میں محمد علی پاشا کے بیٹوں کے ساتھ فرانس کا سفر کیا اور کئی برس وہاں رہ کر متعدد دگریاں
حاصل کیں ۱۲۸۵ھ ہجری میں انکو دفتر مدارس اور نظارت اوقاف کی خدمت سپرد ہوئی۔

اسی زمانہ میں انہوں نے بہت سے علمی کام کیے۔ خانگی مکاتب کی اصلاح کی۔ مصلحین

صدر مدارس قایم کیے۔ دارالعلوم کی بنیاد ڈالی۔ کتب خانہ خدیویہ قایم کیا۔ ۱۲۸۵ھ ہجری

میں دار کٹر تعلیم مقرر ہوئے۔ اور تعلیم کو نہایت ترقی دی۔ خود بھی صاحب تصنیف و تالیف

ہیں۔ مقررہ میز کے خطوط و آثار کا نہایت عمدہ کملہ لکھا ہے۔ شہنشاہ فرانس اور شاہ اطریا

نے انکو اعزاز کے تمغے بھیجے۔ میں انکی ملاقات کا بہت شائق تھا لیکن بد قسمتی سے

اس زمانہ میں خدیو کے ساتھ اسکندریہ چلے گئے تھے۔ تین چار مہینے ہوئے۔ انہوں نے

انتقال کیا۔ انکے جنازہ میں تمام اعیان سلطنت شرکت تھے۔ حال میں انکی سوانح عمری

لکھی گئی اور شائع ہوئی ہے۔

علی پاشا ابراہیم

یہ نہایت روشن ضمیر تعلیم یافتہ شخص ہے ۱۲۶۲ھ ہجری میں تعلیم کی غرض سے فرانس

علی پاشا
ابراہیم۔

گیا اور پانچ برس رہ کر نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈگری حاصل کی ۱۸۹۶ء میں ڈاکٹر تعلیم مقرر ہوا
مُعَلِّمِیْن کے مدارس اوّل اسی نے قائم کیے۔ سلطنت فرانس نے اسکو اوفیسر کے درجہ کا
متعہ بھیجا جو مشہور اہل کمال کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔

امین بک فکری

ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ فرانس میں تعلیم پائی ہے۔ سوڈن میں جو اورنٹیل کانفرنس
منعقد ہوئی تھی اُس میں سلطنت مصر کی طرف سے وکیل مقرر ہو کر گئے تھے۔ چنانچہ حالات سفر
میں ایک کتاب لکھی ہے جسکے دیکھنے سے انکی قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب
کی قیمت آٹھ روپے ہے اور واقعی قابلِ سیر کتاب ہے۔

احمد زکی

محکمہ ترجمہ کے سکرٹری ہیں۔ فوج نہایت عمدہ جانتے ہیں۔ غلامی کے مسئلہ پر ایک سالہ
فوج میں لکھا تھا جو نہایت مقبول ہوا اور فرانس کے مشہور اخبارات اور ارباب تصنیف نے
اسپر اڑکل اور ریویو لکھے۔ چنانچہ اصل رسالہ مع ریویو وغیرہ کے عربی میں ترجمہ ہو کر چپا ہے
جسکا نام الرق فی الاسلام ہے۔ انکی اور بھی مفید تصنیفات ہیں۔ لندن میں جو اخیر اورنٹیل
کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس میں یہ وکیل مقرر ہو کر گئے تھے۔

شیخ محمد عبده

پُرانے تعلیم یافتہ ہیں۔ قرنِ ادب میں تمام مصر و شام انکو استاد الفن تسلیم کرتا ہے۔
مقاماتِ بدیع کی شرح نہایت قابلیت سے لکھی ہے۔ روشنفیری کے ساتھ نئے مذاق

سے آشنا ہیں جس کا سبب سید جمال الدین افغانی کا فیضِ صحبت ہے۔ سید موصوف کے ایک رسالہ کا عربی میں ترجمہ کیا ہے اور اُس کے دیباچہ میں مختصر طور پر انکی سوانح عمری لکھی ہے۔ میں اُس کے بعض فقرے اس مقام پر لکھتا ہوں جس سے شیخ موصوف کی مہارت فن اور زورِ تحریر کا اندازہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں جو لوگ فنِ ادب کو ایسے بیٹھے ہیں انکو اس طرز کی تقلید کرنی چاہیے اور واقعات نگاری کا یہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے۔ جہاں سید موصوف (جمال الدین افغانی) اگر حلیہ اور اخلاق و اوصاف کا ذکر آگیا ہے۔ وہاں لکھا ہوا اخلاق و فضائلِ ناظرین یا محضاً رجبۃ فطر ولہ وسط فی نبیہ۔ فحی فی لونہ عصبی دہوی فی مزاجہ۔ عظیم الرأس فی اعتدال۔ عرض الجبہ فی تناسب۔ واسع العین۔ ضخیم الوجہات۔ رجب الصدر۔ ہش بيش عند اللقاء۔ اما اخلاقہ فسلامۃ القلب سائیدۃ فی صفاتہ ولہ حلم عظیم سبع ماشاء اللہ ان یسع الی ان بدو منہ احد المیشرفۃ اودۃ فینقلب الحلم الی غضب فینماہو حلیم اواب اذہوا سدا و ہا ج۔ و ہو کرم بیدل مابید، قوی لا اعتماد علی اللہ لایالی ما تاتی بہ مروت الدھر۔ سهل المزاجینہ صعب علی مزاج اشتہ۔ ولہ سلطۃ علی دقائق المعانی و متحد بدھا و ابرارہا فی صورتہا الالہیۃ لہا کان کل معنی قد خلزل۔ کل موضوع یلقی الیہ یخل للبحث فیہ کاتہ صنع یہ۔ یہ فیاتی علی اطرافہ و محیطہ بجمع الکنافہ۔

میں ان سے ملا تھا و یہ تک لطف کی صحبت رہی۔ ازہر کی اترتی تعلیم پر افسوس کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی تعلیم کے بھی سخت شاکس تھے اور کہتے تھے کہ ہوا عاقل

سبب۔ افسوس کہ گوشتِ مصر نے ان کو عمدہ قضا پر مامور کیا ہے وہ شریعتِ تعلیم کے لیے زیادہ موزون تھے چنانچہ خود بھی اسکا افسوس کرتے تھے۔

شیخ حمزہ فتح اللہ

پُرانے تعلیم یافتہ اور پُرانے خیالنت کے آدمی ہیں۔ فنِ ادب کے بہت بڑے اُستاد ہیں۔ دارالعلومِ مین ادب کا جو نصاب پڑایا جاتا ہے اسی کا انتخاب ہے۔ سرشتِ تعلیم کے ان پکڑ ہیں۔ سویڈن کی اورٹیل کانفرنس میں مصری سفارت کے ساتھ ممبر مقرر ہو کر گئے تھے اور کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک رسالہ پیش کیا تا جاکہ نام حقوق النساء فی الاسلام ہے۔ یہ رسالہ سرکاری مطبع میں چھاپا گیا ہے۔ اگرچہ اصل موضوع بہت کم لکھا ہے اور جقدر لکھا ہے وہ بھی مولویانہ لکھا ہے تاہم عبارت نہایت اُستادانہ بلند اور چمکدار ہے۔

مجھ سے ان سے نظارۃ المعارف کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیر تک علمی تذکرے سے رہے۔ رسالہ مذکور کی پانچ جلدیں تحفہ کے طور پر عنایت کیں۔ کچھ ہی سے اُنھوں نے اپنے مکان پر لوائے اور اصرار کر کے کہنا کہ لکھایا۔ کہنا نہایت سادہ۔ یعنی خشک روٹی اور کھجوریں تھیں۔ چونکہ وہ عربی زبان کے اُستاد ہیں اور عرب کے ساتھ انکو خاص محبت اور لگاؤ ہے۔ انکا سادہ عربی کہنا ایک اثر پیدا کرتا تھا۔

لطیف۔ مین اور شیخ موصوف کہنا کہ ہے تھے کہ قریب ہے ہرچون ہیں

کی آواز آئی۔ میں حیران تھا کہ یہ انکار اصوات کمان سے آتی ہے۔ دیکھا تو ایک حجرے میں گدہ بند رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں گدہ باندھنا عیسویوں کا نہیں۔ اگرچہ میں بازار میں اکثر لوگوں کو جتنی کہ انگریز دکانوں کے سپینے پر ہزار ہر تے ہوئے دیکھ چکا تھا بلکہ خود بھی دو ایک بار یہ شرف حاصل کر چکا تھا۔ تاہم مجھ کو یہ توقع نہ تھی کہ پہلے آرمیوں کے ہان گھڑوں کی طرح گدہوں کا بھی اصطبل خانہ ہوتا ہے۔

سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ اخلاق

مسیر کی روانگی کے ساتھ گویا میرے سفر کا بھی خاتمہ ہو گیا کیونکہ اسکے بعد نہ کوئی نئی آبادی دیکھی نہ کوئی جدید واقعہ پیش آیا۔ میں نے سفر کا تمام زمانہ (خلافت توقع) نہایت لطف، آرام، دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ بسر کیا۔ لیکن اس موقع پر یہ بتانا میرا فرض ہے کہ یہ لطف و آرام مجھ کو یوں نصیب ہوا کہ اور کن لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ ان سوالوں کا صاف جواب ہے یعنی عربوں اور ترکوں کے فیاضانہ اخلاق۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عربوں کی کریم الاخلاقی سے مجھ کو سابقہ نہ پڑتا تو سفر کی دلچسپیوں کا کیا ذکر ہے نہ زندگی دوہر ہو جاتی۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی شہر میں جا کر رہنا۔ کمانا پینا۔ ملنا جلنا خرید و فروخت۔ تسیر و تماشا۔ حالات کی تحقیق و جستجو۔ دریافت طلب امور کی تلاش۔ غرض تمام باتیں زبان

عربوں کے
فیاضانہ اخلاق

۱۵ شام مصر کے اکثر مسلمان عرب کی نسل سے ہیں۔ اس وجہ سے میں تمام شامیوں اور مصریوں کی زبان و تقریر عربی سے تعبیر کرتا ہوں۔

کے جاننے پر موقوف ہیں اور میں ترکی زبان سے بالکل ناواقف۔ عربی زبان جب قدر
 جانتا تھا وہ بھی سیکار یا قریب قریب سیکارتھی۔ اس قدر دو لہجہ بھی نہ تھا کہ بدیلین روپیوں کے
 صرف سے اس کمی کا تدارک کر سکتا۔ ایسی حالت میں چہہ میں نے کا زمانہ اس لطف و آرام
 سے بسر کرنا کہ گویا میں وطن ہی میں تھا صرف ترکوں اور خاص کر عربوں کی عنایت تھی۔
 ترجمانی یہ کرتے تھے۔ بازار سے چیزیں یہ لادیا کرتے تھے۔ لوگوں سے تعارف یہ
 کراتے تھے۔ قابل سیر مقامات میں رہ رہتے تھے۔ دل لگی کی صحبتوں میں شریک
 یہ ہوتے تھے۔ غرض کوئی ایسا کام اور ایسی ضرورت نہ تھی جسکے یہ کیفیل نہ تھے۔ اور لطف
 یہ کہ بے غرض۔ بے سبب۔ صرف مہمان پرستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے۔ تمام
 وہ جزئی واقعات جن میں مجھ کو ان لوگوں کی فیاضانہ اخلاق کا تجربہ ہوا ان کا بیان کرنا ناممکن
 ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین واقعات لکھتا ہوں۔ شیخ عبدالفتاح۔ شیخ علی طلیبان
 خوجی آفندی۔ عبدالباسط آفندی۔ شیخ عبدالحلیم آفندی۔ عبد السلام آفندی۔ کی فیاضیوں
 کے واقعات جتھ کو میں پہلے لکھ آیا ہوں اس موقع پر ایک بار اور بڑھ لینا چاہیے۔
 جس زمانہ میں میں قسطنطنینہ میں مقیم تھا۔ عبد السلام آفندی کے برادر عمر اداشا آفندی۔
 مقدمہ کی ضرورت سے قسطنطنینہ میں آئے۔ عبد السلام آفندی نے انکو اپنے پاس
 ٹھہرانا چاہا۔ لیکن اُنکے کمرہ میں جگہ نہ تھی۔ مجھ سے کہا کہ تم اپنے ساتھ ٹھہرا لو۔ میں نے
 انکی خاطر سے گوارا کیا۔ میری روانگی کا زمانہ قریب آیا تو انہوں نے کہا کہ میں بھی آمادہ سفر
 ہوں۔ ساتھ ہوتا تو خوب تھا لیکن اس وقت میرے پاس رُپے نہیں۔ گھر سے کچھ رُپے

منگوئے بن اُنکے آنے کا انتظار ہے۔ چونکہ وہ خاص بیت المقدس کے رہنے والے تھے مجھ کو خیال ہوا کہ انکی وجہ سے آسائش و آرام کے علاوہ بیت المقدس میں مجھ کو ایک چیز کی تحقیق و اطلاع میں بہت مدد ملے گی۔ میں نے اُن سے کہا کہ اُن سے مجھے لے بیچے وہاں چل کر ادا کر دیجیے گا۔ اُنہوں نے انکار کیا۔ اور باوجود اصرار کے کی طرح رضامند نہ ہوتے تھے۔ لیکن میں نے اس قدر مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کر سکے اور میں نے اُس وقت مارا رُپے اُنکو حوالہ کیے۔ عبدالسلام آفندی اُس وقت مکان پر نہ تھے۔ شام کو باہر سے آئے تو بات بات میں یہ تذکرہ کیا اُنہوں نے یہ واقعہ سُنکر سر پٹ لیا اور نہایت پریشان ہوئے۔ بار بار کہتے کہتے تھے کہ شو فعلت۔ شو فعلت۔ یعنی تم نے یہ کیا غضب کیا ہے۔ شاگرد کو میرا بھائی ہے، لیکن نہایت آوارہ ہے اور اس نے تم سے فریب دیکر رُپے لیے، لطیف یہ کہ رُپے تو میرے معرضِ خطر میں تھے لیکن عبدالسلام آفندی کو مجھ سے بڑھ کر اضطراب تھا۔ شاگرد آفندی گھر میں آئے تو عبدالحلیم آفندی نے اُنکو سخت ملاست کی اور اُن سے دستاویز لکھوا کر اُس پر اپنی اور ایک اور شخص کی گواہی لکھی۔ مجھ کو الگ لیجا کر کہا کہ قومی بینامی کا معاملہ ہے۔ اسلئے مجھ کو اپنے بھائی کی پردہ دہی کرنی پڑتی ہے۔ یہ لڑکا (شاگرد) آوارہ مزاج اور بد معاملہ ہے۔ اسکی کوئی ذاتی جاید اشیاء بھی نہیں۔ اسکا چچا عبدالرزاق اسکا کفیل ہے۔ یہ دستاویز انہی کو حوالہ کرنا وہ لکھو رُپے دیے گئے۔

غرض دوسرے دن شاگرد میں ساتھ جہاز پر سوار ہوئے۔ سمرنا میں پہنچے تو شاگرد کے نام اُنکے وکیل کا نام لکھا فوراً واپس آؤ۔ شاگرد نے مجھ سے کہا کہ میں تم کو چھوڑ کر گھر چلا جاتا ہوں

مین نے انکار کو نامناسب نہ سمجھا اور بخوشی بلکہ باصرہ انگو واپس بھیجا۔ بیت المقدس پہنچ کر
 مین سیدہ عبدالرزاق کے پاس گیا اور مجھ کو اس موقع پر مجبوری اور افسوس کے ساتھ کہنا
 چڑتا ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ سخت بلاخلاق کی۔ اسکی شکایت نہیں کہ رُپے نہیں
 دیے۔ تعجب یہ ہے کہ کج اخلاقی سے پیش آنے والے دو سہ دن مین نے مفتی صاحب
 (جو کافر اور پرگز چکا ہے) کے پاس جاکر اُن سے سنا اقصہ کہا اور دستاویز دکلائی۔
 مفتی صاحب نے عبدالرزاق کے پاس کا جی بھیجا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اسوقت میرے
 پاس روپیہ نہیں۔ دو چار دن کے بعد البتہ ادا کر سکتا ہوں۔ مفتی صاحب کو چونکہ لطیف
 تھا وہ یہ مکر چُپ ہوئے کہ رُپے ضرور مل جائیگے۔ لیکن اور لوگ جو وہاں موجود تھے اور
 عبدالرزاق کے خاندان کے ممبر تھے سخت برہم ہوتے تھے اور غصہ مین آکر کہتے تھے
 واللہ بیع لحیتہ دیوڈی یعنی وہ اپنی ڈاہی بیچے اور رُپے ادا کرے۔

دو سہ دن مین مفتی صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے پوری رقم یعنی دو سو رُپے
 اپنے پاس سے دیے۔ مین نے کہا آپ اپنی جریمہ دیتے ہیں تو میں لینا نہیں
 چاہتا۔ فرمایا کہ نہیں۔ عبدالرزاق نے مجھ پر حوالہ کر دیا ہے۔ لیکن اگر وہ نہ بھی دیتے اور
 میرے پاس رُپے بھی نہ ہوتے تو میں اپنا یہ جہتہ بچا کر دیتا۔ باوجود اسکے مفتی صاحب
 اور تمام حاضرین کو سخت اندامت تھی۔ وہ لوگ مجھ سے نہایت احماس سے معذرت
 کرتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ ہماری انگو تم سے بڑا نہیں ہوتی۔ مین جب فرصت
 ہو کر چلا تو مفتی صاحب نے کچھ دور تک مشایعت کی اور کہا کہ المرجو منکم ان تستروا عیوننا

خانہ منشیہ الکرام۔ یعنی ”مجھ کو امید ہے کہ آپ ہمارے عیب پر پردہ والین گئیوں گے
 شرفا کا کام پردہ پوشی ہے۔“ مفتی صاحب اور انکے ہم نشینوں کو عبد الرزاق کے برتاؤ پر
 جو نہایت تھی اور جس طرح وہ بار بار مجھے معافی چاہتے تھے۔ اُس کا اثر اب تک میں اپنے
 دل میں پاتا ہوں۔

دوسرا واقعہ۔ یہ ہے کہ۔ اسکندریہ پہنچ کر (جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں) ناد اقصیت
 کی وجہ سے مجھ کو سخت پریشانی ہوئی۔ چونکہ ریل میں دیر تھی میں ایک قہوہ خانہ میں جو اسٹیشن
 سے متصل تھا جا بیٹھا۔ وہاں ایک شامی عرب تشریف رکھتے تھے۔ مجھ کو غیر ملک کا
 آدمی سمجھ کر یا معلوم نہیں کیوں بے بڑے تپاک سے پیش آئے وہ قاہرہ کو جا رہے تھے
 میں نے اُن سے کہا کہ میں آپ کا ہم سفر ہوں اور چونکہ ناد اقصیت کی وجہ سے مجھ کو ہر موقع
 پر نقصان اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے میں چاہتا ہوں کہ قاہرہ تک میرا آپ کا ساتھ رہے
 انہوں نے کہا کہ بالاس والعین انکی وجہ سے تمام سفر میں مجھ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی
 قاہرہ پہنچے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھ کو کسی ہوٹل کا نام بتائیں جو جامع ازہر کے
 قریب ہو اور میں بھی زیادہ ہو۔ میں نے تو صرف پتہ بتانے کو کہا تھا وہ دور در تک میرے
 ساتھ ہوٹل میں مقیم ہے۔ تیسرے دن کہا کہ میں ایک ضرور سے قاہرہ آیا تھا اور دو تین
 دن میں مجھ کو واپس جانا ہے اگر آپ اجازت دیں تو رخصت ہوں۔ یہ لکھ ہوٹل کو خانسان
 کو دو دن کا لایہ اور کمائی کی فیس حوالہ کی۔ میں نے ہر چند اصرار کیا کہ میری فیس آپ
 کیوں دیتے ہیں نہ مانا اور کہا کہ آپ اس وقت تک ہمارے مہمان تھے۔ یہ لکھ رخصت

ہوئے اور مجھ کو سخت افسوس رہا کہ دوباراً ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔

حال کی عربی زبان

چونکہ سفر نامہ کے لوازم میں ایک یہ بھی ہے کہ جس ملک کی حالات لکھے جائیں وہاں کی زبان مُروجہ سے بھی بحث کی جائے اسلئے حال کی عربی زبان کی نسبت جو تمام اضلاع شام اور مصر کی زبان ہے کچھ لکنا ضرور ہے۔ اس سے ہمارے اُن ہموطنوں کو بھی فائدہ پہنچے گا جو مصر و شام کے اخبارات کے نہایت شائق ہیں۔ لیکن مُروجہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اُن سے متمتع نہیں ہو سکتے۔

موجودہ عربی۔ قدیم عربی سے اس قدر مختلف ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر و شام کا سفر کرے تو اس کو وہاں کی زبان کو سمجھنے میں قریباً دہی دقت ہوگی جو ایک عامی کو ہو سکتی ہو۔ زبان موجودہ کی وہ خصوصیتیں جنکی وجہ سے وہ قدیم زبان سے مختلف ہو گئی ہے۔ مختصر طور پر ذیل میں درج ہیں۔

(۱) بہت سے الفاظ اس قدر مختصر کر لیے گئے ہیں کہ جب تک کوئی شخص نہ بتائے۔ اصلی الفاظ کی طرف ذہن متقل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے چند الفاظ یہ ہیں۔

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنی
سُشُو	آئی شئی	کلمہ استفہام
مُوش	مَآھُوشی	حرف نفی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنی
مَا عَلَيَّش	مَا عَلَيْهِ شَيْءٌ	کچھ ہرج نہیں - کچھ مضائقہ نہیں -
بَلَا ش	بَلَا شَيْءٍ	مفت - اور پہلے لفظ کے معنوں میں ہی متصل ہوتا ہے - یعنی کچھ سبب نہیں -
هَيْئَاتُ	هَكَذَا	اس طرح
هَادُوْلُ	هَذَا هَوْلًا	یہ لوگ
قَدَائِرُ	قَدَرَاتُ شَيْءٍ	کقدر

(۲) الفاظ کے اول یا اخیر میں بعض حرف زیادہ کر لیے ہیں جس سے لفظ کی صورت بالکل بدل جاتی ہے مثلاً شام میں تمام افعال مضارع کے اول ب زائد کر دیتے ہیں - ان الفاظ کو ما اقول - ما اعرف - یوں کہتے ہیں - ما یا قول - ما یا عرف - مصرعین الفاظ کے اخیر میں شس بڑھاتے ہیں - مثلاً یاخذ کے بجائے یاخذش -

(۳) حروف کا تلفظ نہایت خراب ہو گیا ہے - بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ عربی تلفظ کی تمام خصوصیتیں مٹ گئیں - قات کے بجائے حمزہ - جیم کے بجائے گاف - ذال کے بجائے دال - عین کے بجائے حمزہ بولتے ہیں اور نہ صرف جاہل اور عامیوں کا یہ تلفظ ہے بلکہ علماء اور اشرف بھی ان حرفوں کو اس طرح ادا کرتے ہیں - ایک دفعہ مصرعین میں نے ایک طالب العلم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں بولے - گائی من گٹھ - (جاء من جمعة) یعنی میں جمعہ مسجد سے آ رہا ہوں -

(۴) ہر ایک کے لیے الفاظ ہیں جن کا طرز استعمال بدل گیا ہے۔ مثلاً جب کسی شخص کی تعریف یا اس کا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ جواب میں کہیگا۔ استغفر اللہ۔ یعنی میں کس قابل ہوں یا کوئی تعجب انگیز بات کسی کو سامنے بیان کی جائے تو وہ کہیگا۔ امان یا مثلاً یہ کتنا بہتہ ہو کہ تم کو اس سے کیا غرض ہے۔ تو کہیں گے شُودِ لَدِّ - شُو - اسی شے کا مخفف ہے اور بد وہی لفظ ہے جس کو ہم کاہل کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

(۵) یورپ کے الفاظ نہایت کثرت سے استعمال میں آگئے ہیں۔ اور چونکہ کسی قدر انہیں تیسرے لیا گیا ہے۔ عربی دان۔ اور انگریزی دان۔ دونوں کو ان کے سمجھنے میں دقت ہوتی ہے اس قسم کے چند الفاظ مثلاً درج ہیں۔

الفاظ مستریہ	الفاظ اصلی	الفاظ مستریہ	الفاظ اصلی
تلغراف	ٹیلیگرام	فوتوغراف	فوٹو گراف
پروگرام	پروگرام	بوسستہ	پوسٹ۔ ڈاک
قوماندان	کمانڈر	باسینڈ	پیرس۔ (دارالسلطنۃ فرانس)
قوماسیون	کمیشن	سیسٹم	سیسٹم
ٹوکات	ایڈوکیٹ	انکٹرا	انکٹرا
ٹیلین	ٹیلنگ	امپراطور	امپیر
غانہ	گیس	لوندراہ	لندن
بانسٹراپورٹ	پاسپورٹ	ٹراورٹال۔ یا کٹرٹال	جرنل

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
اور دبا	یورپ	ججبانہ	جمناسک
میکانک	ریشین (کن)	————— ❦ —————	

اب ہم زبان حال کے الفاظ کی ایک مختصر سی فہرست درج کرتے ہیں۔ اس میں اکثر ایسے الفاظ بھی ہیں جو آج سے پانچ چھ سو برس پہلے ایجاد ہو چکے تھے۔ لیکن چونکہ تصنیفات وغیرہ میں انکو رواج عام حاصل نہیں ہوا تھا وہ بھی نئے الفاظ خیال کیے جاتے ہیں۔ خاص اس قسم کے الفاظ پر مین ق کی علامت لکھوں گا جس سے یہ مطلب سمجھ کر وہ قدیم الفاظ ہیں۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
(الف)		امتیاز	لائسنس
امضاء	دستخط	اعتراض	اسباب
امکان جزی نقطہ	سلطنت جزمین	ادب خانہ	پانچانہ
احراز خانہ نئی نقطہ	دوا خانہ	انتیکہ خانہ	قدیم اشیاء کا عجائب خانہ
(ق) اسطول	جنگی جہاز۔ یا جہازوں کا بیڑہ	اشترک الجریڈہ	اخبار کی خریداری اور اجراء کی قیمت کو بدل لاشترک کہتے ہیں۔
	کمرہ۔ (مکان کا)		
اودہ۔ یا۔ اودہ	خواجہ سرا	————— ❦ —————	

معنی	لفظ	معنی	لفظ
(ب)			
تذکرہ	بروانہ ٹکٹ سٹند	بتا تہ	آلو
تطعیم الجدری	چیچک کا ٹیکا	(ق) برطلة جمع بر اطلیل	رشوت
تمر نیات جسدیہ	ورزش	بلدیۃ	مینوسپلیٹی
(ش)			
نورہ	بقاوت	باخرہ	دخانی جہاز
(ق) تریا	جہاز (روشنی کا)	(ق) دینا صبح - فارسی لفظ ہے	فہرست
نوب	لمبا کرتہ	براد	چا دیدان
(ج)			
(ق) جین	پنیر	بیت الماء	پاخانہ
(ق) جہیدہ - حج	اخبار	(ق) بدہری	سویرا
جہا ئد -		بکیر	ایضاً
(ق) جُخ	بنات	باش کاتب ترک ہے	میرفتی
(ت)			
جمعیۃ	انجمن	لکۃ	ازار بند
جمہرہ - (یا) گروہ -	جنگی	ترعہ	بڑا تالاب
جنینۃ	باغ	تمر نیات عسکریہ	قواعد - (فوج کی)
تتخیص .			
تھیٹر میں ایکٹ کرنا			
لہ پھلی - فوج کی خواہ کے حربہ کو کہتے تھے۔			

لفظ	معنی	لفظ	معنی
(ح)		نب۔ انگریزی قلم	ربیش
حوالہ	میلہ کپڑے جو دھونی	کی زبان	ربطۃ الرقبہ
(ن) ستر آفتہ	کو دیے جاتے ہیں	نکٹائی	صحابی
(ن) خلیب	تار پٹو کی کشتی	بندوق کی گولی	رسم
سبز الاحمار	دودھ	تصویر۔ نقشہ	
	بیل پارتی	(ز)	
(خ)		پٹی	سزنا
خریطہ	نقشہ (جغرافیہ کا)	(س)	
(ن) خان	سراے یا ہوٹل	گھڑی جس سے وقت	(ن) ساعة
		معلوم ہوتا ہے	سکہ الحدید
دلچاس (عربی میں)	شکر	ریلوے	سکوتہ
دایرہ	مکملہ۔ صیغہ	بیمہ کرنا	انگریزی پراغوزی
دقیقہ	منٹ	قالین۔ دری	سجادہ
		پالٹاکس	سیاسیۃ
(د)		چار پائی	سریر
(ن) ربان	کپتان جہاز		
سراوایہ	ناول۔ قصہ۔		
عرومان انگریزی لفظ	ایضاً		

لفظ	معنی	لفظ	معنی
کس	ضابط - جمع ضباط	افسرنوح	معنی
شرکہ	کپنی	(ط)	
شوکہ	کانٹا (جس سے انگیز کہانا کہا تہہ بین)	طرپوش	ٹرکی ٹوپی
شمیہ	چھتری	طبی	سینی
شمند و فر	ریل	(ظ)	
فرج زبان کا لفظ ہے	بوٹ	ظرف	لفافہ
شمنہ	بوٹ نمونہ بڑا صندوق	(ع)	
شخطورہ	چھوٹی کشتی	ون (ن) علبہ	ڈبہ
(ص)		ون (ن) عیش	روٹی
عطاری کی دوکان	عیش	عیش	باؤروٹی
تالاب	عمارہ	عیش	بیڑہ جہازات
ووط	ون (ن) عربہ	گاڈمی	ایضاً
(ض)		عجلہ	اخبار کا کالم
ضو	جراغ - لمپ	عمل	ممبر (کمٹی)
ضربہ	ٹکس	عضو - جمع اعضاء	
ضبطہ	پولس		

لفظ	معنی	لفظ	معنی
غ	ع	قرار	رزولیوشن - محکم
غسیل	کپڑے کی دہلائی	قام مقام	ایک عمدہ کا نام ہے جو ہر
ف		قرینہ	ہن کی چلی گلہری کی قریبی
(ق) فداق	ہوٹل		زوجہ - بیگم
(ق) فُجْجَانُ صبح فجاجین	بیالی	(ک)	
(ق) فلوکہ	ڈوگلی - چوٹی کشتی	کُفِیہ	ٹوپی
فطرہ - بافطور	ناشتہ صبح کا کانا	کندہ بڑی ہے - غالباً	بوسٹ
فأبریقہ انگریزی لفظ ہے	کل وغیرہ کا کارخانہ	کمرؤسہ	شکر
(ق) فُرَجَة	سیر - وتفریح -	(ق) کاک یا کماک	بکٹ
فُراجہ	طرش عورتوں کا بَرَق	کبریت	ویا سلائی
فُرَانَة	ریزگاری - روپیہ کا		
	خردہ -	(ل)	
		کلیحة	فہرست
(ق)		لَقَّة	عامہ جو ٹوپی کے اوپر
(ق) قاقیمہ	فہرست کتب		باندہتے ہیں -
لہ شاعر کنہی رقم ہاتھ تھوڑے کلمہ صافیۃ		لیرا	پونڈ - اشرفی
تجلی النفوس وشفق الفجاجینا -		لوکا ندہ - عربی نہیں ہے	ہوٹل

لفظ	معنی	لفظ	معنی
(ق) لجنۃ	کمیٹی	مندوب	ڈیگیٹ - ریفر - کپل -
لحظة	سکند (منط کا	کھجور	قرنطینہ
	ساکھوان حصہ)	ماموریتہ	نوکری
لیلیٰ	بورڈر - (بشرطیکہ لفظ	مدفع	توپ
	طالب العلم کے لیے	مَضْبُطَة	ممویل - عرضداشت
لباس	استعمال کیا جائے	محل	کارخانہ
	پاجامہ	معرض	نمائش گاہ
لباس	دھی	مُتَصَرِّف	ایک عمدہ کا نام ہے
م		مُفَتِّت	انسپکٹر
مَصَارِی	فلوس - پیسے	مَحْفَظَة	نوط بک - یادداشت
مُسْتَشْفٰی	اسپتال		کی کتاب
مرغا	گھاٹ - بندرگاہ	مَتَحَفُّ	عجائب خانہ
موسسات -	رہنڈیان - کسبیاں	مُشْتَمِع	موم جامہ
مِقْصَر	قینچی	مَسْکُوب	سلطنت روس
(ق) مُرَاتِب	حجام	مَرکَن	گلدان
موتمر	کانفرنس	(ق) مَحْذَاہ	تکیہ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
مِقمَلہ	قلم تراش - چاقو	محکمۃ الحقوق	عدالت دیوانی
ملعقہ	چمچ	محکمۃ الجزاء	عدالت فوجداری
ان (ن) وظلہ	چھتری	محکمۃ الاستیفاء	عدالت ایمل
عمرہ	زوال	محکمۃ التتمین	ہائیکورٹ
ان (ن) مندیل	ایضاً	محامی	وکیل
منشف	تولیہ	ان (ن) مینا	گھاٹ
مہرکوب	جوتا	ان (ن) مرکب	جہاز
ملاسہ	سلیپر گھرمین پٹے	ممثل	ایکٹر
	کے جوتے	مسوکرہ - انگریزی و انگریزی	رجسٹری شدہ خط یا پارسل
محطۃ	ریل کا اسٹیشن	مینرانیہ	بجٹ
ان (ن) محجلۃ	میگزین - علمی رسالہ	سگاسٹ	چرخ
ملاءرۃ	اتھرن پوش جہاز	مصلحہ	محکمہ صیغہ حبسی مصلوۃ
محکمہ	عدالت	معاش	ابوسطۃ بمعنی نکاح خا
<p>لے جا بیٹے میں اس کتاب کو کہتے تھے حسین جگت عظیم کی</p> <p>مضامین ہون۔ ثابۃ کا شعر</p> <p>مہلتہم ذات لالہ و دینیم۔ فلانم نایا چون غیر العواذب</p>		معاشر	پنشن
		مجادس	قدیم مدارس کے طالب العلم
		محل لادب	پاخانہ

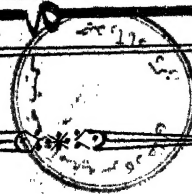
لفظ	معنی	لفظ	معنی
مادّة	وضع (قانون وغیر کی کتاب)	(ن) نظارہ	شتر-صیغہ
معارف	شتر تعلیم	ناظر	سکری
جُسمہ	اسٹیجیو-پوری قد کی صورت	ناگر کیلئے ناسی ہے	حقہ
مُزایدۃ	نیلام :		

(و)

(ن)

فخاری	۱	غیر پورڈ طالب العلم-اگو	وسام	تمغہ
	۱	خارجیہ بھی کہتے ہیں-	واپس- یا فاپس- عربی میں ہے	جہاز
نشان-جمع نشانات	تمغہ		ورقہ	ٹکٹ
(ن) ناموسیۃ	پلنگ		ورقہ الزبارة	ملاقات کا کارڈ
نمسا	سلطنت آسٹریا		(ن) وصول	رسید
نارثیۃ	آتشبازی		ویر کو عربی نہیں ہے-	ککس
نظارۃ	دور بین-		دھاق	کاغذ

بِالْخَلِّ لَ تَرُ



اشتبہار

جو کہ اکثر حضرات خاکسار کی تالیفات کے متعلق مختلف موذیہ فتوے رہتے ہیں۔ اسلئے ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جاتا ہے جس سے تمام ضروری امور معلوم ہو سکیں گے۔

نام کتاب	مضمون	طبع	کمان ملکتی ہے	قیمت
المأمون	خلیفہ ہارون الرشید عباسی کی سوانح عمری اور اس کے عہد کی علمی اور علمی ترقیان۔	طبع سوم مطبع منیہ	سرکاری مدرسہ العلوم علیگڑہ	۴۰
سیرۃ النعمان	امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری	مطبع منیہ	ایضاً	۴۰
کتب خانہ اسکندریہ	اس بات کا ثبوت کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمر کے عہد میں نہیں بنایا گیا۔	اول مطبع منیہ	ایضاً	۵
ترجمہ کتب خانہ اسکندریہ بزبان انگریزی	ایضاً			۱۸
الحسنہ	جزیرہ کلفطی و معنوی تحقیق اور یہ کہ یکس اسلام میں کس مقصد سے اختیار کیا گیا	دوم لاہور	فضل الدین تاج کتب لاہور	۱۰
ترجمہ الخیر بزبان انگریزی	ایضاً	اول	سرکاری مدرسہ العلوم علیگڑہ	۴۰
گزشتہ تعلیم	مسلمانوں نے یونان مصر روم و ہندوستان کی ملکہ و فنون کی کتابیں جو عربی میں ترجمہ کیں ان کے مفصل حالات اور قدیم اسلامی یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تفصیلی تاریخ	سوم مطبع قویہ	شاہ حسین قویہ پریس چوک کنو	۱۸
مجموعہ نظم فارسی	خاکسار کے قصائد و قطعات اور دیگر نظموں کا مجموعہ	طبع منیہ	ایضاً	۴۰
مفسر نامہ روم	خاکسار کا سفر نامہ قسطنطنیہ و غیرہ	طبع اول مطبع منیہ		۴۰

واضح ہو کہ کثرت کے خریداروں کو جو عہد کی قیمت کی کتابیں خریدیں۔ فی صدی عہد کمیشن ملے گا۔

یہ بھی واضح ہو کہ کتب خانہ اسکندریہ جو بزبان انگریزی۔ انگریزی خوان طالب علموں کو جو کسی کالج میں پڑھتے ہوں مفت مل سکتا ہے۔
البتہ شہابی انجمنی پرنٹریس مدرسہ العلوم علیگڑہ